فتاوی حقانیہ

٤

از افاداتِ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

و دیگر مفتیانِ کرام دار العلوم حقانیہ

نگرانی و اہتمام

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ (الآیۃ)

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ حقانیہ

جلد چہارم

افادات

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق و دیگر مفتیان کرام

جامعہ دار العلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام

مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث

جامعہ دار العلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ، پاکستان

(جملہ حقوق واشاعت وطباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں)

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد چہارم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۱۴ صفحات

تاریخ طبع ہفتم ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد چہارم

عنوانات	صفحہ
کتاب الزکوٰۃ	
باب صدقۃ الفطر	۳۳
صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب	۳۳
زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے وجوب کا نصاب	
صدقہ فطر کی مقدار	۳۴
صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟	۳۴
حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقہ فطر سے تعاون کرنا	۳۵
اجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں	۳۵
صدقہ فطر میں تجری معتبر نہیں	۳۶
بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے	۳۷
کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟	۳۷
صدقہ فطر اور قربانی میں احتیاط	۳۸
رمضان کے دوران صدقہ فطر ادا کرنا	۳۸
کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے	۳۹
علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۳۹
نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم	۴۰
غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم	۴۰
میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا	۴۱
کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقہ فطر کا حکم	۴۱
حقیقی بھائی کو صدقہ فطر دینا جائز ہے	۴۲
صدقہ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟	۴۲
نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب ہے	۴۳
قیدیوں کو صدقہ فطر دینا جائز ہے	۴۳
پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق	۴۴
زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق	۴۴

عنوانات	صفحہ
کیا صدقۂ فطر کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے	۴۵
صدقۂ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے	۴۵
بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم	۴۶
زمیندار کے لیے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم	۴۶
باب مصارف الزکوٰۃ	۴۷
مالدار کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۴۷
صاحب جائیداد کو زکوٰۃ دینا	۴۷
گائے، بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۴۸
غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کر کے پھر فقیروں کو دینے کا حکم	۴۹
اصول و فروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں	۴۹
رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے	۵۰
بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے	۵۰
کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا	۵۱
جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے	۵۱
صاحب نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا	۵۲
مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۳
کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ دینے کا حکم	۵۳
نابالغ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۴

عنوانات	صفحہ
علم دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے	۵۴
کسی دینی مدرسے کے مالدار استاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۵
سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں	۵۵
کسی مستحق کو مقدار نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے	۵۶
عصری علوم حاصل کرنے والے طالبعلم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے	۵۶
مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں	۵۷
مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا	۵۸
میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے	۵۸
قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸
کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۹
زکوٰۃ کی نیت سے کسی غریب کو کھانا کھلانا	۶۰
وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا	۶۰
وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا	۶۱
غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا	۶۱
داماد کو زکوٰۃ دینا	۶۲
بہو کو زکوٰۃ دینا	۶۳
امام مسجد کو عشر و زکوٰۃ دینا	۶۳
مالدار امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا	۶۳
زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا	۶۴
عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا	۶۴
مقروض پر زکوٰۃ کا حکم	۶۵
زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا	۶۵

عنوانات	صفحہ
کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی	۶۶
زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا	۶۶
مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا	۶۷
دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ	۶۸
کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا	۶۸
ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا	۶۹
موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا	۶۹
زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا	۷۰
کیا سنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے	۷۰
قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم	۷۱
حیلۂ زکوٰۃ کا حکم	۷۲
زکوٰۃ دینے کے بجائے قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی	۷۲
زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ	۷۳
منی آرڈر کے ذریعہ زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟	۷۳
کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ داروں کو زکوٰۃ بھیجنا	۷۴

عنوانات	صفحہ
زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا	۷۵
مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کریں	۷۶
مدارس دینیہ کے مہتممین کو زکوٰۃ دینا	۷۶
مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں	۷۷
کیا اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے؟	۷۷
لٹ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا	۷۸
دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے	۷۸
خورد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا	۷۹
فقیر عالمِ دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے	۸۰
مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے	۸۰
گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۸۱
حکومت کی طرف سے مدارس دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۸۱
سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے	۸۲
عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں	۸۲
فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے	۸۳
قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم	۸۴
زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا	۸۴
سیّد فقیر کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا	۸۵

عنوانات	صفحہ
زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم وتجاویز	۸۶
نصابِ زکوٰۃ	۸۹
سال گذرنے کا مسئلہ	۹۱
قرضوں کا مسئلہ	۹۲
اموالِ ظاہرہ وباطنہ	۹۳
زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ	۹۷
بینک اکاؤنٹ کے قرض ہونے کی حیثیت	۹۷
محتاط طریقہ	۹۸
سودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ	۹۸
نابالغ کی زکوٰۃ	۹۹
ترکے کا مال	۱۰۰
کمپنیاں اور شیئرز	۱۰۰
عُشر بصورتِ نقد	۱۰۰
چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء	۱۰۱
تاریخ زکوٰۃ	۱۰۱
قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ	۱۰۲
مصارفِ زکوٰۃ	۱۰۲
خلاصہ تجاویز برائے حکومت	۱۰۳
اِسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنی تفریق تباہ کن ہے	۱۰۶

عنوانات	صفحہ
قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی	۱۱۰
کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟	۱۱۰
ملتِ حنیفیہ کی حفاظت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی قربانیاں	۱۱۱
ارکانِ خمسہ	۱۱۱
ارکان کا باہمی ربط وتعلق	۱۱۲
کسی ایک رُکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے	۱۱۳
منکرینِ زکوٰۃ اور فراستِ صدیقیؓ	۱۱۵
مانعینِ زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے	۱۱۶
زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں	۱۱۷
اسلامی ریاست کے مداتِ آمدنی	۱۱۷
جاہلی نظریات کی جدید تعبیر	۱۱۸
غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج	۱۱۹
نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت	۱۲۰
ملّتِ مُسلمہ کا فریضہ	۱۲۱

عنوانات	صفحہ
کتاب الصوم	
باب رؤیۃ الھلال	۱۲۵
اخبار رؤیت کیلئے شہادت کی شرائط ضروری نہیں	۱۲۵
دوربین سے ہلال دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم	۱۲۵
اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں	۱۲۶
شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے	۱۲۷
رؤیت اور تکمیل ثلاثین کے علاوہ نفس حساب کا اعتبار نہیں	۱۲۷
تکمیل شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں	۱۲۸
یوم الشک میں روزہ رکھنے کا حکم	۱۲۸
طلوع آفتاب کے بعد رؤیت ہلال کی اطلاع آنا	۱۲۹
دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے	۱۳۰
رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت	۱۳۱
ریڈیو اور ٹی وی کی خبر پر فرضیت رمضان کا حکم	۱۳۱
عید اور رمضان کے ثبوت کے لیے ٹیلیفون کی خبر کا حکم	۱۳۲
بذریعہ خط عید یا روزے کا حکم	۱۳۳
ٹیلیگرام سے عید و رمضان کا ثبوت	۱۳۳
ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم	۱۳۴
صاف مطلع کے دوران جم غفیر ضروری ہے	۱۳۷
رؤیت ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب	۱۳۸
استفسار بالا کے جواب پر اشکال کا جواب	۱۳۸
باب تعریف الصوم واقسامہ	۱۴۲
روزہ کی نیت کا وقت	۱۴۲
روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد	۱۴۲
یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا	۱۴۳
پوری زندگی روزہ رکھنے کی منت ماننا	۱۴۳
شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کا حکم	۱۴۴
طویل النہار والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ	۱۴۵
عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے	۱۴۶
مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں	۱۴۷
کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیئے؟	۱۴۷
سحری و افطاری کا مستحب طریقہ	۱۴۷
کیا اذان فجر انتہاء سحری کی دلیل ہے؟	۱۴۸
صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم	۱۴۹
ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم	۱۴۹

عنوانات	صفحہ
حاجی کے لیے یوم العرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۵۰
یوم عاشورہ کے روزے کا حکم	۱۵۰
رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم	۱۵۱
عاشورہ کے دن قضاء رمضان کا حکم	۱۵۱
پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم	۱۵۲
پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم	۱۵۲
مروجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ	۱۵۳
مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم	۱۵۳
روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم	۱۵۴
روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم	۱۵۴
جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا	۱۵۴
شوال کے چھ روزوں کا حکم	۱۵۵
باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد	۱۵۶
مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۱۵۶
خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے چیزوں کا چکھنا	۱۵۶
حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا	۱۵۷

عنوانات	صفحہ
روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے	۱۵۸
رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم	۱۵۸
زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا	۱۵۹
بدنگاہی سے انزال مفسد صوم نہیں	۱۵۹
منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے	۱۶۰
ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا	۱۶۰
فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں	۱۶۱
قاضی کیلئے مسندِ قضا روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں	۱۶۲
روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں	۱۶۲
روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا	۱۶۳
دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات	۱۶۳
قے کا بلا قصد آنا مفسدِ صوم نہیں	۱۶۴
پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں	۱۶۵
روزہ کی حالت میں احتلام ہوجانے کا حکم	۱۶۵
روزہ میں بیوی سے بوس و کنار کا حکم	۱۶۵
روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم	۱۶۶

صفحہ	عنوانات
۱۶۶	حوض میں غسل کرتے وقت خروجِ ریح مفسدِ صوم نہیں
۱۶۷	نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے
۱۶۷	بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے
۱۶۸	رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے
۱۶۸	روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا
۱۶۸	بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا
۱۶۹	دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں
۱۷۰	اِنہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
۱۷۰	حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا
۱۷۱	روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم
۱۷۱	روزہ کی حالت میں بیوی سے بغل گیر ہونا
	باب القضاء والکفارۃ
۱۷۲	سفر پہ روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم
۱۷۲	قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم
۱۷۳	رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجبِ کفارہ وقضاء ہے
۱۷۴	کفارہ سے بچنے کا حیلہ
۱۷۴	روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم

صفحہ	عنوانات
۱۷۵	ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم
۱۷۵	دھوئیں اور گرد و غبار کے روزے پر اثرات
۱۷۶	روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے
۱۷۶	جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے
۱۷۷	غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے
۱۷۷	بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم
۱۷۸	میت کے ذمہ روزوں کا حکم
۱۷۹	روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا
۱۷۹	شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم
۱۸۰	عورت کے لیے کفارہ کا طریقہ
۱۸۰	کفارہ میں تداخل ممکن ہے
۱۸۱	روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم
۱۸۱	اعلامِ باری موجبِ کفارہ وقضاء ہے
۱۸۲	روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفارہ کا وجوب
۱۸۲	جانور سے وطی کرنے پر روزہ کا حکم
۱۸۲	جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے
۱۸۳	غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے
۱۸۳	سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے

عنوانات	صفحہ
استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے	۱۸۴
غلط فہمی سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں	۱۸۴
سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے	۱۸۵
بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم	۱۸۶
فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے ؟	۱۸۶
مسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں	۱۸۷
غیرِ رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں	۱۸۷
سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضاء کرے یا کفارہ بھی ؟	۱۸۸
سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء و کفارہ کا حکم	۱۸۸
نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاءً و کفارہ دونوں واجب ہیں	۱۸۹
قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے	۱۸۹
باب الاعذار المبیحۃ للافطار	۱۹۰
ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا	۱۹۰

عنوانات	صفحہ
حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں	۱۹۰
مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے	۱۹۱
شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے	۱۹۱
کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفارہ لازم ہے یا قضاء ؟	۱۹۲
شدّتِ پیاس کی وجہ سے روزہ توڑنے کا حکم	۱۹۲
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا	۱۹۲
کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصرِ نماز کی طرح لازم ہے ؟	۱۹۳
مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا	۱۹۴
آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے	۱۹۴
شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم	۱۹۵
ظنِ غالب کی بناء پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا	۱۹۵
باب الاعتکاف	۱۹۶
روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم	۱۹۶
اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں	۱۹۶
اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات	۱۹۷
معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سننے یا سنانے کے لیے نکلنا	۱۹۷

عنوانات	صفحہ
اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم	۱۹۸
معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم	۱۹۸
کیا معتکف کے لیے جنازہ پڑھنا درست ہے	۱۹۹
معتکف کا نماز با جماعت کیلئے مسجد سے نکلنا	۲۰۰
معتکف کا غسل جمعہ کے لیے مسجد سے باہر نکلنا	۲۰۰
معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جا سکتا ہے ؟	۲۰۱
اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا	۲۰۱
بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا	۲۰۲
اخراج ریح کیلئے معتکف کا مسجد سے نکلنا	۲۰۳
بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم	۲۰۳
حقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں	۲۰۴
معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا	۲۰۴
حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا	۲۰۵
حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا	۲۰۵
کیا محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے	۲۰۶
معتکف کا اذان دینے کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا	۲۰۶
عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم	۲۰۷
حالتِ اعتکاف میں اخبار پڑھنا	۲۰۷
بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا	۲۰۸
معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے	۲۰۹
حالتِ اعتکاف میں گھر سے کھانا لانا	۲۰۹

کتاب الحج

عنوانات	صفحہ
باب شرائط الحج وارکانہ	۲۱۳
حج کی فرضیت کا وقت	۲۱۳
ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے	۲۱۳
زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت	۲۱۴
صرف تصرف کا اختیار حج کی فرضیت کیلئے کافی نہیں	۲۱۴
مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم	۲۱۵
حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے	۲۱۵
حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ	۲۱۶
چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم	۲۱۶
حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا	۲۱۷
مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے	۲۱۸
بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں	۲۱۸
صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانع حج نہیں	۲۱۹
اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں	۲۱۹

عنوانات	صفحہ
سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں؟	۲۲۰
عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں	۲۲۰
عورت کا کراچی سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم	۲۲۱
عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں	۲۲۱
عورت کے لیے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم	۲۲۲
عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی	۲۲۲
عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا	۲۲۳
رہن کے پیسوں سے حج کرنا	۲۲۳
صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہو جاتا	۲۲۴
خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا	۲۲۴
والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا	۲۲۴
نفلی حج کے لیے خاوند کی اجازت ضروری ہے	۲۲۵
نفلی حج افضل ہے یا صدقہ؟	۲۲۶
حائضہ عورت طواف زیارت چھوڑ دے تو	۲۲۶
زمین حل میں رہنے والے کیلئے طواف قدوم	۲۲۷
میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طواف وداع کا حکم	۲۲۷
فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم	۲۲۷

عنوانات	صفحہ
مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم	۲۲۸
احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم	۲۲۸
احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ	۲۲۹
تبلیغ پر حج مقدم ہے	۲۲۹
بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت	۲۳۰
فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں	۲۳۰
حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا	۲۳۱
دس ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم	۲۳۱
حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ	۲۳۲
حائضہ عورت پر طواف صدر لازمی نہیں	۲۳۲
حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا	۲۳۳
عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا	۲۳۳
رمی جمار کے لیے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟	۲۳۳
عرفات میں نماز مغرب پڑھنے کا حکم	۲۳۴
عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم	۲۳۴
مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا	۲۳۵
میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم	۲۳۵
تلبیہ جہراً پڑھے یا سراً؟ کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟	۲۳۵

عنوانات	صفحہ
احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا	۲۳۶
قصر کی مقدار کا مسئلہ	۲۳۷
حج اور نکاح کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ	۲۳۷
حج کے متعلق چند سوالات	۲۳۸
باب التمتع والقران	۲۴۳
حج تمتع میں قربانی نہ کرنے کا حکم	۲۴۳
متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا	۲۴۳
حج قران وتمتع کی تعریف	۲۴۴
متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کا حکم	۲۴۴
حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم	۲۴۵
میقات میں رہنے والے کے لیے حج تمتع اور قران	۲۴۵
حج تمتع کی نیت کرنے کے بعد حج قران کی نیت کرنا	۲۴۶
حج تمتع افضل ہے یا قران	۲۴۶
باب الحج عن الغیر	۲۴۷
نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں	۲۴۷

عنوانات	صفحہ
فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب	۲۴۷
نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم	۲۴۸
نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں	۲۴۸
غریب آدمی سے حج بدل کرانا	۲۴۹
حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم	۲۵۰
حج بدل میں عمرہ کی نیت کا حکم	۲۵۰
ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم	۲۵۱
حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا	۲۵۱
میقات کے بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا	۲۵۱
حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے	۲۵۲
حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا	۲۵۲
سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں	۲۵۳
حج بدل کی شرائط	۲۵۴
وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم	۲۵۴
عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا	۲۵۵
غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا	۲۵۵
ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا	۲۵۶
صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم	۲۵۶
حج بدل کے بعد منذر عمرہ ادا کرنا	۲۵۷
والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے	۲۵۸

عنوانات	صفحہ
دمِ تمتع و دمِ قران آمر پر ہے یا مامور پر؟	۲۵۸
محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کرا سکتی	۲۵۹
حج بدل ادا کرنے کے مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم	۲۵۹
حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کر سکتا ہے	۲۶۰
حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچہ کس پر ہوگا	۲۶۰
کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کر سکتا ہے یا نہیں	۲۶۱
مامور کا مدینہ منورہ جانے کیلئے آمر کی رقم سے خرچ کرنا	۲۶۱
حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی	۲۶۲
باب الجنایات	۲۶۳
رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم	۲۶۳
جمرۃ العقبہ کی رمی بلا عذر شرعی چھوڑنے کا حکم	۲۶۳
۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم	۲۶۴
ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں	۲۶۴
مفرد پر دم شکریہ لازم نہیں	۲۶۴
احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم	۲۶۵
حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم	۲۶۵

عنوانات	صفحہ
حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم	۲۶۶
حالتِ احرام میں عطاری کی دوکان میں بیٹھنا	۲۶۶
ذبح اور حلق میں ترتیب	۲۶۷
ترکِ سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں	۲۶۷
طواف صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے	۲۶۸
عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم	۲۶۸
دمِ جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے	۲۶۹
بلا احرام میقات سے تجاوز کرنے اور پھر عود کرنا	۲۶۹
آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کے لیے بغیر احرام جانا	۲۶۹
جدہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا	۲۷۰
میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب	۲۷۱
طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے	۲۷۱
عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے	۲۷۲
احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا حکم	۲۷۲
دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے	۲۷۳
حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا	۲۷۳
باب الھدی	۲۷۴
قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا	۲۷۴

عنوانات	صفحہ
دم جنایت سے خود کھانا جائز نہیں	۲۷۴
حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا	۲۷۵
حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا	۲۷۵
دم جنایت کیلئے وقت یا دن کا مشروط ہونا	۲۷۶
منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے	۲۷۶
بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے	۲۷۷
باب العمرة	۲۷۸
عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم	۲۷۸
متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے	۲۷۸
عمرہ اور مزدوری	۲۷۹
بسلسلہ مزدوری جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں	۲۷۹
حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا	۲۷۹
دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم	۲۸۰
شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم	۲۸۰
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا	۲۸۱
زندہ آدمی کے لیے طواف اور عمرہ کرنا	۲۸۱
حج بدل کے بعد کسی کے ایصال ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم	۲۸۲
بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا	۲۸۲
عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے	۲۸۳
عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟	۲۸۳
کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے	۲۸۴
عمرہ کے کتنے ارکان ہیں؟	۲۸۴
ایام تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم	۲۸۵
ارکان عمرہ میں تقدیم وتاخیر کا حکم	۲۸۵
باب في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم	۲۸۶
حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے جانا لازمی ہے	۲۸۶
زیارت روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟	۲۸۶
زیارت روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا	۲۸۷
حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟	۲۸۸
قانوناً حجاز میں مدت قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینۂ طیبہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟	۲۸۸
اسطوانۂ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم	۲۸۹
روضۂ اطہر کی زیارت اور صلوٰۃ وسلام کا طریقہ	۲۹۰

کتاب النکاح

باب آداب النکاح وشرائط

عنوانات	صفحہ
خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے	۲۹۳
لفظ نکاح کے بجائے بیع کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم	۲۹۳
نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا	۲۹۴
رشتہ منظور ہے کہنے سے نکاح کے انعقاد کا حکم	۲۹۴
بغیر گواہوں کے صرف ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۲۹۵
اثبات نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے	۲۹۵
نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے	۲۹۶
بذریعہ دف نکاح کا اعلان کرنا	۲۹۶
جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذر شرعی ان کا نکاح نہ کرنا	۲۹۶
رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز ہے	۲۹۷
منگنی ہو جانے کے بعد لڑکی کا کسی دوسری جگہ نکاح کرانا	۲۹۸
صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۲۹۸
بالغہ عورت سے زبردستی کیے گئے نکاح کا حکم	۲۹۹
بالغہ عورت کو نکاح کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا	۲۹۹

عنوانات	صفحہ
بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے	۳۰۰
نکاح کا شرعی حکم	۳۰۱
نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے	۳۰۱
اسلام میں بیک وقت تعدد ازواج کا حکم	۳۰۱
دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ	۳۰۲
خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے	۳۰۲
کورٹ میرج کا حکم	۳۰۳
بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے	۳۰۳
بیوہ کے نکاح ثانی کا حکم	۳۰۴
لڑکیوں کے نکاح میں بلا وجہ تاخیر کرنا گناہ ہے	۳۰۵
کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے؟	۳۰۵
مجلس نکاح میں لڑکی کا نام لینا	۳۰۶
نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں	۳۰۶
ثیبہ عورت سے نکاح ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم	۳۰۷
زفاف کے وقت دعا پڑھنے کا حکم	۳۰۷
نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا	۳۰۸
بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا	۳۰۹
رخصتی میں تاخیر کا حکم	۳۰۹

عنوانات	صفحہ
بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ	۳۱۰
مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ	۳۱۰
نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا	۳۱۱
ٹیلیفون پر نکاح کا حکم	۳۱۱
بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے	۳۱۲
قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم	۳۱۳
وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم	۳۱۳
نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں	۳۱۴
نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت	۳۱۴
ایجاب نامے پر دستخط کر دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا	۳۱۵
ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے	۳۱۵
نکاح میں نابینا شخص کی گواہی	۳۱۶
مجلس نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے	۳۱۶
زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں	۳۱۶
نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے	۳۱۷
نکاح پر اظہار مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم	۳۱۸
حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت	۳۲۰
خطبہ پر خطبہ کا حکم	۳۲۰
بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سنت ہے	۳۲۱
اغوا سے نکاح متاثر نہیں ہوتا	۳۲۱
سول میرج کا شرعی حکم	۳۲۲
حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق	۳۲۷

عنوانات	صفحہ
باب من یجوز بہا النکاح ومن لا یجوز	۳۲۸
خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم	۳۲۸
بانجھ عورت سے نکاح کرنا	۳۲۸
پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں	۳۲۹
زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح	۳۲۹
حاملہ عورت سے نکاح کا حکم	۳۳۰
سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ	۳۳۰
مخطوبۃ الاب سے نکاح جائز ہے	۳۳۱
بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے	۳۳۱
سوتیلی ساس سے نکاح کرنا	۳۳۲
سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا	۳۳۲
بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا	۳۳۳
عدتِ وفات میں کئے گئے نکاح کا حکم	۳۳۳
سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے	۳۳۴
ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا	۳۳۴
نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا	۳۳۵
پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا	۳۳۵
دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم	۳۳۵

عنوانات	صفحہ
والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات	۳۳۶
ساس کے ساتھ نکاح کرنا	۳۳۶
سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا	۳۳۷
فیملی کورٹ سے تنسیخِ نکاح کے بعد نکاحِ ثانی کا حکم	۳۳۸
طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرنے کا حکم	۳۳۸
مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاحِ ثانی کرنا	۳۳۹
متعہ کی شرعی حیثیت	۳۳۹
نکاح مؤقت کی تعریف	۳۴۰
عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح کرنا	۳۴۰
مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح	۳۴۱
قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں	۳۴۱
خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم	۳۴۲
لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم	۳۴۲
شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم	۳۴۳
لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم	۳۴۴
غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا	۳۴۴
کسی عورت کا جن مرد سے نکاح کرنا	۳۴۴
بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات	۳۴۵
جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم	۳۴۶

عنوانات	صفحہ
کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ	۳۴۶
ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم	۳۴۷
بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم	۳۴۸
بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم	۳۴۸
ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا	۳۴۹
کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا	۳۴۹
مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے	۳۵۰
چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم	۳۵۰
ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم	۳۵۱
عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں	۳۵۱
منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا	۳۵۲
باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے	۳۵۳
بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم	۳۵۳
بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا	۳۵۴
نو مسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا	۳۵۴

باب المهر

عنوانات	صفحہ
باب المهر	٣٥٥
رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا	٣٥٥
مہر کی کم از کم مقدار	٣٥٦
مہر فاطمی کی مقدار	٣٥٦
حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے	٣٥٦
متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ	٣٥٧
حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا	٣٥٨
انعقاد نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا	٣٥٨
اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا	٣٥٩
عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی۔	٣٥٩
عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں	٣٦٠
مہر عورت کے ورثاء کو دیا جا سکتا ہے	٣٦٠
نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم	٣٦١
بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا	٣٦١
جبراً مہر معاف کرانا	٣٦٢
مقدار مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا	٣٦٢
عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا	٣٦٢
تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے	٣٦٣
رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے	٣٦٣

عنوانات	صفحہ
بیٹی کے حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا	٣٦٤
جہیز کی شرعی حیثیت	٣٦٤
جہیز کے سامان کی ملکیت کا حکم	٣٦٥
مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا	٣٦٦
مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا	٣٦٦
خلوت صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا	٣٦٦
تجھے خلع دیا ہے سے سقوط مہر کا حکم	٣٦٧
لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا	٣٦٨
حق مہر کی قسمیں	٣٦٨
حق مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے	٣٦٩
حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم	٣٦٩
مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے	٣٧٠
خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم	٣٧٠
حصول مہر کے لیئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے	٣٧١
حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے	٣٧١
تقلیل مہر مندوب ہے	٣٧٢
تحدید مہر جائز نہیں	٣٧٢
جہیز کس کا حق ہے	٣٧٣
مطلقہ مہر کی حقدار ہے	٣٧٣
خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے	٣٧٣
طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار	٣٧٤

عنوانات	صفحہ
مہر دینے کے لئے باپ کا بیٹے کی طرف ضامن ہونا	۳۷۴
باب الاولیاء و الاکفاء	۳۷۵
قریشی سادات کے کفو ہیں	۳۷۵
غیر عالم کا عالم دین کی لڑکی سے نکاح کرنا	۳۷۵
فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا	۳۷۶
غیر سید کا سیدزادی سے نکاح کا حکم	۳۷۶
مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں	۳۷۷
نکاح میں ولایت کی ترتیب	۳۷۷
قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم	۳۷۸
باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردینے کا حکم	۳۷۸
کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دوسروں کے حق کا حکم	۳۷۹
نابالغہ کا نکاح دادی کے کردینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے	۳۷۹
کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم	۳۸۰
شریعت میں بلوغ کی حد	۳۸۰
وکیل کے ذریعہ نکاح کا حکم	۳۸۱
نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم	۳۸۱
نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لئے تصریح ضروری ہے	۳۸۱
نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا	۳۸۲
خیار بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا	۳۸۲
وکیل نکاح کے شرائط	۳۸۳
ولایت میں قریب و بعید کے ورثاء کا اعتبار	۳۸۴
مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرادینے کا حکم	۳۸۴
عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم	۳۸۵
عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کردینے کا حکم	۳۸۵
کفاءت ایک جانب سے ہونی ضروری ہے	۳۸۶
کفو کی شرائط	۳۸۶
تفریق قاضی طلاق ہے یا فسخ؟	۳۸۷
کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا	۳۸۸
کفوۃ میں وقت کا اعتبار ہے	۳۸۸
گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا	۳۸۹
بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا	۳۹۰
بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے	۳۹۰
سورہ کی رسم کا شرعی حکم	۳۹۱
بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا	۳۹۲
غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض	۳۹۲

عنوانات	صفحہ
فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں	۳۹۳
ولایت میں ماں داری سے مقدم ہے	۳۹۳
ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کا نکاح	۳۹۴
بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے	۳۹۴
باب الرضاع	
رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ	۳۹۵
رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے	۳۹۵
منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا	۳۹۶
رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم	۳۹۶
نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم	۳۹۷
رضاعت کے ثبوت کے لئے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے	۳۹۸
رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے	۳۹۸
رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول وفروع حرام ہے	۳۹۹
رضاعت پر اجرت لینا جائز ہے	۳۹۹
عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں	۴۰۰
صرف دعویٰ کرنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی	۴۰۰

عنوانات	صفحہ
شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۴۰۱
رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے	۴۰۱
رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں	۴۰۲
نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا	۴۰۲
رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا	۴۰۳
غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے	۴۰۳
چمچے سے بچہ کو دودھ دینا موجب رضاعت ہے	۴۰۴
رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقت حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے	۴۰۴
بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں	۴۰۵
شک کی بناء پر رضاعت ثابت نہیں	۴۰۵
مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی	۴۰۶
رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ	۴۰۶
مدت رضاعت	۴۰۷
رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں	۴۰۷
حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے	۴۰۸
اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم	۴۰۸
رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم	۴۰۹

عنوانات	صفحہ
باب فی حرمت المصاھرۃ	۴۱۰
ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا	۴۱۰
ساس کو شہوت سے دیکھنا	۴۱۰
ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم	۴۱۱
بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات	۴۱۱
زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے	۴۱۲
نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمت مصاھرت کا حکم	۴۱۲
بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے	۴۱۳
سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے	۴۱۳
نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمت مصاھرت کا سبب نہیں	۴۱۴
فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمت مصاھرت ہے	۴۱۴
کم سن بچی کو شہوت کے ساتھ چھونا حرمت مصاہرت کا سبب نہیں	۴۱۵
ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں	۴۱۶
مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں۔	۴۱۶
ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے	۴۱۷
حرمت مصاہرت کے اثبات کے لئے گواہوں کی تعداد	۴۱۷
مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے	۴۱۸
مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں	۴۱۸
مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں	۴۱۹
منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم	۴۱۹
منکوحہ غیر مدخول بہا کی بیٹی سے ساتھ نکاح کا مسئلہ	۴۲۰
بیٹے کی منکوحہ غیر مدخول بہا سے نکاح کرنا	۴۲۰
خسر پر فقط دعوی زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی	۴۲۱
مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہو جاتے ہیں۔	۴۲۱
خون دینے سے حرمت مصاہرت کا حکم	۴۲۲
سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا	۴۲۲
باب الحضانۃ	۴۲۳
چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے	۴۲۳
والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کا ہے	۴۲۳
والد کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے	۴۲۴
لڑکی کے حق پرورش کی مدت	۴۲۴

عنوانات	صفحہ
بیوہ کا نکاح ثانی کرنے سے شیر خوار بچی کی تربیت کا مسئلہ	۴۲۵
بیوہ کا کسی غیر محرم سے نکاح کرنے سے حق تربیت کا ساقط ہونا	۴۲۶
اخلاقی حالت اور کردار متاثر ہونے کی صورت میں والدہ کا حق تربیت ساقط ہو جاتا ہے	۴۲۶
ولدالزنا کی حضانت کس کے ذمہ ہے	۴۲۷
عورت کو بچہ دارالحرب لے جانے کا حق نہیں	۴۲۷
باب الولیمۃ	۴۲۸
ولیمہ کی شرعی حیثیت	۴۲۸
دعوت ولیمہ کا مسنون وقت	۴۲۸
دعوت ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا	۴۲۹
لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا	۴۳۰
ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے	۴۳۰
منگنی کے موقع پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم	۴۳۱
باب حقوق الزوجین	۴۳۳
میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کا حکم	۴۳۳
بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا	۴۳۴
ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں	۴۳۴
بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے	۴۳۵
خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جا سکتا	۴۳۵
بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں	۴۳۶
مباشرت کا طریقہ	۴۳۶
جماع کے آداب	۴۳۷
بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے	۴۳۸
حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ	۴۳۸
نابالغ بیوی سے جماع کرنا	۴۳۸
حالت حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا	۴۳۹
بیوی سے استمناء بالید کرانا	۴۳۹
بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا	۴۴۰
کتاب الطلاق	
باب شرائط الطلاق	۴۴۳
نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے	۴۴۳

عنوانات	صفحہ
طلاق میں اضافت ضروری ہے	۴۴۳
بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ کہنا	۴۴۴
طلاق کے وقوع کے لئے خاوند کا بلوغ شرط ہے	۴۴۴
نابالغ کو دی گئی طلاق کا حکم	۴۴۵
مجنون کی طلاق کا حکم	۴۴۶
بیوقوف کی طلاق کا حکم	۴۴۶
بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم	۴۴۶
معتوہ کی طلاق کا حکم	۴۴۷
وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم	۴۴۷
نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم	۴۴۸
غصہ کی حالت میں طلاق دینا	۴۴۸
غافل کی طلاق کا حکم	۴۴۹
حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا	۴۴۹
طلاق کے لئے گواہ ضروری نہیں	۴۵۰
حمل مانع وقوع طلاق نہیں	۴۵۱
حالت نفاس میں طلاق دینا	۴۵۱
جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت	۴۵۱
طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرنا	۴۵۲
جبراً طلاق کا حکم	۴۵۲
بطور استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم	۴۵۳
کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظ طلاق معتبر ہیں	۴۵۳
اشارہ سے طلاق کا حکم	۴۵۴
ہازل کی طلاق کا حکم	۴۵۵

عنوانات	صفحہ
طلاق پر جھوٹی قسم کھانا	۴۵۵
طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے	۴۵۶
طلاق کے ثبوت کے لئے ایک گواہ ناکافی ہے	۴۵۶
بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم	۴۵۷
طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا	۴۵۷
مرض سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم	۴۵۸
خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے	۴۵۸
طلاق الصریح والکنایۃ	۴۵۹
تم طلاق ہو میں تین طلاق کی نیت کرنا	۴۵۹
سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا	۴۵۹
عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا	۴۶۰
ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۴۶۰
بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لکھ کر طلاق دینا	۴۶۱
طلاق رجعی کی عدت گزرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں	۴۶۲
طلاق صریح کے بعد دی گئی طلاق کا حکم	۴۶۲
دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے	۴۶۳
دو طلاق کے بعد رجوع کر کے دوبارہ طلاق دینا	۴۶۳
طلاق بائن کے اثرات	۴۶۴

عنوانات	صفحہ
لفظ ہاں کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی	۴۶۴
طلاق کی حکایت کا بیان کرنا	۴۶۴
طلاق کی قسم کھانا	۴۶۵
مجھ پر بیوی ناجائز طلاق ہوگی سے طلاق کا حکم	۴۶۵
دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا	۴۶۶
معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم	۴۶۶
غیر مدخول بہا کو طلاق دینا	۴۶۷
طلاق ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق	۴۶۷
طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم	۴۷۵
میرے گھر سے نکل جاؤ کے الفاظ کے طلاق پر اثرات	۴۷۵
ماں باپ کے پاس چلی جاؤ کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم	۴۷۵
میری بیوی نہیں کہنے سے طلاق نہیں ہوگی	۴۷۶
بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے	۴۷۶
مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں کا حکم	۴۷۷
تو مجھ سے آزاد ہے سے طلاق کا حکم	۴۷۷
تو مجھ سے جدا ہے کا حکم	۴۷۸
تو مجھ پر حرام ہے کا حکم	۴۷۸
میں نے اسے چھوڑ دیا ہے کا حکم	۴۷۹
وہ مجھے نہیں چاہیئے کا حکم	۴۸۰
تم چاروں طرف جاسکتی ہو سے طلاق کا حکم	۴۸۰
اس کتیا کی بچی کو طلاق	۴۸۱
بلاقصد وارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے	۴۸۱

عنوانات	صفحہ
طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق ثلاثہ واقع ہونے کا حکم	۴۸۲
ایک، دو، تین، تم آزاد ہو کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم	۴۸۴
کئی دفعہ یہ کہنا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں سے طلاق مغلظہ کا حکم	۴۸۵
تمہاری بیوی پر طلاق کے جواب میں ہاں کا حکم	۴۸۷
باب تعلیق و تفویض الطلاق	۴۸۹
طلاق کو کسی کام سے معلق کرنا	۴۸۹
کسی کو قتل کرنے سے طلاق معلق کرنا	۴۸۹
جان بچانے کے لئے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا	۴۹۰
نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم	۴۹۰
طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ	۴۹۱
طلاق کلما کی حقیقت	۴۹۲
کلما طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت	۴۹۲
میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی	۴۹۳
کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لئے طلاق پر قسم کھانا	۴۹۳
طلاق کے ساتھ متصل انشاء اللہ کہنے کا حکم	۴۹۴
اگر فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا	۴۹۴

عنوانات	صفحہ
طلاق کے لئے کسی اور کو حق دینا	۴۹۴
بیوی کو طلاق کا حق دینا	۴۹۵
باب تفریق مفقود الخبر ونحوہ	۴۹۶
مفقود الخبر کی بیوی کا نکاح ثانی کرنا	۴۹۶
نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ	۵۰۵
سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم	۵۰۸
مرتد کی بیوی کا حکم	۵۰۸
متعنت کی زوجہ کا حکم	۵۰۹
دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ	۵۰۹
مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کا حکم	۵۱۰
باب الایلاء	۵۱۱
بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا	۵۱۱
بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا	۵۱۱
ایلاء میں رجوع کے لئے بیوی کا انکار کرنا	۵۱۲
باب اللعان	۵۱۳
لعان کا حکم	۵۱۳
لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا	۵۱۴
لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا	۵۱۴

عنوانات	صفحہ
شوہر کا میاں بیوی پر تہمت زنا سے انکار کرنا	۵۱۵
دارالکفر میں بیوی پر تہمت زنا سے لعان لازم نہیں آتا	۵۱۵
شبہ زنا موجب لعان نہیں	۵۱۶
باب الظہار	۵۱۷
ظہار میں تشبیہ ضروری ہے	۵۱۷
اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم	۵۱۷
ظہار میں عقل و بلوغ شرط ہے	۵۱۸
ظہار میں بطور کفارہ کیا واجب ہوتا ہے	۵۱۸
تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں	۵۱۹
اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں	۵۱۹
بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا	۵۲۰
بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکالنے کا حکم	۵۲۰
اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں کہنے سے طلاق کا حکم	۵۲۱
دس مرتبہ ظہار سے کفارہ کا حکم	۵۲۱
باب الخلع	۵۲۲
صرف خلع کے وعدے سے عورت آزاد نہیں ہو سکتی	۵۲۲

عنوانات	صفحہ
اجنبی شخص پر بدل خلع کے لزوم کا حکم	۵۲۲
نافرمان عورت سے خلع کرنا	۵۲۳
خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں	۵۲۴
بدل خلع کی مقدار	۵۲۴
ناچاکی کی صورت میں خلع بہتر ہے	۵۲۵
خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے	۵۲۵
بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کر سکتا	۵۲۶
خلع طلاق بائن کے حکم میں ہے	۵۲۷
ایجاب خلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں	۵۲۷
خلع کے بعد تجدید نکاح صحیح ہے	۵۲۸
صبی و مجنون کا خلع نافذالعمل نہیں	۵۲۸
باب العنین	۵۲۹
زوجہ عنین کا حکم	۵۲۹
ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے	۵۳۰
خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط	۵۳۰
خصی اور عنین کا ایک ہی حکم ہے	۵۳۱
مقطوع الذکر کا حکم	۵۳۲
عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم	۵۳۲

عنوانات	صفحہ
باب العدۃ	۵۳۳
بیوہ عورت کی عدت	۵۳۳
مطلقہ قبل الدخول کی عدت	۵۳۴
نابالغہ کی عدت	۵۳۴
معتدہ عدت کہاں گزارے گی	۵۳۵
دوران عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے	۵۳۵
زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی	۵۳۶
عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گزارنے کی وجہ	۵۳۶
عدت کی کم از کم مدت	۵۳۷
باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کے لئے عدت ضروری ہے	۵۳۸
عدت کی ابتداء زوال نکاح سے شمار ہوگی	۵۳۸
عدت کے اندر اندر رجوع بالقول کافی ہے	۵۳۹
عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے	۵۳۹
عدت وفات میں عورت کا نان ونفقہ کس کے ذمہ ہے	۵۴۰
ایام عدت میں عورت کا پنشن کے لیے جانا	۵۴۰
دوران عدت عورت کا ویزہ کے حصول کے لئے نکلنا	۵۴۱
دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم	۵۴۲

عنوانات	صفحہ
عدت وفات کے دوران حج کے لیے جانا	۵۴۲
حیض نہ آنے کی صورت میں مطلقہ کی عدت کا حکم	۵۴۳
عدت طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا	۵۴۳
حاملہ من الزنا عورت کی عدت	۵۴۴
عدت وفات شوہر کے گھر گزارنا لازمی ہے	۵۴۵
عدت وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا	۵۴۵
ہر بیوی کے لیے عدت وفات اپنے اپنے گھر میں گزارنا لازمی ہے	۵۴۶
حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے	۵۴۷
شوہر مرزائی یا عیسائی ہوجائے تو عورت پر عدت واجب ہے	۵۴۷
خلوط صحیحہ کے بعد عدت طلاق کا حکم	۵۴۸
شادی شدہ حاملہ من الزنا کی عدت	۵۴۸
عدت وفات میں جوؤں کی تلفی کے لئے شیمپو استعمال کرنا	۵۴۹
عدت وفات میں چوڑیاں پہننا	۵۵۰
دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم	۵۵۰
باب الحلالۃ	
حلالہ کی شرعی حیثیت	۵۵۱
حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوسکتی	۵۵۲

عنوانات	صفحہ
حلالہ کے نکاح میں جماع کے لئے کنڈوم استعمال کرنا	۵۵۲
حلالہ کے نکاح میں بوقت جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم	۵۵۳
نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم	۵۵۳
دبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم	۵۵۴
موت قائم مقام وطی نہیں	۵۵۴
عورت کا قول کہ میں حلالہ کرچکی ہوں	۵۵۵
حلالہ کے نکاح میں دوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے	۵۵۵
باب ثبوت النسب	۵۵۶
قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم	۵۵۶
مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم	۵۵۶
اسقاط حمل کے جواز کا حکم	۵۵۷
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت	۵۵۸
جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال کرنا	۵۵۹
عزل کرنے کی شرعی حیثیت	۵۵۹
خاوند کے مادہ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشو ونما پانا	۵۵۹
جدید نظام تولید کا شرعی حکم	۵۶۰
طلاق رجعی کے دو سال بعد پیدا ہونے والے بچے کا ثابت النسب ہونا	۵۶۱
باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا	۵۶۱

عنوانات	صفحہ
ولد الزنا کا نسب	۵۶۲
حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب	۵۶۲
داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم	۵۶۳
گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا حکم	۵۶۴
خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا	۵۶۵
مدت حمل	۵۶۵
کم از کم مدت حمل سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم	۵۶۵
حمل کی کم از کم مدت	۵۶۶
ثبوت النسب کیلئے مدت کا اعتبار وقت نکاح سے ہے	۵۶۷
سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت	۵۶۸
تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم	۵۶۸
بارہ سال کے لڑکے سے ثبوت نسب کا مسئلہ	۵۶۹
بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب	۵۷۰
عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم	۵۷۰
ساس سے نکاح کے بعد ہونے والے بچوں کے نسب کا حکم	۵۷۱
مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم	۵۷۲

عنوانات	صفحہ
اپنی ذات یعنی شجرہ نسب بدلنا	۵۷۲
غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا والے بچے کی نسب کا حکم	۵۷۳
چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے	۵۷۴
مسائل شتّٰی	۵۷۵
طلاق مغلظہ سے بچنے کیلیے حیلہ	۵۷۵
مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم	۵۷۵
بلا نیت طلاق بیوی کو "دوسرا خاوند تلاش کر لو" کے الفاظ کہنا	۵۷۶
نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے	۵۷۷
لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم	۵۷۷
صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق واقع نہیں	۵۷۸
شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی	۵۷۸
مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا	۵۷۹
فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے	۵۷۹
طلاق کے لئے خاوند پر جبر کرنے کا حکم	۵۸۰
والدین کی رضا مندی کے لئے بیوی کو طلاق دینا	۵۸۱
مطلقہ کی میراث کا حکم	۵۸۱

عنوانات	صفحہ
بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہوگی	۵۸۲
مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا	۵۸۲
عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا	۵۸۳
نفاس کی عدت طلاق	۵۸۳
نومسلم عورت کی عدت کا حکم	۵۸۴
تجھے طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق کا حکم	۵۸۵
بنت فلاں کو طلاق ہو کا شرعی حکم	۵۸۵
لفظ "تلاق" سے طلاق کے وقوع کا حکم	۵۸۶
طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں	۵۸۶
کسی جاہل سے "امرأتی طالق" کے الفاظ لکھوانے کا حکم	۵۸۷
تیرا میرا معاملہ ختم کہنے سے نکاح پر اثرات	۵۸۷
اثبات طلاق کے لئے باپ کی گواہی کا حکم	۵۸۸
تعداد طلاق میں شک ہو تو!	۵۸۸
رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں	۵۸۹
موجودہ جج قاضی شرعی کے قائمقام ہے	۵۹۰
برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کی شرعی حیثیت	۵۹۱
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت	۵۹۵
بانجھ پن کے اسباب	۵۹۶
بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صورتیں	۵۹۷
ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقہ علاج	۵۹۸
سد ذرائع اور اسلام	۵۹۹
قرآن کریم کی رو سے قاعدہ کی وضاحت	۶۰۰
حدیث سے قاعدہ کی وضاحت	۶۰۰
ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے نسب محفوظ نہیں رہتا	۶۰۱
مادہ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا	۶۰۲
معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی	۶۰۲
افزائش نسل انسانی کے فارم	۶۰۲
مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے	۶۰۳
زناکاری کا بند ہونیوالا دروازہ کھل جائے گا	۶۰۳
انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا	۶۰۴
خاندانی منصوبہ بندی خطرات و نتائج	۶۰۶
قومی خودکشی	۶۰۷
افرادی قوت اور یورپ	۶۰۷
سیاسی اور دفاعی ضرورت	۶۰۸
تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ	۶۰۹
منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو	۶۰۹

كتاب
الزكوٰة

بسم الله الرحمن الرحيم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے۔

سورة البقرة : آية ٢٧٧

باب صدقۃ الفطر

(صدقۃ الفطر کے احکام ومسائل کا بیان)

صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب

سوال: اگر ایک آدمی کے پاس کئی قسم کے حیوانات ہوں لیکن ان میں سے ایک صنف بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہو اور تجارت کے لیے بھی نہ ہوں تو کیا ایسے آدمی پر قربانی اور صدقۃ فطر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی اور صدقۃ فطر کے وجوب کے لیے بنیادی طور پر غنا کی موجودگی کافی ہے اگر ان اموال میں نمو نہ ہو، اموال کا نامی ہونا زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد ایک بھینس ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کے برابر ہو تو اُس پر صدقۃ فطر اور قربانی واجب ہے جبکہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے تاہم اس میں اُس کی ضرورت کی رعایت کی جائے گی، زمیندار کو کھیتی باڑی کیلئے دو بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو تیسرا بیل بلا ضرورت شمار ہوگا۔

لما قال فی الہندیۃ: وببقرۃ واحدۃ غنی وبثلاثۃ ثیران اذا ساوٰی احدھما مائتی درھم صاحبِ نصاب۔ (الفتاوٰی الہندیۃ ج۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیۃ الباب الاول فی تفسیرھا)[1]

زکوٰۃ اور صدقۃ فطر کے وجوب کا نصاب

سوال: زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب اور صدقۃ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب: دونوں کا نصاب ایک ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت ہونے پر زکوٰۃ اور صدقۃ فطر واجب ہوتا ہے، تاہم زکوٰۃ کے لیے حولانِ حول یا سال بھر ہونا ضروری ہے جبکہ صدقۃ فطر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: ولا یشترط فیہ النماء ولا یشترط ات

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: وببقرۃ واحدۃ غنی بثلاثۃ ثیران اذا تساوی احدھا مائتی درھم صاحبِ نصاب۔
(خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۳۱۱ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیۃ)

یکون النصاب بمال نام لانہا وجبت بالقدرۃ الممکنۃ والنمو انما یشترط فیما یکون وجوبہ بالقدرۃ المیسرۃ کالزکوٰۃ علیٰ ما عرف فی الاصول۔

(العنایۃ علیٰ ہامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۹ باب صدقۃ الفطر) ؎۱

صدقۂ فطر کی مقدار	**سوال:۔** صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے، اور قیمت کی ادائیگی میں بصورتِ تفاوت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس ۱۴۰ تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے، البتہ جَو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دو سو اسی ۲۸۰ تولہ ادا کیا جائے گا۔ وفی الھندیۃ: وھی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر۔ (ج ۱ ص ۱۹۱ باب صدقۃ الفطر)

اس میں انگریزی کلو اور علاقائی سیر متفاوت ہے اس لیے تولہ کی مقدار سے علاقائی سیر کا تعین آسان ہے۔ ادائیگی میں فقیر کے مفاد کو مدِنظر رکھا جائے، اگر قیمت میں فائدہ ہو تو مروجہ قیمت ادا کی جائے۔

قال علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ: ویقوّم فی البلد الذی المال فیہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) ؎۲

صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟	**سوال:۔** صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ اور اگر لوگ

مروجہ صاع کے مطابق صدقۃ الفطر ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال حسن بن عمار بن علیؒ: مالک النصاب اعلم ان النصب ثلاثۃ نصاب یشترط فیہ النماء وتتعلق بہ الزکوٰۃ وسائر الاحکام المتعلقۃ بالمال النامی ونصاب تجب بہ احکام اربعۃ حرمۃ الصدقۃ ووجوب الاضحیۃ وصدقۃ الفطر ونفقۃ الاقارب ولا یشترط فیہ النمو بالتجارۃ ولا حولان الحول ونصاب تثبت بہ حرمۃ السوال وھو ما اذا کان عندہ قوت یومہ۔ الخ

(مراقی الفلاح ص ۳۹۴ باب صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فصل ما یوضع فی بیت المال)

؎۲ قال الشیخ ابن الھمامؒ: (ویقوّمھا) ای المالک فی البلد الذی فیہ المال۔ الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۷ فصل فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض۔

الجواب: صدقۃ الفطر ادا کرنے میں اصل اعتبار صاعِ شرعی کو ہے تاہم اگر مروجہ صاع کی مقدار مجہول ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں اور اگر مروجہ صاع شرعی صاع سے زائد ہو تو پھر زیادہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، البتہ جب مروجہ صاع کم ہو تو جب تک شرعی صاع کے مطابق ادائیگی نہ ہو تو ذمہ داری فارغ نہیں ہوگی ۔

لما قال فی الھندیۃ :- ثم یعتبر نصف صاع من برّ او صاع من غیرہ بالوزن فیما روی ابو یوسفؒ عن ابی حنیفۃؒ لان اختلاف العلماء فی الصاع بانہ کم رطلاً وھو اجماع منھم بانہ معتبر بالوزن وقبل ھٰذہ العبارۃ والصاع ثمانیۃ ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استاراً -
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۲ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر) ؎۱

حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقۂ فطر سے تعاون کرنا

سوال: اگر کسی قیدی پر حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی لازم ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہے لہٰذا مذکورہ شخص کے ذمہ جب حکومت کا جرمانہ واجب الادا ہو تو مدیون ہونے کی وجہ سے اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے ۔

قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ :- وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف - الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقۃ الفطر) ؎۲

اجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں

سوال: اگر ائمہ مساجد کو امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ اور خود امام کے لیے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال الامام برھان الدین المرغینانیؒ : ثم یعتبر نصف صاع من برّ وزناً فیما یروی عن ابی حنیفۃؒ وعن محمدؒ انہ یعتبر کیلاً والدقیق اولیٰ من البرّ والدراھم اولیٰ من الدقیق - (الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۲۹ باب صدقۃ الفطر)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۲ باب صدقۃ الفطر -

؎۲ وفی الھندیۃ : ومصرف ھٰذہ الصدقۃ ما ھو مصرف الزکوٰۃ - (الفتاوٰی الہندیہ ج۱ ص۱۹۴ باب صدقۃ الفطر)
ومثلہٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۸۶ باب صدقۃ الفطر -

الجواب:۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقاتِ واجبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تملیک بلا عوض شرط ہے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اُجرت لینے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن صدقۂ فطر امامت کی اُجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر دیا گیا تو اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی صدقۂ فطر کا ذمہ باقی رہے گا۔ البتہ اگر ایک امام غریب ہو اور اس کے لیے امامت کی اُجرت (تنخواہ یا فیس) مقرر کی گئی ہو تو پھر اضافی تعاون کی صورت میں غریب امام کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف الا فی الدفع الی الذمی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب صدقة الفطر) ؎۱

صدقۂ فطر میں تجزی مضر نہیں

سوال:۔ کیا ایک صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا لازمی ہے یا متعدد فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں تجزی اور تقسیم مضر نہیں، اس لیے ایک صدقۂ فطر متعدد فقراء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ایک ہی شخص کو متعدد صدقاتِ فطر دیئے جا سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمرتاشی الحنفیؒ: وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلا خلاف۔ (تنویر الابصار متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۷ باب صدقة الفطر) ؎۲

❖ ❖ ❖

؎۱ قال ابن نجیم رحمه الله:۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر۔

؎۲ قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمه الله:۔ ویجوز ان یعطی ما یجب فی صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساکین ویعطی ما یجب عن جماعة مسکینًا واحدًا۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۷۵ فصل واما رکنها)
وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۲۳۱ باب صدقة الفطر۔

بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے

سوال:۔ کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمے واجب ہے یا وہ خود ادا کرے گی، جبکہ اس کا مہر یا مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہو؟

الجواب:۔ جب عورت مالکِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی شوہر کے ذمے بیوی کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں تاہم اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے فطرانہ دیدیا تو ادا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ نصاب کا مالک نہ ہو تو سرے سے اس پر فطرانہ واجب ہی نہیں۔

لما قال العلامة المرغيناني ؒ:۔ ولا يؤدى عن زوجته ولا عن اولاده الكبار وان كانوا في عياله ولو ادى عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔ (الهداية ج ۱ ص۱۹۱ باب صدقة الفطر) ؎۱

کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا؟

سوال:۔ ایک شخص کے ذمے کچھ قرض ہے، اگر قرض دہندہ وہ قرض اس غریب آدمی کو صدقہ فطر کی جگہ معاف کردے تو کیا اس شخص کا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فطرانہ صدقاتِ واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ تملیک نہیں ہوئی بلکہ بغیر وصولی کے معاف کیا جاتا ہے اسلئے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوگا۔ تاہم اگر اس طرح کرنا بھی ہو تو پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

لما قال العلامة الحصكفي ؒ:۔ ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۴ باب المصرف) ؎۲

؎۱ وفي الهندية:۔ ولا يؤدى عن زوجته ولا عن اولاده الكبار وان كانوا في عياله ولو ادى عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۹۳ الباب الثامن في صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ في الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۶۳ باب صدقة الفطر۔

؎۲ وفي الهندية: فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالىٰ هذا في الشرع۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوة۔ الباب الاول في تفسيره۔

صدقۂ فطر اور قربانی میں احتیاط

سوال:۔ ایک شخص صاحبِ جائداد ہے لیکن اس کی آمدنی (قوتِ لایموت) کا جو ذریعہ ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد مال نہیں، تو کیا اس شخص پر صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ رائے یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی یا فطرانہ واجب نہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ حتی الامکان فطرانہ یا قربانی ادا کرے۔ اور اگر جائیداد کی آمدنی اسکی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں بالاتفاق فطرانہ اور قربانی واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ سئل محمدؒ عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة آلاف لا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاً وعلیه الفتوٰی وعندهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۵ باب المصرف)[۱]

رمضان کے دوران صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص صدقۂ فطر رمضان المبارک میں ادا کرے تو کیا اس سے اُس شخص کا ذمہ فارغ ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوعِ فجر سے پہلے نہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کرنا چاہے وہ رمضان کے کسی بھی دن میں ادا کرے تو اس کا فطرانہ ادا ہوجائے گا، اگرچہ مستحب عید کے دن عیدگاہ میں جانے سے قبل ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ والمستحب ان یخرج الفطرة یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی...... فان قدمها یوم الفطر جاز لانه ادی بعد تقرر السبب فاشبه التعجیل فی الزکوٰة۔ (الهدایة ج۱ ص۱۹۳ باب صدقة الفطر)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وکذا لوکان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلاثة آلاف درهم وغلتها لاتکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمدؒ ولوکان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۰ باب المصرف۔

[۲] لما فی الهندیة:۔ والمستحب للناس ان یخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ باب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے

سوال:۔ آجکل لوگ فطرانہ میں گندم وغیرہ کی قیمت دیدیتے ہیں، تو کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کا حکم ایک جیسا ہے جس طرح عشر میں پیداوار کی قیمت ادا کرنا جائز ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی غلہ کی قیمت دینا درست ہے بلکہ بہتر ہے، بخلاف قربانی کے وہاں جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ دفع القیمة ای الدراهم افضل من دفع العین علی المذهب المفتٰی به جوهرة وبحر عن الظهیریة وهٰذا فی السعة اما فی الشدة فدفع العین افضل کما لا یخفی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۶ باب صدقة الفطر) [1]

علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر پنجاب میں گندم کی قیمت کم ہو اور سرحد میں زیادہ ہو تو کیا ہم پنجاب میں گندم کی قیمت کا اعتبار کرکے فطرانہ دیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ اصل یہ ہے کہ فطرانہ میں گندم یا وہ چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے، اور اگر اس کے بدلے میں قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کرکے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰة الغنم) [2]

---

[1] وفی الهندیة: والدقیق اولٰی من البر والدراهم اولٰی من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة وذکر فی الفتاوٰی ان اداء القیمة افضل من غیر منصوص علیه وعلیه الفتوٰی۔
(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۴ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة:۔ ویقومها المالک فی البلد الذی فیه المال حتٰی لو بعث عبدًا للتجارة الٰی بلد آخر محال الحول تعتبر قیمته فی ذٰلک البلد ولو کان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الٰی ذٰلک الموضع۔
(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۳۰۸ مسائل صدقة الفطر۔

نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر گندم کی بجائے آٹا نصف صاع سے کم اس لیے دیا جائے کہ گندم کے صاف کرنے اور اس کی پسائی پر کچھ رقم بھی خرچ ہوتی ہے، تو کیا اس طرح فطرانہ ادا ہوجائے گا؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی صریح عبارات نے گندم اور آٹے کو برابر شمار کیا ہے کہ فطرانہ میں نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دینا واجب ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فطرانہ پوری طرح ادا نہیں ہوا، نصف سے جتنا کم آٹا دیا ہوا ہے اُتنا آٹا اور دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۱]

غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چاول کی فصل زیادہ ہوتی ہے، اگر ہم صدقہ فطر میں چاول دینا چاہیں تو کس مقدار سے ادا کریں، نصف صاع کے اعتبار سے یا پورے صاع کے اعتبار سے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنا چاہتا ہو تو منصوص اشیاء کی قیمت کا اعتبار کرکے اُس قیمت کے برابر جتنا چاول یا دیگر غیر منصوص اشیاء بنتے ہوں دیئے جائیں تو اس طرح فطرانہ ادا ہوجائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب ...... او صاع تمر او شعیر و لو ردیئًا وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وهی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر ودقیق الحنطة والشعیر وسویقهما مثلهما والخبز لایجوز الا باعتبار القیمة وهو الاصح۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۱۹۲ باب صدقة الفطر۔

[۲] وفی الهندیة:۔ ثم الدقیق اولٰی من البر والدراهم اولٰی من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا | **سوال:۔** اگر کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء کی پیدا وار نہ ہو بلکہ وہاں دیگر میوہ جات کے باغات ہوں تو وہاں کے رہنے والے فطرانہ میں گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقہ کی قیمت کے مطابق کریں یا جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار کریں؟

الجواب:۔ جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء پیدا نہ ہوتی ہوں تو فطرانہ میں اپنے علاقہ کی پیداوار کو گندم وغیرہ کی قیمت کے برابر ادا کیا جائے جبکہ گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقے یا شہر کا ہوگا، جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب او صاع تمر او شعیر ولو ردیًا ولم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر)

وقال ایضاً: ویقوم فی البلد الذی المال فیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۲۸۶ باب زکوٰة الغنم) [1]

کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقۂ فطر کا حکم | **سوال:۔** بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہت کم سنی میں ماں باپ بچی کا نکاح کر دیتے ہیں، تو شرعًا ایسی بچی کا صدقۂ فطر ماں باپ پر واجب ہے یا سسرال والوں پر؟

الجواب:۔ جس لڑکی کا نکاح کم سنی میں ہوا ہو تو اس کے صدقہ فطر کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود صاحبِ مال ہو تو صدقۂ فطر اُسی کے مال سے دیا جائے گا اور صاحبِ مال نہ ہو تو اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو باپ کے ذمے ورنہ کسی پر بھی واجب نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: زوج ابنته الصغیرة من رجل وسلمها الیه ثم جاء یوم الفطر لا یجب علی الاب

---

[1] وفی الهندیة: ثم الدقیق اولیٰ من البر والدراهم اولیٰ من الدقیق لدفع الحاجة وماسواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)
وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

صدقۃ الفطر۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۲۶ الفصل الثالث عشر فی صدقۃ الفطر) لـہ

حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ کیا اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر اور نماز وروزے کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہن بھائی چونکہ اصول وفروع میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان کو جملہ صدقات دینا جائز ہیں چاہے زکوٰۃ ہو یا صدقۂ فطر وغیرہ، اسی طرح نماز روزے کا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام والعمات الخ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ۲ـہ

صدقۂ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ تو ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا مکروہ ہے تو کیا صدقۂ فطر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:۔ جس طرح زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے اسی طرح صدقۂ فطر کا انتقال بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند نہ ہوں تو پھر اس کے انتقال میں کوئی کراہت نہیں۔

وفی الھندیۃ: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلھا الانسان الی قرابتہ او الی قوم ھم احوج الیھا من اھل بلدہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ۳ـہ

لـہ لما فی الھندیۃ: زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل وسلمھا الیہ ثم جاء یوم الفطر لاتجب علی الاب صدقۃ الفطر۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص۱۹۲ باب صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص۸ باب صدقۃ الفطر۔

۲ـہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: قید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولی لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص۸ باب صدقۃ الفطر۔

۳ـہ قال العلامۃ ابو البرکات النسفیؒ: وکرہ نقلھا الی بلد آخر لغیر قریب واحوج۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۰ باب المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوی ج ۲ ص۷ باب صدقۃ الفطر۔

نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب

سوال:۔ اگر ایک نابالغ بچہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو مگر باپ نے اس کا صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو تو کیا یہ بچہ بلوغ کے بعد اپنا صدقۂ فطر ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اور اگر نابالغ بچے کا باپ مالدار ہو تو اُس پر اپنے نابالغ بچے کا فطرانہ دینا واجب ہے۔ اب اگر بچہ خود مالدار ہو مگر اس کے سرپرست نے فطرانہ اس کی طرف سے ادا نہ کیا تو بعد البلوغ بچے پر اپنا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: علیٰ کل حرّ مسلم ولو صغیرًا ومجنونًا حتی لو لم یخرجها ولیهما وجب الاداء بعد البلوغ۔ (الدر المختار علیٰ هامش الطحطاوی ج۱ ص۴۳۳ باب صدقة الفطر)[1]

قیدیوں کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر جیل میں قیدیوں کو صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اِس سے صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر کے لیے بھی زکوٰۃ کی طرح فقیر وغریب شخص کو تملیک کرانا لازمی ہے لہٰذا اگر جیل میں قیدی غریب اور فقیر ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: هی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة من المملك من کل وجه۔

(کنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)[2]

---

[1] لما قال الشیخ اشرف علی شاہ التھانوی رحمہ اللہ:۔ ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقۂ فطر ادا کرنا ہوگا، اور اگر صبی مالکِ نصاب نہ ہو گو باپ صاحبِ نصاب تھا اور اُس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد البلوغ واجب ہوگا۔
(امداد الفتاویٰ ج۲ ص۷۸ باب صدقة الفطر)

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: هی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیمًا ناویا الزکوٰۃ لا یجزیه ..... جزء مال .... عینه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولی .... من مسلم فقیر ولو معتوها غیر هاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملك من کل وجه فلا یدفع لاصله وفرعه لله تعالیٰ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)

پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاوٰی رشیدیہ ص۴۳۱ میں لکھا ہے کہ جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، کیا یہ نصاب صحیح ہے؟

الجواب: فتاوٰی رشیدیہ میں پچاس روپے کے نصاب سے مراد اس زمانے کے سونے کے روپے ہیں جن کی قیمت نصاب کے برابر تھی۔ آجکل کاغذی نوٹوں کا یہ نصاب نہیں ہے بلکہ چاندی یا سونے کے نصاب کے حساب سے جو پیسے بنتے ہوں اتنے ہی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ موجودہ دور کے کاغذی نوٹ عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔

وفی الهندية: الزكوٰة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب كذا فی الهداية - (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۱۲۹ الفصل الثانی فی العروض) لہ

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق

سوال:- ایک شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے یا دونوں کے نصاب میں کچھ فرق ہے؟

الجواب:- زکوٰۃ، صدقہ اور قربانی کا نصاب اگرچہ ایک ہی ہے یعنی جس شخص کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر موجودہ کرنسی یا دوسرا سامان جو حوائج اصلیہ اور قرض سے زائد موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی تینوں واجب ہیں، البتہ زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ نمو اور سال کا گذرنا ضروری ہے جبکہ صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب کے ساتھ یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ جس کے ذمے زکوٰۃ دینا لازم نہ ہو وہ صدقۂ فطر بھی

لہ قال العلامة ابن نجیمؒ: وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق او ذهب معطوف علیٰ قوله اول الباب فی مأتی درهم - (البحرالرائق ج ۲ ص۲۲۸ باب زکوٰة المال)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار ج ۲ ص۳۳ باب زکوٰة المال -

ادا نہ کرے بلکہ نفس نصاب ہونے کی صورت میں صدقۂ فطر واجب ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصاب حولی.... نام..... فارغ عن دین له مطالب الخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص کتاب الزکوٰۃ)

وقال الحصکفیؒ: علیٰ کل حرّ مسلم..... ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیه کدینه وحوائج عیاله وان لم ینم کما مرّ... وانما لم یشترط النمو لان وجوبها بقدرة ممکنة۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ کتاب الزکوٰۃ، باب صدقة الفطر)[1]

کیا صدقۂ فطر کے وصول کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کی طرح صدقۃ الفطر کے وصول کے لیے بھی حاکم وقت عامل مقرر کرکے وصول کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اگرچہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ عامل مقرر کرکے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے مگر صدقۃ الفطر کا حکم اس سے الگ ہے اس کی وصولی کے لیے حکومتِ وقت عامل مقرر نہیں کرسکتی۔

لما قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیاً لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث ... الخ (البدائع والصنائع ج۲ ص۷۵ فصل صدقة الفطر فی آخر الزکوٰۃ)[2]

صدقہ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک آدمی انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ صدقۂ فطر پاکستان میں ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس رقم کو پونڈ کی شکل میں یا پاکستانی کرنسی کی شکل میں ادا کرے گا؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ آدمی جہاں بھی ہو صدقۂ فطر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولا یشترط فیه النمو ویتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الاضحیة والفطر۔

(الهدایة ج۱ ص۱۹۰ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر۔

[2] لما قال ابن نجیمؒ: ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیًا لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر)

اگر کوئی شخص انگلینڈ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں رہتا ہو تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔

بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم

سوال:۔ میرا بھائی سعودی عرب میں ہے اور اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، عید الفطر پر اسکے پیسے لیٹ ہو گئے تو میں نے اپنی جیب سے اسکے بال بچوں کا صدقۂ فطر ادا کر دیا، اب اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اور اُس نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا کہا بھی ہے، تو کیا میں اُن پیسوں سے اپنے وہ پیسے لے سکتا ہوں یا نہیں جو میں نے بھائی کی طرف سے صدقہ کیے تھے ؟

الجواب:۔ چونکہ صدقۂ فطر آپ کے بھائی پر واجب تھا جو آپ نے اسکی طرف سے ادا کیا تو یہ پیسے اُسکے ذمّہ قرض ہو گئے، اب چونکہ اُسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اس لیے آپ اُن پیسوں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

لما قال المفتی عبدالرحیمؒ: (الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کر دے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیۃ ج۸ ص۲۲۵ احکام صدقہ فطر)

زمیندار کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص کی بہت زیادہ زمین ہے لیکن اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں اور نہ ہی اس زمین سے کوئی خاص آمدنی حاصل ہوتی ہے، تو کیا اس شخص پر صدقۂ ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر یہ زمین اس کے اہل وعیال کے جملہ نان ونفقہ اور دیگر اخراجات سے زائد ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس شخص پر صدقۂ فطر ادا کرنا لازمی ہے اور اگر زمین کی جملہ آمدنی سے بمشکل اس کی گذر بسر ہوتی ہو اور اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ صدقۃ الفطر لازم نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: تجب علیٰ کل مسلم ولو صغیراً مجنوناً ------- ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدَینہ وحوائج عیالہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۵۸تا۳۶۰ باب صدقۃ الفطر)

باب مصارف الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کے بیان میں)

مال دار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی جائیداد غیر منقولہ کی قیمت لگا کر حساب لگایا جائے تو قیمت کے اعتبار سے یہ شخص غنی شمار ہو سکتا ہے لیکن اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اتنی نہیں کہ جس سے اس کی گزر اوقات ہو، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کو اعتبار نہیں بلکہ غنا میں بنیادی طور پر اس کے گزر اوقات کو دیکھا جاتا ہے، اس لیے جب کسی شخص کی جائیداد کی قیمت تو زیادہ ہو لیکن آمدنی کے اعتبار سے اس کے معاش کیلئے یہ ناکافی ہو اور نہ اس کے پاس نقد رقم ہی ہو تو ایسا شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: وکذا لوکان عندہٗ من المصاحف وھو یحتاج إلیہ و إن کان ۔۔۔۔ وکذا لوکان لہٗ حوانیت اودار غلۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم وغلتھا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ إلیہ فی قول محمدؒ ولوکان لہٗ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہٗ ولعیالہ إختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ أخذ الزکوٰۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔الباب السابع فی المصارف)[۱]

صاحبِ جائیداد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس تقریباً ۲۵ کنال زمین ہے اور اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ یعنی ۵۲½ تولہ چاندی سے زیادہ ہے، اور اس کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان بھی ہے، تو کیا یہ شخص دوسروں سے

---

[۱] قال طاھر بن عبدالرشید البخاریؒ: ولوکان لہ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم ولا یخرج منھا ما یکفی لہ ولعیالہ إختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ أخذ الزکوٰۃ۔
(خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۴۲۔الفصل الثامن فی اداء الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج ۴ ص۸۵ الباب الثانی فی المصرف)

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں اور نہ قیمت سببِ غنا ہے بلکہ زمین کی آمدنی اگر جملہ اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحبِ جائیداد ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اگر زمین کی آمدنی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو پھر اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو کان له ضیعة قیمتها آلاف ولا یحصل منه ما یکفی لهٗ ولعیاله اختلف فیه قال ابن مقاتل یجوز صرف الزکوٰۃ الیه۔ (بزازیہ علیٰ هامش الهندیہ ج ۴ ص۸۵ الثانی فی المصرف)[1]

گائے یا بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس ایک گائے ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف ایک گائے کا مالک ہونے سے وہ آدمی غنی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ غنا کے لیے حوائجِ اصلیہ سے ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے مالیت کا مالک بننا ضروری ہے، اگر کسی شخص کی ضروریات سے زائد ایک گائے یا بیل ہو اور اس کی قیمت ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی تک پہنچتی ہو تو اس سے یہ شخص غنی متصور ہوگا اور اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قال فی الهندیة: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیران إذا ساوی أحدها مائتی درهم صاحبِ نصاب۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیة۔ الباب الأول فی تفسیرها۔ الخ)[2]

---

[1] قال طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف درهم ولا یخرج منها ما یکفی له ولعیاله إختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز لهٗ أخذ الزکوٰۃ۔
(خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۴۲ الفصل الثامن فی أداء الزکوٰۃ)
ومِثلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ الباب الثالث فی زکوٰۃ الذهب والفضة والعروض۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیرانٍ غنی إذا تُساوی أحدها مائتی درهم صاحبِ نصاب۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیة)

غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کرکے پھر فقیروں کو دینے کا حکم

سوال:۔ ایک صاحب نصاب آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے قبضے میں لے کر خود تو استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ فقیروں اور مستحقین کو دیدیتا ہے تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال کا اپنے قبضہ میں لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ شخص کے لیے دوسروں سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اس صورت میں یہ آدمی نہ اصیل ہے اور نہ وکیل، اور مالِ زکوٰۃ کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسروں کو بطور صدقہ دیتا ہے لہٰذا اس طریقے سے مالِ زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لے کر محتاجوں اور فقیروں کو دینا مناسب نہیں، تاہم توکیلاً قبضہ کرکے فقیروں میں تقسیم کرنا مرخص ہے۔

لما فی الهندیة: وکذا لوکان عنده من المصاحف وهو یحتاج إلیه وإن کان لا یحتاج إلیه وهو یساوی مائتی درهم لا یجوز صرف الزکوٰة إلیه ولا یجوز له أخذها۔ (الفتاوی الهندیة ج ا ص۱۸۹ کتاب الزکوٰة۔الباب السابع فی المصارف) [1]

اصول و فروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال:۔ اگر کسی شخص کے والدین علیحدہ علیحدہ رہتے ہوں، آمدوخرچ کا نظام ایک دوسرے سے الگ ہو، کیا ایسی صورت میں کسی ایک کے غریب ہونے کی صورت میں اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصول وفروع اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا قوی رشتہ ہے جو املاک کے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ کاروبار کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمه الله:۔ ولا یدفع المزکی زکوٰة ماله إلی ابیه وجده وإن علا ولا إلی ولده وولد ولده وإن

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: ولا تدفع الی غنیّ لقوله علیه السلام ولا تحل الصدقة لغنیّ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۸ باب ما یجوز دفع الزکوٰة ومالا یجوز) ومثله فی البحرالرائق ج۲ ص۲۴۴ کتاب الزکوٰة باب المصرف۔

سفل - الخ (الهداية ج ۱ ص۲۰٦ باب المصارف) [1]

رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہونے کے باوجود دیندار نہ ہوں تو کیا کسی اجنبی فقیر (جو دیندار ہو) کو زکوٰۃ دینی چاہیئے یا اس قریبی رشتہ دار کو؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ میں ملنے والی رقم بے دینی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو تو ایسے شخص کو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو زکوٰۃ دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، البتہ اگر بے دینی کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو ذاتی ضروریات میں صرف کرتا ہو تو پھر رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔ البتہ اگر کسی اجنبی کو زکوٰۃ دی گئی ہو تو ذمہ فارغ متصوّر ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ وفی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثمّ الموالی ثمّ الجیران۔ (ردّالمحتار ج ۲ ص۳٤٦ باب المصرف) [2]

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر بہن بھائی غریب ہوں تو کیا ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نادار بہن و بھائی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی اور اصول و فروع کے علاوہ باقی تمام رشتہ داروں کو

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ وکالیٰ من بینھما ولاد ..... ای اصلہ وان علا کابویہ واجدادہ وجدّاتہ من قبلھما وفرعہ وان سفل۔ (ردّالمحتار ج ۲ ص۳٤۳ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲٤۳ باب المصرف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمّات والاخوال والخالات الفقراء ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقرب ثمّ الموالی ثمّ الجیران۔ الخ (البحرالرائق ج ۲ ص۲٤۳ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصرف۔

زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب نہ ہوں۔ اور بہن و بھائی اس زمرہ میں آکر ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: وقیّد بالولاد لجوازہ لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولیٰ لانہ صلة وصدقة۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)[1]

کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا

سوال:۔ بعض لوگ زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ وہ کافی غریب ہوتے ہیں تو اگر اُن کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں نیّت زکوٰۃ کی ہو تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ دو اوقات میں کسی ایک وقت کے اندر زکوٰۃ کی نیّت ضروری ہے، ایک زکوٰۃ کی رقم کو الگ کرتے وقت اور دوسرے زکوٰۃ دیتے وقت۔ ان اوقات میں جس وقت بھی زکوٰۃ کی نیّت کرے اور کسی غریب و مستحق کو جس طرح بھی دے دی جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کسی مستحق کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دے دی گئی اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر یہ غریب اُس رقم کو واپس کر دے تو اُس سے لے کر کسی دوسرے مستحق کو دیدی جائے۔

لما فی الھندیة:۔ ومن اعطی مسکینًا دراھم سمّاھا ھبة او قرضًا ونوی الزکوٰة فانھا تجزیه وھو الاصح۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاول)[2]

جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے

سوال:۔ ایک شخص کی آمدنی تو معقول ہے لیکن گھریلو اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بمشکل اس کا گذارہ ہوتا ہے بلکہ عمومًا یہ شخص

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: وقید باصله وفرعه لان من سواھم من القرابة یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیه من الصّلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

ومثلهٗ فی الھندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف۔

[2] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ:۔ من اعطی مسکینًا دراھم وسمّاھا ھبة او قرضًا ونوی الزکوٰة فانھا تجزیه۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰة)

سال بھر مقروض رہتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: واضح رہے کہ گھریلو اخراجات کو اس وقت اعتبار دیا جاتا ہے جب شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان کی ضرورت کا تکفل ہو، غیر شرعی اور تبذیر و اسراف کے اخراجات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص کے گھریلو اخراجات اس کی آمدنی سے بمشکل پورے ہوتے ہوں، نصاب کی مقدار سے بچت ہو کر اس کی ضروریات سے زائد رقم اس کے پاس نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف (حقدار) ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا ازروئے شرع جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وذکر فی الفتاوی فیمن لہٗ حوانیت ودور للغلۃ لکن غلتہا لاتکفیہ وعیالہ انہٗ فقیر ویحل لہ اخذ الصدقۃ عند محمد۔ (رحمہ اللہ)

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۴۸ باب المصرف قبیل مطلب فی جہاز المرأۃ) [۱]

صاحبِ نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال: کسی مالدار شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچوں کی کفالت اور خرچ وغیرہ باپ کے ذمہ ہو؟

الجواب: بلوغ کے بعد اولاد اور والدین میں ملکیت کے اعتبار سے اجنبیت محسوس ہونے کی وجہ سے کوئی ملکیتی اتحاد نہیں رہتا، اس لیے باپ کی مالداری سے بچے کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے مالدار آدمی کے غریب بالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن قبل البلوغ بچے کی تمام ضروریات کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا میں والد کے تابع رہ کر والد کے غنی ہونے کے وقت اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا الیٰ ولد غنی اذا کان صغیرًا لانہٗ یُعدّ غنیًّا بمال ابیہ بخلاف ما اذا کان کبیرًا فقیرًا لانہٗ لایُعدّ غنیًّا بیسار ابیہ وان کانت نفقتہٗ علیہ۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ فخر الدین قاضیخانؒ: ویکن لوکان لہٗ حوانیت ودار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درہم وغلتہا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ فی قول محمدؒ (فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۲۶ فصل فیمن یوضع فیہ الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

[۲] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الیٰ طفلہ بخلاف ولدہ الکبیر وابیہ۔ قال ابن عابدینؒ: وقولہ (و) الیٰ طفلہ ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکرًا صحیحًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ کیا مہاجرین کو محض ہجرت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ کیا اگر کسی مہاجر کے پاس اپنے ملک میں نصاب کی مقدار کے برابر مال ہو لیکن ہجرت کرنے کے بعد غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ میں بنیادی چیز فقراء کی مشکلات کو آسان کرنا ہوتا ہے، محض اس وجہ سے کہ فلاں مہاجر ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً من ای مال کان۔ (الہدایہ باب المصرف ص۱۸۹)[1]

البتہ جو شخص اپنے ملک میں صاحبِ نصاب تھا لیکن ہجرت کر کے کسی اور جگہ جانے کے بعد جب یہ شخص صاحبِ نصاب نہ رہے تو اپنے ملک میں مالدار ہونے کی وجہ سے ہجرت کی جگہ صاحبِ نصاب نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ لقولہ تعالیٰ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ (الآیۃ)

کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے کا حکم

سوال:۔ کسی غیر مسلم کو اس کی غربت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے مصرف کا مسلمان ہونا شرط ہے، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیئے جا سکتے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذؓ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم ویدفع الیہ ما سوٰی ذالک من الصدقۃ (الہدایہ ج۱ ص۲۰۵ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومالا یجوز)[2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجتہ من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۷ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا تدفع الی (ذمی) لحدیثِ معاذؓ (وجاز) دفع (غیرھا و غیر العشر) والخراج (الیہ) ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافاً للثانی۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۱ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

نابالغ کوزکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ نابالغ کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف میں یہ ضروری نہیں کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے وہ بالغ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا عاقل ہو، رقم لینے اور اس کو خرچ کرنے کے بارے میں فہم رکھتا ہو۔ مراہق بچہ عموماً اس درجہ کا عقل ضرور رکھتا ہے، اس لیے مراہق عاقل بچے یا بچی کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم ایسا نابالغ بچہ غربت و مالداری میں والد تابع ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کا والد صاحب نصاب ہو تو پھر اس کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ودفع الزکوٰۃ الی صبیان آقاربہ برسم عید اوالی مبشر او مھدی الباکورۃ جاز۔ وقال ابن عابدینؒ فی تشریح۔ قولہ (الی صبیان آقاربہ) ای العقلاء والا فلا یصح الا بدفع الی ولی الصغیر۔ (الدرالمختار الی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۳۵۶ باب المصرف)[1]

علمِ دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے

سوال:۔ دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان میں اکثر طلباء محتاج ہوتے ہیں اور اہلِ خیر کی توجہات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ دینی مدارس کے طلباء شب و روز علمِ دین کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی طرف بہت کم توجہ دے پاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کو زکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، تاہم کسی مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ وفی ردالمحتار ای من الجاھل الفقیر قہستانی۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۳۵۴ باب المصرف)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو قبض الصغیر وھو مراھق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لا یرمی بہ ولا یخدع عنہ ولو دفع الی فقیر معتوہ جاز۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصرف)

ومثلہٗ فی فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۱۲۸ فصل فیمن یوضع فیہ الزکوٰۃ۔

[2] وفی الھندیۃ: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاھل۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۷ الباب السابع فی المصارف)

ومثلہٗ فی الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۳۹۴ باب المصرف۔

کسی دینی مدرسہ کے مالدار اُستاذ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص نے اسلامی مدرسہ میں درس و تدریس کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو اور مالی اعتبار سے اس کی حالت مستحکم ہو یعنی مالکِ نصاب ہو تو کیا ایسے شخص کو علومِ دینیہ کا مدرس ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی تملیک میں قبض کرنے والے کا فقیر ہونا شرط ہے اس لیے عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوسری قسموں میں کسی فقیر کے علاوہ غنی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تدریس کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنادے، اس لیے صاحبِ نصاب مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: هٰذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمد ہ احد۔ قلت وهو کذلك والاوجه تقییدہ بالفقیر۔۔۔ قال للاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (رد المحتار ج۲ ص$\frac{۳۴۰}{۳۴۳}$ باب المصرف)[۱]

سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال: سادات کے لیے مالِ غنیمت میں خمس الخمس باقی نہ رہنے کی وجہ سے کیا ان کو زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں، خاص کر جب سادات فقراء ہوں ؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کی طرف منسوب سادات حضرات بذاتِ خود ہر وقت تعظیم و احترام کے قابل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کو عظمت و عزت کی نگاہ سے دیکھنا ایمانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے دیا تھا اس لیے ان کا حکم مرورِ زمانہ یا خمس الخمس نہ رہنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا تاہم اربابِ استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ نفلی صدقات اور عطیات سے ان کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ان کی حالت بہتر رہے، اور صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) نہ دیا کریں، اگرچہ امام طحاویؒ سے جواز کا قول مروی ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا تدفع الی بنی هاشمی۔ لقوله علیه السلام: یابنی هاشم

---

[۱] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملك نصاباً من ای مال کان۔ الخ (الهدایة ج۱ ص۲۰۷ باب المصرف)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

ان الله تعالیٰ حرم علیکم غسالۃ الناس واوساخھم ۔الخ (الھدایۃ ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف) [1]

کسی مستحق کو مقدارِ نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر کسی فقیر اور مستحق کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جو اس کے غنا کا سبب بن سکے اور وہ اس سے صاحبِ نصاب بن جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ دینے میں بنیادی فلسفہ فقراء کی حالت بہتر بنانا ہے، اس لیے ان کو اتنا مال دینا مناسب ہے جس سے ان کی غربت دور ہو سکے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کو قرضہ کی ادائیگی کے لیے جملہ رقم دینا جائز ہے اگرچہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن بلا وجہ کسی شخص کو نصاب کی مقدار کی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے تاہم زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وکرہ اعطاء فقیر نصاباً او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیون اوکان صاحب عیال بحیث لوفرقہ علیھم لایخص کل اولا یفضل بعد دَینہ نصاباً فلا یکرہ الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف) [2]

عصری علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ ایک طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتا ہو اور تعلیمی اخراجات اس کی استطاعت سے بالا ہوں، تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:۔ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز نہیں اور نہ اس میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے، اس لیے ایسا طالب علم جب مسلمان اور بالغ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کا والد مالدار ہو، کیونکہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار نہیں بنتا ہے، تاہم غیر شرعی اخراجات میں تعاون کرنا تعاون علی المعصیت

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یدفع الیٰ بنی ھاشم وھم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ وآل الحرثؓ بن عبد المطلب، الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: (قولہ وکرہ الاغناء) ای کرہ ان یدفع الیٰ فقیر ما یصیر بہ غنیاً۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

کے مترادف ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه۔ الخ۔ وفی ردّ المحتار: ولا الی طفله ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکرًا صحیحًا۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف) [1]

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اگر کوئی طالب علم مالدار ہو تو کیا اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی طالب علم کے پاس اپنے گھر میں مال موجود ہو اور وہ نصاب کے برابر ہو۔ مگر سفر کی حالت میں اس کے پاس مال نصاب سے کم ہو تو ایسے طالب علم کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ کیوں کہ ملکیت ید کا اعتبار ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وابن السبیل اذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر۔

(رد المحتار، باب المصرف ص ۳۴۳)

البتہ اگر طالب علم کے پاس موجود مال اتنا ہو کہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ تملیکِ فقیر زکوٰۃ دینے میں شرط ہے البتہ عامل زکوٰۃ اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد قلت وهو کذلك والاوجه تقییده بالفقیر..... ثم قال الاتفاق علی ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۰ باب المصرف) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: (قوله وعبده وطفله) ای لایجوز دفع الزکوٰة وما الحق بها العبد الغنی وولده الصغیر لان الملك فی العبد یقع لمولاه وهو لیس بمصرف۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۲ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

[2] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولایجوز دفع الزکوٰة الی من یملك نصابًا من ای مال کان لان الغنی الشرعی مقدر به۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف)

وایضًا: وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وهو فی مکان لا شیٔ له فیه۔

(الهدایة ج ۱ ص ۱۸۷ باب المصرف)

مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا

سوال:۔ مدارسِ عربیہ کے لیے کوئی مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی رقوم سفراء کی وساطت سے جمع کی جاتی ہیں، کیا مدارس کے سفراء کو زکوٰۃ دے دینے سے انسان کی ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی صحتِ ادائیگی کے لیے فقراء اور مساکین کی تملیک شرط ہے، اس لیے جن مدارس میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے تو تملیکاً کھلانے سے زکوٰۃ کی رقوم کی ادائیگی درست ہے، البتہ جن مدارس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طلباء کا اصالتاً یا وکالتاً قبض ضروری ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ علماء اور طلباء کو خود صدقات وغیرہ دیئے جائیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف)[1]

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال:۔ کیا خاوند اپنی مسکین بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی خاوند کو بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی زکوٰۃ کے لیے مصرف نہیں اس لیے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجھا عند ابی حنیفۃؒ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصارف)[2]

قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ ہمیشہ اپنے قریبی دینی مدرسہ کو

---

[1] وقال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی من بینھما ولاد ولو مملوکاً لفقیر او بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کے مدرسہ کو زکوٰۃ دیتا ہے، کیا عند الشرع ایسا کرنا جائز ہے، اور کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا عند الشرع مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عزیز و اقارب کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا اپنے شہر سے دوسرے شہر والے زیادہ حاجتمند ہوں یا وہاں ایسا مدرسہ ہو جو اس قریبی مدرسہ سے زیادہ امانت دار اور حاجتمند ہو تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں اور ایسا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

قال علاؤ الدين الحصكفيؒ: (و) كره (نقلها الا الى قرابة) بل في الظهيرية لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج حتى يبدا بهم فيسد حاجتهم (او احوج) او اصلح او اورع او انفع للمسلمين۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۵۳-۳۵۴ باب المصرف) لـه

کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- ایک تنظیم مذہبی اور سیاسی ہو جو کہ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے کوشش کرتی ہو، تو کیا ایسی تنظیم کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مسلمان فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا کوئی تنظیم یا انجمن اگرچہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو ان شرائط کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ کی مستحق نہیں، لہٰذا ایسی کسی تنظیم کو زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔

قال ابن نجيمؒ:- هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالى الخ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ كتاب الزكوٰة) ـ٢ـه

لـه وفي الهندية: ويكره نقل الزكوٰة من بلد الى بلد الا ان ينقلها الانسان الى قرابة او الى قوم هم احوج اليها من اهل بلده ولو نقل الى غيرهم اجزأ وان كان مكروها۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۱۹۰ الباب السابع في المصارف)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۰ باب المصرف۔

ـ٢ـه قال شيخ الاسلام محمد بن عبدالله التمرتاشي الحنفيؒ: هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير۔ الخ (تنوير الابصار متن الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۶-۲۵۷ كتاب الزكوٰة)
وَمِثْلُهٗ في الهندية ج ۱ ص۱۷۰ كتاب الزكوٰة۔

زکوٰۃ کی نیت سے غریب کو کھانا کھلانا

سوال:۔ اگر کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اور اس کھانے میں نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کی ہے کہ کسی غریب یا یتیم کو اس کا مالک کر دیا جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں غریب کو کھانا کھلانے میں تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، تاہم اگر وہ کھانا کسی غریب کو بطورِ تملیک دیا جائے تو وہ درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ فلو اطعم یتیمًا ناویًا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانہٗ بالدفع الیہ بنیّۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر اٰکلا من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہٗ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) [۱]

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرسہ یا غریب شخص کے لیے دیئے جائیں لیکن یہ شخص وہ خود اپنے اوپر خرچ کرے جبکہ یہ شخص (وکیل) خود بھی مستحق ہے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے اس آدمی کو کسی خاص شخص یا مدرسہ کو زکوٰۃ پہنچانے کا وکیل بنا کر زکوٰۃ کے پیسے دیئے ہوں اور اس صورت میں وکیل نے وہ رقم اپنے اوپر خرچ کر لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور یہ وکیل ضامن ہوگا۔ البتہ اگر مزکی کی طرف سے مطلق اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے تو اگر یہ شخص خود مستحقِ زکوٰۃ ہو اور اس نے وہ رقم بطورِ زکوٰۃ اپنے لیے قبض کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربہا ضعہا حَیْثُ شِئْتَ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامہ ابن نجیمؒ: واما الاطعام ان دفع الطعام الیہ بیدہٖ یجوز ___ ایضًا: لہٰذہ العلّۃ وان کان لم یدفع الیہ ویاکل الیتیم لم یجز لانعدام الرکن ھو التملیک۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

[۲] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: للوکیل أن یدفع الزکوٰۃ لولدہ الفقیر او زوجتہ الفقیرۃ اذا لم یأمرہٗ بالدفع الیٰ شخص معین ولا یجوز لہٗ أن یأخذ الزکوٰۃ لنفسہٖ الا اذا قال لہ الموکل ضعہا حیث شئت (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۸۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔ ثانیا التوکیل فی اداء الزکوٰۃ۔

وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو تقسیمِ زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو کیا یہ شخص اپنے اصول اور فروع کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وکیل ذاتی طور پر مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول و فروع جب مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشيخ الامام حافظ الدينؒ: الوكيل باداء الزكوٰة اذا صرفه الى ولده الكبير او الصغير او امرأته وهم محاويج جاز ولا يمسك لنفسه شيئاً۔

(بزازية على هامش الهندية ج۴ ص۸۶ كتاب الزكاة۔ الثاني في المصرف)[1]

غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوں اگرچہ مالی اعتبار سے ان کی حیثیت مستحکم ہو لیکن پھر بھی محض اس مقدس کام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص اگر وطن میں مال رکھتا ہو لیکن میدانِ جہاد میں جاتے وقت اُس کے پاس مال نہ ہو تو پھر جہاد کے لیے نکلنے والے اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

لما قال الكاسانيؒ: واما استثناء الغازى فمحمول على حال حدوث الحاجة وسماه غنياً على اعتبار ما كان قبل حدوث الحاجة وهو ان يكون غنياً ثمّ حدث به الحاجة ...... ثمّ يعزم على الخروج فى سفر غزوٍ فيحتاج الى آلات سفر وسلاح يستعمله فى غزو ومركب يغزو عليه ...... فيجوز ان يعطى من الصدقات ما يستعين به فى حاجته التى تحدث له فى سفره وهو فى مقامه غنى بما يملكه لانه غير محتاج فى حال اقامته فيحتاج فى حال سفره فيحمل

---

[1] قال ابن عابدينؒ: (ولا الى طفله) اى الغنى فيصرف الى البالغ ولو ذكراً صحيحاً ..... فافاد ان المراد بالطفل غير البالغ ذكراً او انثىٰ فى عيال ابيه او لا على الاصح لما انه يعد غنياً بغناه بخلاف ولده الكبير فانه لا يعد غنياً بغنا ابيه ولا الاب بغنا ابنه ...... ولا الطفل يغنى امه۔

(رد المحتار ج۲ ص۳۴۹/۳۵۰ باب المصرف، مطلب فى الحوائج الاصلية)

ومثلهٗ فى الهندية ج۱ ص۱۸۹ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع فى المصارف۔

قوله لاتحل الصدقة لغنی الّا لغازٍ فی سبیل اللّٰہ علیٰ من کان غنیاً فی حال مقامه فیعطی بعض ما یحتاج الیه لسفره لما احدث السفر لهٗ من الحاجة الّا انه یعطی حین یعطی وھو غنی۔ (البدائع الصنائع ج ۲ ص۴۶ فصل الذی یرجع الی المودی) [1]

داماد کو زکوٰۃ دینا | **سوال:۔** کیا کوئی آدمی اپنے غریب اور مفلس داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا مال اپنے اُس رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جو اصول یا فروع میں داخل ہو، داماد چونکہ بذاتِ خود ان دونوں میں کسی میں بھی داخل نہیں اس لیے اگر وہ غریب ہو تو دیگر رشتہ داروں کی طرح اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: قید باصله وفرعه لان من سواھم من القرابة یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریة ویبدا فی الصدقات بالاقارب۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۳ باب المصرف) [2]

بہو (بیٹے کی بیوی) کو زکوٰۃ دینا | **سوال:۔** اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں، کھانا پینا آپس میں اکٹھا ہو تو ایسی حالت میں بہو کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بہو کو زکوٰۃ دینے سے فوائد اس کے گھر میں محصور رہ جاتے ہیں۔

الجواب:۔ اصول اور فروع کے علاوہ دیگر سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ زوجة الابن یعنی بہو اصول اور فروع میں نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا

---

[1] لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ما نسب للواقعات) وفی المبسوط لا یجوز دفع الزکوٰۃ الیٰ من یملک نصاباً الّا الی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقوله علیه السلام یجوز دفع الزکوٰۃ لطالب العلم وان کان له نفقة اربعین سنة۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۴۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج ۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

[2] وفی الھندیة: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الیٰ اولادھم ثم الی الجیران۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص۱۹۰ باب المصارف)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۳۴۶ باب المصرف۔

مصرف ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے فوائد گھر میں ہی رہیں بشرطیکہ ہو مستحقِ زکوٰۃ ہو۔

لما قال ابن نجیمؒ، وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولھذا قال فی الفتاویٰ الظھریۃ ویبدا فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیًا الی ابی حفص الکبیر لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج فیسد حاجتھم۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف) [۱]

امام مسجد کو عُشر و زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک امام مسجد اپنے مقتدیوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتا ہو یعنی مقتدیوں پر لازم ہو کہ وہ زکوٰۃ و عشر امام کو دے گا، تو کیا اس سے زکوٰۃ و عشر ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اُجرت میں زکوٰۃ دینا خواہ جبراً ہو یا رضاءً ہو جائز نہیں، ایسی حالت میں قوم کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تاہم اگر امام غریب ہو تو بطور صلہ اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الھندیۃ:۔ ولو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفۃ ولم یستأجرہ ان کان الخلیفۃ بحال لو لم یدفعہ یعلم الصبیان۔ ایضاً اجزاہ والا فلا وکذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیۃ الزکوٰۃ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [۲]

مالدار امام کو صدقۂ فطر دینا

سوال:۔ اگر امام کی مالداری اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے باوجود اس کو صدقۂ فطر دینے کا کیا حکم ہے جبکہ امام امامت

---

[۱] قال فی الھندیۃ: یکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد ــــ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اوّلاً الی الاخوۃ والاخوات ثمّ الی اولادھم ثمّ الی الاعمام والعمات ثم الی اولادھم ثم الی الاخوال والخالات ثمّ الی اولادھم۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)
وَمِثْلُہٗ فی الرد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: وفی الملتقط من الاجارۃ المعلم اذا اعطی خلیفتہ شیئًا ناویا الزکوٰۃ فان کان بحیث یعمل لہ لولم یعطہ یصح عنہا والا فلا۔ (الاشباہ والنظائر ج۲ ص۶۲)

کی اُجرت لینے کے حق میں ہو؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر غرباء، فقراء اور مساکین کو بطورِ تملیک دیا جا سکتا ہے، امام جب مالدار ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینے سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی، قوم کو چاہیئے کہ امام کی خدمت متبادل طریقے سے کرے، نیز امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں خواہ امام غریب ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر ایک امام غریب ہو تو اُجرت کی نیت کیے بغیر محض ایک عالمِ دین کی ضروریات کے تکفل کی نیت سے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال فی الهندیة: ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکوٰة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۴ کتاب الزکوٰة۔ الباب الثامن فی صدقة الفطر) [۱]

زکوٰة میں دینی کتابیں دینا

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰة کی رقم سے کتابیں خرید کر طلباء میں تقسیم کیں، تو کیا اس سے زکوٰة ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابلِ تملیک و تملک ہیں، اس لیے زکوٰة میں کتابیں دینے سے زکوٰة ادا ہو جاتی ہے تاہم اس میں طلباء کو تملیکاً دینا ضروری ہے صرف عاریتاً دینا یا مدرسہ کے کتب خانہ میں بطورِ وقف رکھنے سے تملیک کے فقدان کی وجہ سے زکوٰة ادا نہیں ہو گی۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلهم او الی بعضهم الخ تملیکاً لا اباحة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [۲]

عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰة دینا

سوال:۔ ایک شخص عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو گیا تو کیا اس کو مدیون کے زمرہ میں شمار کر کے زکوٰة دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مقروض کے قرض میں یہ ضروری نہیں کہ اُس کا دَین کسی نیکی کی وجہ سے ہو،

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۶ باب المصارف)
ومثلہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۳۶۹ باب المصرف۔

[۲] قال زین الدین ابن نجیمؒ: هی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰة)
ومثلہٗ فی الهندیة ج ۱ ص۱۶۰ کتاب الزکوٰة۔

تاہم اگر مقروض کے قرض کی ادائیگی سے اس کے فسق وفجور میں اضافہ ہوسکتا ہو اور بے دینی کے راہیں کھل سکتی ہوں تو ایسی حالت میں کسی نیک آدمی کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے ۔

لما قال فی الہندیۃ : التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاھل ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف) [1]

مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہے لیکن یہ شخص مقروض بھی ہے، اگر قرضہ اس مال سے نکالا جائے تو نصاب پورا نہیں رہتا، کیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے اگر قرضہ اس سے نکالا جائے تو باقی مال سے مال نصاب پورا نہیں ہوتا اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ لازم نہیں، البتہ قرضہ نکالنے کے بعد اتنا مال بچے جو مقدارِ نصاب کو پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی ۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ : وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصابا ۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ) [2]

زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا

سوال :۔ اگر ایک شخص کی ظاہری حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اُسے فقیر ومحتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے جبکہ اس کی اصل حالت سے ناواقفیت ہو تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ اس میں دارومدار زکوٰۃ دینے والے کے غلبۂ ظن پر ہے، اگر زکوٰۃ دیتے وقت

---

[1] قال الحصکفیؒ : او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین ..... اولیٰ طالب العلم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳، ۳۵۴ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی ص ۳۹۴ باب المصرف ۔

[2] قال علاؤالدین الحصکفیؒ : فلا زکوٰۃ علی مکاتب ومدیون للعبد بقدر دَینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابا ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۱۱۸ کتاب الزکوٰۃ ۔

اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اگرچہ بعد میں اس شخص کا غنا ثابت ہو جائے۔

لما قال فی الھندیة: اذا شك وتحری فوقع فی اکبر رأیه انه محل الصدقة فدفع الیه اوسأل منه فدفع اورآه فی صف الفقراء فدفع فان ظهر انه محل الصدقة جاز بالاجماع وکذا ان لم یظهر حاله عنده واما اذا ظهر انه غنی او هاشمی...... فانه یجوز وتسقط عنه الزکوٰة فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ. الخ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۰ کتاب الزکوٰة الباب السابع فی المصارف)[1]

کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی

سوال: فقہاء کرام نے جہاں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اپنے گاؤں کے فقراء کو چھوڑ کر دوسری جگہ فقراء کے لیے لے جانا مکروہ ہے، تو اس سے کون سا گاؤں مراد ہے؟ اگر ایک شخص وطنِ اصلی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطنِ اقامت بنا کر تجارت کرے تو اس کی زکوٰۃ کی رقم کیلئے اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت اپنا گاؤں شمار ہوگا؟

الجواب: اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں پہ کاروبار کیا جاتا ہو، خواہ وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت، ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی جائے پیدائش (وطنِ اصلی) کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مصروفِ عمل ہو تو اس کو چاہیئے کہ کاروبار کی جگہ میں فقراء پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والمعتبر فی الزکوٰة فقراء مکان المال الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا

سوال: ایک شخص نے دینی کتاب چھپوانے کا ارادہ

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: قال ابو حنیفةؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰة الی رجل یظنّه فقیراً ثم بان انه غنی او هاشمی او کافر او دفع فی ظلمة فبان انه ابوه او ابنه فلا اعادة علیه..... وهذا اذا تحرّی فدفع وفی اکبر رأیه انه مصرف اما اذا شك ولم یتحرّ او تحرّی فدفع وفی اکبر رأیه انه لیس بمصرف لا یجزیه الا اذا علم انه فقیر هو الصحیح۔ (الھدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۵ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصارف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والمعتبر فی الزکوٰة مکان المال فی الروایات کلها۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف)

ومثلهٗ فی الھندیة ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ارادہ کیا لیکن وہ مفلس ہے تو اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے کتاب چھپوائے اور پھر مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے، تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اگر یہ شخص خود مصرفِ زکوٰۃ ہو اور زکوٰۃ دہندگان کی اجازت سے طباعت کے بعد یہ کتاب مستحقین میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور جہاں تملیک ممکن نہ ہو وہاں زکوٰۃ کا حکم لگانا درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة فلا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میّت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف) [1]

مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال: مدارس کے مہتمم یا کسی خانقاہ کے رئیس کے پاس زکوٰۃ جمع ہو کر مطبخ وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے، ایسی حالت میں مطبخ سے کھانے والوں میں یہ فرق نہیں ہوتا ہے کہ یہ کسی مالدار نے کھایا یا غریب نے، تو کیا اس سے زکوٰۃ کی رقم ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کی رقم کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، مدارس دینیہ میں عموماً غریب اور نادار طلباء ہوتے ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، لیکن خانقاہوں کے لنگر سے کھانے والوں میں صرف مساکین نہیں ہوتے بلکہ مالدار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، ویسے بھی کھانا کھلانے میں جب تک باقاعدہ تملیک نہ ہو تو صرف اباحت کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی صحتِ زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فقراء زکوٰۃ قبض کر کے پھر اگر چاہیں تو مطبخ یا لنگر میں خرچ کریں، لیکن اس میں بھی فقیر سے جبراً رقم واپس لینا حیلۂ تملیک میں ہزل کی نشاندہی کرتا ہے، بہرحال کسی حیلۂ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم لنگر میں خرچ کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

قال فی الهندیة: منها الفقیر وهو من له ادنیٰ شیٔ وهو مادون النصاب او قدر نصاب

---

[1] قال فی الهندیة: اما تفسیرہ فهی تملیک المال من فقیر مسلم۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول)

وفیه ایضاً: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات ...... وکل ما لا تملیک فیه۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۸/۲۰۷ باب المصرف۔

غیر نامٍ وھو مستغرق فی الحاجۃ فلا یخرجہ عن الفقر ملک نصاب کثیرۃ غیر نامیۃ اذا کانت مستغرقۃ بالحاجۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [1]

دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ

سوال:۔ بعض دینی مدارس اور رفاہی اداروں کی کافی آمدنی ہوتی ہے، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت کا ہونا ضروری ہے اس لیے مدارس یا کسی رفاہی ادارے کی آمدنی پر حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قولہ ملک نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوایم الوقف والخیل والمسبلۃ لعدم الملک۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض سیاسی جماعتیں اپنے لیے زکوٰۃ اور چرمِ قربانی جمع کرتی ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ سیاسی جماعتوں میں یہ چیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اموالِ زکوٰۃ کو سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اس کے بجائے دینی مدارس زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم...... جزء مالہ اخرج المنفعۃ فلو اسکن فقیراً دارہ سنۃ ناویاً

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ای مصرف الزکوٰۃ والعُشر ھو فقیر وھو من لہٗ ادنیٰ شئ ای دون نصاب او قدر نصابٍ غیر نامٍ مستغرق فی الحاجۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۳۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی المراقی الفلاح ص۳۹۲ باب المصرف۔

[2] قال العلامۃ کاسانیؒ: واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنھا الملک فلا تجب الزکوٰۃ فی سوایم الوقف والخیل المسبلۃ لعدم المِلک وھذا لان فی الزکوٰۃ والتملیک فی غیر الملک لا یتصور۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۹ فصل الشرائط التی ترجع الی المال)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج۱ ص۲۵۲ کتاب الزکوٰۃ۔

لایجزیہ عینہ الشارع ..... من مسلم فقیر ولو عتوھا۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ حکومت کاروباری اور صنعتی اداروں سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے اور ان ٹیکسوں کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرتی ہے، کیا اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مختلف قسم کے ٹیکس حکومت کا ذریعۂ آمدنی ہوتے ہیں جن میں عبادت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ٹیکس ہر شہری سے وصول کرتی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: الزکوٰۃ واجبۃ علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابًا ملكًا تامًا وحال علیہ الحول۔ (الھدایہ ج ۱ ص ۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ)[2]

موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قبرستان کی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، کیا ہم اس کے مقدمے میں اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، چونکہ اس مقدمہ میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے قبرستان کے مقدمے یا دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کے روپے لگانا صحیح نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: ھی تملیك المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی۔
(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

[2] لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط افتراضھا عقل وبلوغ واسلام وحریۃ والعلم بہ ولو حکمًا ککونہ فی دارنا فلا زکوٰۃ۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ واسلام فلا زکوٰۃ علی کافر لعدم خطابہ بالفروع۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸/۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مرّ لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا

سوال:۔ اگر محلہ کے لوگ خوشی اور غم کے لیے کچھ برتن، ٹینٹ یا کرسیاں وغیرہ اجتماعی طور پر خریدنے کا ارادہ کریں، تو کیا اس کام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے، مشترکہ مفاد کے لیے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں اُن میں چونکہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے ایسے مواقع میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مرّ لا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت...... لعدم التملیك وهو الرکن۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [2]

کیا سُنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

سوال:۔ اگر قرب وجوار میں شیعہ آبادی کی اکثریت ہو اور سُنی العقیدہ شخص اگر اپنی زکوٰۃ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے، جبکہ غالی قسم کے شیعہ اپنے عقائدِ باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں اس لیے وہ لوگ سُنی العقیدہ شخص کی زکوٰۃ کا مصرف نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلم کو دینے میں

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیمؒ: تحت قوله ولا الی ذمی وغیرها وبناء مسجد وتکفینِ میت وقضاء دینه وشراء قن یعتق...... وعدم الجواز لانعدام التملیك الذی هو الرکن فی الاربعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

[2] قال فی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات...... وکل ما لا تملیك فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

ومِثْلُهٗ فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: وھی تملیک جزء مالٍ عینہ الشارع من مسلمٍ فقیرٍ۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) ؎۱

قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے ایک گاڑی نقد ایک لاکھ روپیہ پر خریدی اور پھر اس کو ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپے قسطوں پر اس طرح فروخت کیا کہ ہر سال پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے بطور قسط خریدار ثانی اُسے ادا کرے گا، اس طرح زکوٰۃ مجموعی رقم پر آئے گی یا صرف اقساط پر ہوگی؟

الجواب:۔ اگر کسی نے کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور پھر اس کو قسطوں میں منافع پر فروخت کیا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہر قسط وصول کرنے کے بعد واجب ہوگی، جب بھی کم از کم چالیس روپے بطور قسط وصول ہوں تو اس میں چالیسواں حصّہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اگر چالیسویں حصّہ سے کم ہو تو اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہے تو قسط سے حاصل ہونے والا مال اس کے ساتھ ملا کر کُل مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے ورنہ چالیس دراہم کے پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب زکوتھا اذا تمّ نصابًا وحال الحول لکن لافورًا بل عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض و بدل مالِ تجارۃ فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمہ درھم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) ؎۲

حیلۂ زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ مدارس اور مساجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص حیلہ رقم زکوٰۃ قبض کرکے تعمیر یا دوسرے امور

؎۱ قال فی الھندیۃ: واما الحربی المستامن فلا یجوز دفع الزکوٰۃ والصدقۃ الواجبۃ الیہ بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیہ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف۔

؎۲ وفی الھندیۃ: وقوی وھو ما یجب بدلا عن سلع التجارۃ اذا قبض اربعین زکی لما مضی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ۔

میں خرچ کرتا ہے۔ بسا اوقات قبض کرنے والا متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ خود زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے لیکن تملیک میں یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا خود صاحبِ نصاب نہ ہو۔ اگر مہتمم یا ناظم مدرسہ بذاتِ خود صاحبِ نصاب نہ ہو تو ان سے قبض جائز ہے اور پھر اس کو مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اس حیلہ کو اپنانے کی بجائے زکوٰۃ کی رقم طلباء میں تقسیم کی جائے تاکہ بہتر طریقہ سے ادائیگی ہو سکے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وحیلۃ التکفین بہا التصدق علیٰ فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زکوٰۃ دینے کی بجائے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال: اگر دائن مدیون کی مفلسی اور حالتِ زار کو دیکھ کر اپنا دَین وقرضہ اس کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اسقاط میں تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دے اور پھر اپنے قرضہ میں وصول کرے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الہندیۃ: ولو وھب دَینہ من فقیر ونوی زکوٰۃ دین آخر لہ علیٰ رجل آخر او نوی زکوٰۃ عین لہ لم یجز کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرھا۔ الخ) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والحیلۃ فی الجواز فی ھذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یامرہ بعد ذٰلک بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب القرب۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: وان کان المدیون فقیراً فوھب الدَّین ینوی بہ زکوٰۃ مال عین عند الواھب لا یسقط عنہ زکوٰۃ ذٰلک المال وکذا اذا نوی بہ زکوٰۃ دَین آخر علیٰ غیرہ۔
(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الہندیۃ ج ۱ ص ۲۶۳-۲۶۴ فصل فی ھبۃ الدَّین من المدیون)
وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۲ جنس فی ھبۃ الدَّین۔

زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

سوال:- اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے اس غرض سے اپنے پاس رکھی کہ جب کوئی مسکین مل جائے تو اس کو دے دوں گا، پھر کسی چور نے اس سے یہ رقم چرالی یا کسی نے اس سے جبراً چھین لی تو کیا اس سے ذمہ داری فارغ ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادا کرنے والے کی نیت ضروری ہے، بصورتِ جبر جب نیت نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ قال زین الدین ابن نجیمؒ: لو امتنع من ادائها فالساعی لا یاخذ منه کرها ولو اخذ لا یقع عن الزکوٰۃ لکونها بلا اختیار۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
نیت کا ہونا زکوٰۃ دینے کے وقت ضروری نہیں بلکہ اگر کہیں پوری زکوٰۃ منہا کرتے وقت نیت کی ہو تو کافی ہے تاہم اس سے ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی جب تک فقراء قبض نہ کریں، چوری کے وقت چونکہ فقراء کی تملیک مفقود ہے اس لیے ایسی صورت میں مالک پر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اموالِ ظاہرہ میں جبراً زکوٰۃ کی وصولی درست ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو حکماً او بعزل ما وجب کله او بعضه ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ)[1]

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟ جبکہ وہی رقم نہیں پہنچتی جو زکوٰۃ ادا کرنے والے نے دی ہو

سوال:- ایک آدمی کسی دوسرے کے ذریعے زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس شخص کی دی ہوئی رقم بعینہ دینا ضروری ہے یا تبدیل کی جاسکتی ہے؟ نیز بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ کی جو رقم کسی مستحق کو بھیجی جاتی ہے تو بعینہ وہی رقم اس تک نہیں پہنچتی بلکہ تبدیل ہوجاتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی دوسرے آدمی کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مستحقین زکوٰۃ کو دینی جائز ہے اور

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: انه لا یخرج بعزل ما وجب عن العهدة بل لا بد من الاداء الی الفقیر۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلهٗ فی الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص۳۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔

تبدیلیٔ رقم اگر مزکی کی اجازت سے ہوئی ہو تو یہ آدمی ضامن نہ ہوگا۔ اور بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن منی آرڈر بھیجتے وقت نیت کرنا لازمی ہے۔ لما فی الشامی لایخرج المزکی عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

لما قال علاؤالدین الحصکفیؒ: تملیك الدین ممن لیس علیه الدّین باطل الّا فی ثلث حوالة او وصیّة واذا سلّطه ای سلط المملك غیرالمدیون علی قبضه ای الدّین فیصح حینئذ ومنه مالووهبت من بنها ماعلی ابیه فا لمعتمد الصحة للسلیط۔

(الدرالمختار جلد ۲ ص۵۲۱) [1]

کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا

سوال:۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے کسی رشتہ دار کے لیے دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے جبکہ وہ خود جس جگہ مقیم ہے وہاں بھی غریب لوگ ہیں، تو کیا قرب وجوار کے غرباء کو چھوڑ کر دور رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے کے محتاج رشتہ کسی دوسری جگہ رہتے ہوں تو رشتہ داری کی بناء پر زکوٰۃ منتقل کرنا مرخص ہے، بلکہ زکوٰۃ پہلے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: (تحت قوله بل فی الظهیریة لاتقبل) عن ابی هریرة (رضی الله عنه) مرفوعاً الی النبیّ صلی الله علیه وسلم انهٗ قال یا اُمّة محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجلٍ وَلَهٗ قرابة یحتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیده لا ینظر الله الیه یَوْمَ القیٰمة والمراد بعدم القبول عدم الاصابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج وفی القریب جمع بین الصلة والصدقة

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: کما اذا وکل رجلاً بدفع زکوٰة ماله ونوی المالك عند الدفع الی الوکیل بلانیة یجزیه لان المعتبر نیة الامر لانه المودی حقیقةً۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰة۔

والافضل اخوته واخواته الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا

سوال:۔ موجودہ دور میں حکومتِ وقت بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم سے کچھ کٹوتی کرتی ہے پھر وہ رقم لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کام کے لیے حکومت نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوئے ہیں جن کو اس رقم کی تقسیم اور دیگر معاملات کے عوض ماہانہ کچھ رقم بطور تنخواہ والاؤنس کے ملتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت کے بیان کے مطابق یہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اور ان تقسیم کاروں میں اکثریت مصرفِ زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ ایسی رقوم پر حکومت کی تمام کٹوتی زکوٰۃ پر نہیں ہوتی بلکہ اس میں سود کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا ہے تاہم اگر زکوٰۃ بھی ہو تو عامل کو زکوٰۃ کی رقم سے مزدوری دینا جائز ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟

لما فی الهندية: ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور ويعطيه مايكفيه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم ما دام المال باقيًا الا اذا استغرقت كفايته الزكوٰة فلا يزاد على النصف۔ (الفتاوىٰ الهندية جلد ۱ ص ۱۸۸ كتاب الزكوٰة۔ الباب السابع فى المصارف) [2]

---

[1] قال ابن نجيم رحمه الله: ويبدا فى الصدقات بالاقارب ثم الموالى ثم الجيران وذكر فى موضع آخر معزيًا الى ابى حفص الكبير لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاويج فيسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فى نور الايضاح ص ۱۶ كتاب الزكوٰة۔ باب المصارف۔

[2] قال العلامة الحصكفى رحمه الله:۔ وعامل يعم الساعى والعاشر فيعطى ولو غنيًا لاهاشميًا لانه فرغ نفسه لهٰذا العمل فيحتاج الى الكفاية والغنى لايمنع من تناولها۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹/۳۴۰ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱ باب المصارف

مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں

سوال:۔ مدارس کے مہتمین کو جب زکوٰۃ کی رقم مدارس کے لیے دی جائے تو کیا وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق مدارس کے جملہ امور میں خرچ کر سکتے ہیں یا کہ حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں؟

الجواب:۔ مدارس کے اہلِ اہتمام اگرچہ عاملین کی طرح ہیں مگر جس طرح عاملین مالِ زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق غیر شرعی مصارف میں خرچ نہیں کر سکتے تو اسی طرح مہتمین بھی مالِ زکوٰۃ کو نادار طلباء پر تملیکاً کے علاوہ ان کے دیگر امور میں خرچ نہیں کر سکتے بلکہ مدرسہ کے متعلق امور میں خرچ کرنے کے لیے حیلۂ شرعی ضروری ہے۔

لما قال ابوبکر الکاسانیؒ: مایوضع فی بیت المال من الاموال فاربعۃ انواع الاوّل زکوٰۃ السوائم والعشور وما اخذہ العشار من تجار المسلمین اذا مروا علیھم ومحلہ ما ذکرنا من المصارف ای الفقراء والمساکین۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۶۸ فصل واما بیان مایوضع ... الخ) [۱]

مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ لوگ مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دیتے دیتے ہیں حالانکہ وہ خود مالدار ہوتے ہیں، تو کیا ان مہتمین کو زکوٰۃ دینے سے مزکّی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا یہ کہ جب تک مہتمم کسی مصرف میں خرچ نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف ہوگی؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں مدارس کے مہتمین کی حیثیت عاملین زکوٰۃ کی سی ہے، جب کوئی شخص ان کو زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ اسی وقت سے ادا ہو جائے گی البتہ مہتمین کے لیے لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کریں بلکہ طلباء علوم دینیہ پر خرچ کریں اور غیر ضروری مصارف سے احتیاط لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ ابن ھمامؒ:۔ فھذہ جھات الزکوٰۃ فللمالک ان یدفع الی کل واحد

---

[۱] وفی الھندیۃ: مایوضع فی بیت المال اربعۃ انواع الاوّل زکوٰۃ السوائم والعشور وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیہ ومحلہ ما ذکرنا من المصارف۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔
ومِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۶۳ کتاب الزکوٰۃ۔

منهم وله ان یقتصر علیٰ صنف واحدٍ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۲۰۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں

سوال:۔ بعض علاقوں میں بعض مولوی صاحبان بڑے مالدار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا ان علماء کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے جو اللہ تعالےٰ نے اغنیاء پر مقرر کیا ہے، اس لیے مالدار چاہے وہ مولوی ہو یا غیر مولوی اُسے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں، ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لما قال الشیخ عبد الحی الکھنویؒ، علماء اغنیاء را زکوٰۃ گرفتن بالاتفاق حرام است۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج۲ ص۲۸۷ باب تصرف الزکوٰۃ) [2]

کیا اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی؟

سوال:۔ کیا آدمی اپنے اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے یا کہ حکومت کے ذمے زکوٰۃ کی وصولی واجب ہے؟

الجواب:۔ اموال دو قسم کے ہیں (۱) اموالِ ظاہرہ (۲) اموالِ باطنہ۔ فقہ حنفی کی رُو سے اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے اور اموالِ باطنہ سے مالک خود زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ابتداء سے یہی صورت چلی آرہی تھی لیکن بعد میں حضرتِ عثمانؓ نے اموالِ ظاہرہ سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا

---

[1] وذکر الامام ابوبکر الجصاص الرازیؒ: عن عَلِیٍّ وابن عباس رضی اللہ عنھما قالا اذا اعطی الرجل الصدقۃ صِنفًا واحدًا من الاصناف الثمانیۃ اجزأ ہ وروی مثل ذٰلک عن عمر بن الخطاب وحذیفۃ وعن سعید بن جبیر وابراھیم وعمر بن عبد العزیز وابی العالیۃ ولا یروی عن الصحابۃ خلافہ فصار اجماعًا من السلف لایسع احد خلافہ لظھورہٖ وَاِسْتِفَاضَتِہٖ فیھم الخ (احکام القرآن ج۳ ص۱۳۹)

[2] لما قال العلامۃ ابوالبرکات النسفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ۔ (کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج۲ ص۱۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۲۵۶ تا ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ۔

صاحب مال کے سپرد فرمایا لہٰذا اموال ظاہرہ و باطنہ سے صاحب مال خود زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: قال عامۃ مشائخنا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طالب زکوٰتہ وابوبکر وعمر طالبا وعثمان طالب زماناً ولما کثرت اموال الناس ورأی ان فی تتبعھا حرجاً علی الامۃ وفی تفتیشھا ضرراً بارباب الاموال فوّض الاداء الی اربابھا۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۳۵ کتاب الزکوٰۃ، فصل بیان من لہ المطالبۃ)

نشہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ آجکل اکثر ہیروئنی اور چرسی قسم کے لوگ زکوٰۃ و خیرات مانگتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ ہر فقیر و مسکین کو دینے سے ادا ہوجاتی ہے چاہے وہ اس مالِ زکوٰۃ کو معاصی پر خرچ کرے تاہم زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی عاصی دگناہ کے عادی شخص سے معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرے، لہٰذا بنابراین ہیروئنچی، چرسی، افیمی وغیرہ کو ان امور کے ارتکاب کیلئے زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لایجزئہ الا اذا دفع الیہ المطعوم ۔۔۔۔ جزء مال خرج المنفعۃ فلو اسکن فقیراً دارہ سنۃ ناویاً لایجزیہ عینہ الشارع ۔۔۔۔۔۔ من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ۔

(الدر المختار علی ھامش الطحطاوی ج۱ ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ) [1]

دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری

سوال:۔ کسی دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دیتے وقت صرف نیت کافی ہوتی ہے یا رسید لکھتے وقت مالِ زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے؟

الجواب:۔ مدارسِ دینیہ میں زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی تصریح کرنا ضروری ہے تاکہ

---

[1] قال الامام ابوالبرکات النسفیؒ:۔ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للہ تعالیٰ۔

(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل شرائط الفریضۃ۔

مدرسے والے اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کرسکیں، صرف نیّت کافی نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ وقال ابن عابدینؒ: فلو ضاعت لاتسقط عنہ الزکوٰۃ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبیل افتراضہا عمری) ؎۱

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مدرسے

خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا

کا مہتمم زکوٰۃ وصدقات جمع کرکے خرد بُرد کرتا ہو، طلباء کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقم خود کھاجاتا ہو (اور مدرسے میں طالب علموں کا نام ونشان نہیں) حالانکہ یہ زکوٰۃ مدرسے کے طالبعلموں کے لیے مہتمم کو وکیل بناکر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کے مہتمم مدرسہ کو مدرسہ کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:- جہاں خرد برد کا غلبۂ ظن ہو وہاں زکوٰۃ وغیرہ دینا مناسب نہیں اور اگر دی جاچکی ہو اور یہ خدشہ ہو کہ صحیح جگہ پر خرچ نہ کی جائے گی تو دوبارہ ادا کرنا چاہیئے تاکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔

قال الحصکفیؒ: دفع بتحرٍّ لمن یظنہ مصرفًا.... لایعید لانہ اتیٰ بمافی وسعہ حتی لو دفع بلاتحرٍّ لم یجز ان اخطأ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸ باب المصرف) ؎۲

؎۱ وفی الھندیۃ: واذا وضعھا ولم یخطر ببالہ انہ مصرف ام لا فھو علی الجواز الّا اذا تبیّن انہ غیر مصرف .... اوغلب علیٰ ظنہ انہ لیس بمصرف فھو علی الفساد۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

؎۲ قال المرغینانیؒ: قال ابوحنیفۃؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنہ فقیرا ثم بان انہ غنی اوھاشمی اوکافر.... فلا اعادۃ علیہ۔ وقال ابو یوسفؒ علیہ الاعادۃ .... والظاھر ھو الاوّل وھذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیہ انہ مصرف اما اذا شک ولم یتحر اوتحری فدفع وفی اکبر رأیہ انہ لیس بمصرف لایجزیہ الّا اذا علم انہ فقیر ھو الصحیح۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۸۹ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لایجوز)

وَمِثْلُہٗ فی نور الایضاح ص۱۶۰ باب المصرف۔

فقیر عالم دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

سوال:۔ ہمارا ایک مستقل بانتخواہ امام مسجد ہے لیکن وہ فقیر بھی ہے تو کیا ہم اس غریب امام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور فقیر کو دینا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اگر امام مسجد کی مستقل تنخواہ ہو لیکن غربت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حقدار ہو تو کسی جاہل کو زکوٰۃ دینے کی بجائے اس غریب عالم دین کو دینا بہتر ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وفي المعراج التصدق على العالم الفقير افضل۔ قال ابن عابدينؒ عن القهستاني قوله افضل اى من الجاهل الفقير۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۹ كتاب الزكوٰة۔ باب المصرف) [1]

مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے

سوال:۔ میرے ایک دوست کو حج کرنے کا بے پناہ شوق ہے لیکن استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں از روئے شرع اُسے زکوٰۃ کی رقم دے کر حج کرا سکتا ہوں؟

الجواب:۔ اگر آپ کے دوست کی ملکیت میں وہ مال جو اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو اگر ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں اس لیے اُسے زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں، اور اگر فقیر ہو تو مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اسے زکوٰۃ کی اتنی رقم جو مقدارِ نصاب تک پہنچتی ہو دینا مکروہ ہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ اپنے دوست کو مقدارِ نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ میں دے دیا اور وہ قبض کرنے کے بعد اس سے حج کرلے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اتنی زیادہ مقدار میں زکوٰۃ دینا بھی کراہت سے خالی نہیں۔

لما فى الهندية: ويكره ان يدفع الى رجل مائتى درهم فصاعدًا وان دفعه جاز۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع فى المصارف) [2]

---

[1] وفى الهندية: التصدق على الفقير العالم افضل من التصدق على الجاهل كذا فى الزاهدى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع فى المصارف) ــــ ومثله فى البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ قبيل باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة الحصكفيؒ: وكره اعطاء فقير نصابا او اكثر الا اذا كان المدفوع اليه مديونا او كان صاحب عيال۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۷۲ باب المصرف)

ومثله فى البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف۔

گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم | **سوال**:۔ میرے پاس دو ہزار روپے ماہوار پر ایک گھریلو ملازم ہے، کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب:۔ فقیر ملازم کو زکوٰۃ اور صدقہ دونوں دینا درست ہے اور ملازم کے لیے لینا بھی جائز ہے تاہم تنخواہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیة: ویجوز دفعها الیٰ من یملك اقل من النصاب وان کان صحیحًا مکتسبا کذا فی الزاھدی۔ (الفتاوٰی الھندیة ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [۱]

حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم | **سوال**:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت بینکوں کی رقم سے دینی مدارس کو کچھ رقم بطورِ زکوٰۃ دیتی ہے، تو کیا یہ رقم زکوٰۃ شمار ہوگی یا سود یا کوئی تیسری جنس، اور طلباء کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ بظاہر زکوٰۃ کی رقم ہے، لہٰذا طلبہ جو مصرفِ زکوٰۃ ہوں ان کے لیے اس رقم سے کھانا لا بأس بہ ہے، اگرچہ اس میں سودی رقم کے اختلاط کا وہم بھی موجود ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو اخرج زکوٰة المال الحلال من مال حرام ذکر فی الوھبانیة انه یجزی عند البعض ۔۔۔۔۔۔۔ ولونوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقة ان یقع عن الزکوٰة وقع عنها۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۸ مطلب فی التصدق من المال الحرام) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: یجوز دفع الزکوٰة الیٰ من یملك ما دون النصاب اوقدر نصاب غیر تام دھو مستغرق فی الحاجة۔
(البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۰ باب المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۶۶ باب المصرف۔

[۲] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: والعبرة لنیة الدافع لا لعلم المدفوع الیه وبعد اسطر فلا یأخذه لامن لا یجوز لـه اخذ الصدقة۔
(فتاوٰی البزازیة علیٰ ھامش الھندیة ج۴ ص۸۶،۸۸ الباب الثانی فی المصرف)
وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علیٰ ھامش الھندیة ج۳ ص۴۰۰ کتاب الحظر والاباحة وما یکرہ اکله ومالا۔

سیداورکسی بزرگ کی اولاد میں باعتبارِ مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں "سید" اور "میاں" کی یکساں قدر کی جاتی ہے، "سید" تو آلِ نبی ہیں اور "میاں" لوگ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اولاد ہوتے ہیں، تو کیا میاں لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں یا میاں اور سید برابر ہیں؟

الجواب:۔ سید اور میاں میں فرق واضح ہے، اس لیے کہ اگر میاں صاحبان کسی غیر سید بزرگ کی اولاد ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الیٰ بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ وآلِ عقیلؓ وآلِ الحرث بن عبد المطلبؓ کذا فی الهدایة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا تعلق عباسی خاندان سے ہے، کیا میں عباسی خاندان کے مساکین ویتامیٰ کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں، یا کوئی ایسا شخص جو عباسی نہ ہو وہ عباسی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عباسی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ آلِ عباس آلِ ہاشم سے ہیں اور آلِ ہاشم مصرفِ زکوٰۃ نہیں، خواہ زکوٰۃ دینے والا عباسی ہو یا کوئی دوسرا۔

لما فی الهندیة: ولا یدفع الیٰ بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وبنی هاشم وموالیهم ای لایجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن اهل بیت لا تحل لنا الصدقة ولحدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لا تحل لنا الصدقة اطلق فی بنی هاشم فشمل فان کان ناصراً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم یکن ناصراً له منهم کولد ابی لهب فیدخل من اسلم منهم فی حرمة الصدقة لکونه هاشمیًا...... (رواه ابولهب وابناه) وروی حدیثا لا قرابة بینی وبین ابی لهب ونص فی البدائع علی ان الکرخی قید بنی هاشم بالخمسة الخ

(البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص۷۲ باب المصرف۔

و آلِ عقیلؓ و آل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الھدایۃ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)[1]

فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فی الحال مسکین ہے لیکن اس کا عمرو پر اتنا قرضہ ہے کہ اگر وہ وصول ہو جائے تو زید صاحبِ نصاب بن جاتا ہے لیکن عمرو بھی مسکین ہے اور قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہے، تو کیا زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں زید کا حکم ابن السبیل جیسا ہے کہ اگرچہ وہ صاحب نصاب ہے لیکن اس کے ہاتھ میں وہ مال موجود نہیں لہٰذا ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ: وان کان الدّین غیر مؤجل فان کان من علیہ الدین معسراً یجوز لہٗ اخذ الزکوٰۃ فی اصح الاقاویل لانہ بمنزلۃ ابن السبیل۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف ومنھا الغارم)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: و الخمسۃ المذکورون من بنی ھاشم لان العباس والحارث عمان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعفر وعقیل اخوان لعلیؓ رضی اللہ عنہ بن ابی طالب وھو ابن عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثلہٗ فی الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲ باب المصرف۔

[2] قال العلّامۃ ابن عابدینؒ: قولہ من لہ مال لا معہ ای سواء کان ھو فی غیر وطنہ او فی وطنہ ولہ دیون لا یقدر علیٰ اخذھا کما فی النھر......... قال والحق بہ کل من ھو غائب عن مالہ و ان کان فی بلدۃ لان الحاجۃ ھی المعتبرۃ وقد وجدت لانہ فقیر یدا وان کان غنیًا ظاھرًا۔

(رد المحتار علیٰ ھامش الدر المختار ج ۲ ص۶۲ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الخانیۃ ج ۲ ص۲۶۶ باب المصرف۔

قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص متعدد اہلِ نصاب کا مقروض ہے، کیا اہلِ نصاب حضرات اگر اپنا قرضہ زکوٰۃ میں مجرا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: (۱) قرض خواہ اپنی طرف سے واجب الادا رقم اس کو زکوٰۃ میں دے کر قرضے میں وصول کرے۔ (۲) مقروض کسی اور سے قرض لے کر قرض خواہ کو دیدے اور قرض خواہ اپنے قرض میں وصول کر کے مقروض کو زکوٰۃ میں واپس کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: واداء الدّين عن العين وعن دين سيقبض لا يجوز وحيلة الجواز ان يعطي مديونه الفقير زكوٰته ثمّ يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مد يد مواخذها لكونه ظفر بجنس حقه فان مانعه دفعه للقاضي۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۳ قبيل فتراضها عمري)[۱]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآنِ مجید خریدنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہے جبکہ گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہیں اور مدرسے کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس مدرسے کے لیے قرآن مجید اور دینی کتب خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، تاہم اگر تملیک کے بعد وہ آدمی جسے زکوٰۃ دی گئی ہے اپنی طرف سے مدرسے کیلئے قرآنِ مجید اور دینی کتب خرید کر وقف کر دے تو جائز ہے۔

---

[۱] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ويستفاد منه ان رجوع المتبرع بقضاء الدّين عند التصادق على الدائن محمول على ما اذا كان بغير امر المديون اما اذا كان بامره فهو تمليك منه فلا رجوع عند التصادق بانه لا دين على الدائن وانما يرجع على المديون وهو بعمومه..... والحيلة في الجواز في هٰذه الاربعة ان يتصدق بمقدار زكوٰته على فقير ثمّ يأمره بعد ذٰلك بالصرف الى هٰذه الوجوه الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ ان یفعل ھٰذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ لوارہ والظاھر نعم۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحیلۃ التکفین بھا التصدق علیٰ فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۱۲ قبیل افتراضھا عُمری) ؎۱

سیّد فقیر کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا

سوال:۔ اگر کوئی سید فقیر اور محتاج فوت ہوجائے اور اس کے پاس کفن وغیرہ کیلئے کچھ نہ ہو، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے سید فقیر کے لیے کفن خریدنا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال کسی نادار اور فقیر کو تملیکاً دینا ضروری ہے تکفینِ میّت میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہے لہٰذا میّت کیلئے چاہے سید ہو یا غیر سید، زکوٰۃ کے مال سے کفن خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر مالِ زکوٰۃ کسی فقیر کے قبضے میں دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے میت کے لیے کفن خرید کر اس کو پہنا دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور فقیر کو بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔

قال الحصکفیؒ: وحیلۃ التکفین بھا التصدّق علیٰ فقیر ثمّ ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد وتمامہ فی حیل الاشباہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یأمرہ بعد ذٰلك بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھٰذہ القرب۔ کذا فی المحیط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یأمرہ بعد ذٰلك بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھٰذہ القرب، کذا فی المحیط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

سابق صدر پاکستان اور بری فوج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں جب زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کے اجراء کا فیصلہ کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا تو مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جید اور مقتدر علماءِ کرام نے اس آرڈیننس کا جائزہ لیا اور چند خامیوں کو دور کرنے اور اسے عملی طور پر مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو اپنی طرف سے ترامیم و تجاویز پیش کیں۔ اس بورڈ میں جو علماء شامل تھے اُن کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔

(۳) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب رئیس دارالعلوم کراچی

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رئیس دارالعلوم کراچی

(۶) حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

(۷) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمودؒ دارالعلوم کراچی

(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

ان تجاویز و ترامیم کو فقہی مباحث سے مناسبت کی بناء پر فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مُرتّب)

صدرِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا

فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امّا بعد!

حال ہی میں حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے ایک آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الاداز کوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کر کے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے اور اگر حکومت یہ انتظام ٹھیک ٹھیک شرعی احکام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ نفاذِ شریعت کی طرف ایک نہایت مثبت قدم ہوگا اور انشاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دنیوی اور اُخروی برکات سے بہرہ ور ہوسکیں گے، لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لیے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے۔ زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے[1] لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لآ الٰہ الاّ اللہ وانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصّلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۲ کتاب الایمان۔ الفصل الاوّل)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قدموا الزکوٰۃ علیہ اقتداءً بکتاب اللہ۔۔۔۔ ولانہا افضل العبادات بعد الصلوٰۃ قہستانی۔ (ردّ المحتار علٰی ہامش الدر المختار ج ۲ ص ۲ کتاب الزکاۃ)

حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گرانبار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے خلاص اور اس کے حسن انتظام کے لیے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور جتنی رقم اس کے ذمے شرعاً واجب الادا ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو کیونکہ حدیث پاک میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا [1] یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدعنوانی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے، زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذاتِ خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے [2] چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے مقرر کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کی برکات انشاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی۔

اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہو سکا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہو سکتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا

---

[1] عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا، رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۹ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ۔ الفصل الثانی)

[2] قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۶۰)

اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لیے آسان فرمائے۔ آمین

اس مقصد کے حصول کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ وعشر کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اس قانون کے مطابق عمل درست ہو، جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں حالیہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس پر غور کیا گیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

(۱) نصابِ زکوٰۃ

اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کر دی گئی ہے جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو، اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں یہ ایک ہزار روپے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ ان اثاثوں کے حامل افراد کو ان کے اثاثوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے، یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے، حالانکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب[1] یعنی ۵۲½ تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی نقدی، سونے یا مالِ تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو، البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ۷½ تولہ سونا ہے[2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله نصاب هو ما نصبه الشارع علامة على وجوب الزکوٰة من المقادیر۔ (رد المحتار علی ھامش الدر المختار ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل...... فی عرض تجارة قیمته نصاب۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۱ باب زکوٰۃ المال)

پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سارے سال کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک[1] رہا ہو، آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لہٰذا اگر نظام زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایسی ترمیم ناگزیر ہے جس کی رُو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جا سکے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے[2] اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲، ذیل: ۲۳ میں "صاحب نصاب" کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی :

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رُو سے زکوٰۃ واجب الادا ہو۔"

اسے تبدیل کر کے "صاحب نصاب" کی تعریف اس طرح کی جائے :۔

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ۵۲ ۱/۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔"[3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمه الله، قوله لحولانه علیه ای لان حولان الحول علی النصاب شرط لکونه سببًا وهذا اعلته للنسبة وسمی الحول حولًا لان الاموال تحول فیه اولانه یتحول من فصل الی فصل من فصوله الاربع ۔ (ردّ المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۵ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلّة)

[2] عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس فیما دُون خمسة اوسق من التمر صدقة ولیس فیما دون خمس اواق من الصدق صدقة ولیس فیما دون خمس الخ ۔ (مشکوٰة المصابیح ج ۱ ص ۱۵۸ باب ما یجب فیه الزکوٰة)

[3] قال العلامة الحصکفی رحمه الله، نصاب الذهب عشرون مثقالًا والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل ...... فی عرض تجارة قیمة نصاب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ باب زکوٰة المال)

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کر کے اس قیمت کو وصولیٔ زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) سال گذرنے کا مسئلہ

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار نصاب پر پورا سال گذر چکا ہو۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحب نصاب بن جائے اور سارا سال صاحب نصاب رہے تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہوگی اُس ساری رقم پر شرعاً زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو، لہٰذا ہر ہر رقم پر تو سال گذرنا ضروری نہیں ہے لیکن مقدارِ نصاب کا پورے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے[۲]

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع کی جائے اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحبِ نصاب بنا ہو تو ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے[۳] لہٰذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کردے کہ اسے مقدارِ نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائے[۴]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: مقوماً باحدهما ان استویا فلو احدهما اروج تعین التقویم به ولو بلغ باحدهما نصاباً دون الآخر تعین ما یبلغ به الخ

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب زکوٰة المال)

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ باب زکوٰة الغنم)

[۳] قال العلامة ابن عابدینؒ: فمن انکر تمام الحول ای علیٰ ما فی یده وعلیٰ ما فی بیته فلو کان فی بیته مال آخر قد حال علیه الحول وما مر به لم یحل علیه الحول واتحد الجنس فان العاشر لا یلتفت الیه لوجوب الضم فی متحد الجنس الا لما تعجل۔

(رد المحتار علیٰ هامش الدر المختار ج ۲ ص ۴۳ باب العاشر)

[۴] قال العلامة الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

(۳) قرضوں کا مسئلہ آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابلِ زکوٰۃ مالیت سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرضے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہیں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوٰۃ سے منہا نہیں ہوگا[2] ملاحظہ ہو (المجموع شرح المہذب ج۵ ص۳۱۳، ۳۱۴)

۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا گیا تھا اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی گنجائش موجود تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے پیش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ "بینات" ص۸ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، حولانِ حول اور قرضوں کے بارے میں مذکورہ بالا تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہیئے:۔

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کردے کہ "تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی قابلِ زکوٰۃ جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا" اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ مزید شرط یہ ہے کہ "جو شخص یہ ثابت کردے کہ وہ مقروض ہے اور

---

[1] قال العلامة الحصکفی رح: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰة)

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رح، ومن كان علیه دین یحیط بماله فلا زکوٰة علیه۔ وقال الشافعی رح یجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام۔
(الهدایة ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰة)

اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا، تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔"

(۴) اموالِ ظاہرہ و باطنہ | بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اموالِ باطنہ سے نہیں [۱]

عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جارہا ہو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں اس لیے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے [۲]

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ دونوں قسم

---

[۱] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ان مال الزكوٰة نوعان ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة في مواضعها اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الاخذ الخ قال بخلاف الاموال الباطنة -

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۱ باب العاشر)

[۲] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ليأخذ الصدقات ..... من التجار المارين باموالهم الظاهرة والباطنة عليه - قال ابن عابدين رح ومراده هنا بالباطنة ما عدا المواشي بقرينة قوله المارين باموالهم - (الدر المختار مع رد المختار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد في ذم العشار)

کے اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابلِ زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر عاملینِ زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں پہنچکر ان کی املاک کی چھان بین کریں گے تو اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کے مکانات، دوکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف اُن اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو اور جس کا حساب کرنے کے لیے گھروں اور دوکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے۔ ایسے اموال اُس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی "مویشی اور زرعی پیداوار"۔ چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپؓ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمادیا اور باقی اموال کو باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمرو بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مالِ تجارت لے کر وہاں سے گذرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس مقام پر شہر سے باہر جانے والے مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ میں شمار کرلیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دوکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کے لیے حضرات فقہاء کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

ظاھر قوله تعالیٰ "خذ من اموالهم صدقة" (الآیۃ) توجب اخذ الزکوٰۃ مطلقاً للامام، وعلی ھذا کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والخلیفتان بعدہ فلما ولی عثمان رضی اللہ عنه وظھر تغیر الناس کرہ ان یفتش السعاۃ علی الناس مستور اموالھم ففوض الدفع الی الملاک نیابة عنه ولم یختلف الصحابة فی ذلک علیه وھذا لایسقط طلب بھا۔ (فتح القدیر ج ۱ ص۴۸۷ کتاب الزکوٰۃ)

(۲) اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-

وقوله تعالیٰ "خذ من اموالھم صدقة" (الآیۃ) یدل علی ان اخذ الصدقات

الی الامام وانہ متی أداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یاخذوا علی المیاہ فی مواضعھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :۔

اما زکوٰۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال ھذا شھر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذلک حق الامام فی اخذھا لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الامۃ لقولہ علیہ السلام علیھم او لم ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی صدقات المواشی والثمار فی ذلک لان سائر الاموال غیر ظاھرۃ للامام وانما تکون مخبوۃ فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزۃ ولم یکن جائزاً للسعاۃ دخول احرازھم ولم یجز أن یکلفوھم احضارھا ..... ولما ظھرت ھذہ الاموال عند التصرف بھا فی البلدان اشبھت المواشی فنصب علیھا عمال یاخذون منھا ما وجب من الزکوٰۃ ولذلک کتب عمر بن عبد العزیز الی عمالہ ان یاخذ وا مما مر بہ المسلم من التجارات عن کل عشرین دیناراً نصف دینار۔

(احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۵ مطبوعہ استنبول ۱۳۳۵ھ)

(۳) اور فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاختیار" میں ہے :۔

لان الاخذ کان للامام وعثمان رضی اللہ عنہ فوضہ الی الملاک وذلک لا یسقط حق طلب الامام حتی علم ان اھل بلدۃ لا یؤدون زکاتھم طالبھم بھا ولو مر بھا علی الساعی کان لہ اخذھا ۔ (الاختیار ج ۱ ص۱۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

(۴) اور علامہ برہان الدین المرغینانی تحریر فرماتے ہیں :۔

ومن مر علی عاشر بمائۃ درھم واخبرہ ان لہ فی منزلہ مائۃ اخری وقد حال علیھا الحول لم یزک التی مر بھا لقلتہ ۔ وما فی بیتہ لم یدخل تحت حمایتہ ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۱ باب من یمر علی العاشر)

فقہاء کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت

اُس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہو، ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے اسلئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان ان نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں [1] اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لیے دو بنیادی امور ضروری ہیں :-

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لیے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے - کما فی العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ -

اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں - کما فی العبارۃ الرابعۃ -

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں - ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرز (حفاظت) سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے اور ان کے حسابات میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسری یہ حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جب بینک سرکاری ملکیت میں ہوں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گذرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لیے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموال، اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے -

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصبہ الامام علی الطریق ..... لیاخذ الصدقات .... من التجار ...... المارین باموالہم الظاھرۃ والباطنۃ علیہ - قال ابن عابدینؒ: ومرادہ ھنا بالباطنۃ ما عدا المواشی بقرینۃ قولہ المارین باموالہم والا فکل مامر بہ علی العاشر فھو من نوع ظاھر وسماھا باطنۃ باعتبار ما کان قبل المرور -

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

ومثلہ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۳ الباب الرابع فیمن یمر علی العاشر -

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جن علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے، جیسا کہ "فتح القدیر" اور "الاختیار" کی عبارتوں سے اس کی تصریح گزر چکی ہے، اور یہی مسئلہ "بدائع الصنائع جلد ۲ ص۷" میں بھی موجود ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ | بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے لیکن جب مذکورہ اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہو سکے؟

لیکن فقہاء کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کر لینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: ۔

وفی مختصر الکرخیؒ اذا اخذها الامام کرها فوضعها موضعها اجزأ لان له ولایة اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك وفی القنیة فیه اشکال لان النیة فیه شرط ولم توجد منه ام قلت: قول الکرخیؒ فقام اخذه الخ یصلح للجواب تامل۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص۲۷ مطلب فیما لو صادر السلطان)

(۶) بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت | بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وضع کر لے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بناء پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آ گئے ہیں اس لیے قرض ہونے سے حکومت کے وصولی زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلا شک و شبہ دَینِ قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آ جاتی ہیں، اسلئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بناء پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس کو کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

(۷) مُحتاط طریقہ لیکن مجلس یہ سمجھتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا مُحتاط طریقہ یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لیے آئے تو وہ ایک فارم پُر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر اس کی رقم سے زکوٰۃ منہا کر کے زکوٰۃ فنڈ کو دے دے۔ اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل باداء الزکوٰۃ بن جائیں گے اور پھر اس میں نہ اموالِ باطنہ کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہے گا نہ نیت کی بنیاد پر اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

(۸) سُودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر ایک اور خلجان بعض ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ یہ تو سُودی اکاؤنٹس ہیں اور سود اور زکوٰۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود اس کے ماتھے پر کلنک کا شرمناک ٹیکہ ہے اور بالخصوص زکوٰۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد اس حرام و ناپاک ذریعۂ آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بعجلتِ ممکنہ مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔ لیکن جہاں تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے فقہی اعتبار سے اگر کسی شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اور وہ مجموعے پر سے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں[1] فرق صرف اِتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکوٰۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا، جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے، اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص سُود وصول کرے تو وہ سارے کا سارا

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اما اذا اخذ من انسان مائۃ ومن اٰخر مائۃ وخلطها ثمّ تصدّق لا یکفر لانہ لیس بحرام بعینہ۔ قال ابن عابدینؒ بان المراد لیس ھو نفس الحرام لانہ ملکہ بالخلط۔

{ الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸، ۲۹
مطلب فی التصدق من المال الحرام }

واجب التصدق ہے [1] اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ فنڈ میں دیدیا ہے (جبکہ زکوٰۃ فنڈ میں صدقاتِ نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں) تو مالکان پر شرعاً واجب ہے کہ باقیماندہ سود بھی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صدقہ کریں نہ یہ کہ اس کی بنیاد پر اصل مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کریں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہیں اور اس پر سو روپے سود کا اضافہ ہو گیا ہے تو حکومت پورے گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل یعنی ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ سود کی جو رقم پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہیئے تھی اس کا ایک حصہ ہے، اگر یہ بھی زکوٰۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

(۹) نابالغ کی زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوبِ زکوٰۃ کے لیے صاحبِ نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے [2] جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ اور فاتر العقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ آرڈیننس میں چونکہ بالغ اور نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس لیے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیشِ نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حکومت کے لیے اس میں بڑی احتیاط کرنا لازم ہے۔

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی۔ قال ابن عابدینؒ: ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلاله۔ وقال الحصکفی رحمہ اللہ فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثاً۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص۲۸ مطلب فی تصدق من المال الحرام)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحریة۔ قال ابن عابدینؒ فلا تجب علی مجنون وصبی لانها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص۳ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

(۱۰) ترکے کا مال البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ساتھ ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں اس لیے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا۔[۱] لہٰذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہیئے کہ جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال پا چکا ہو اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۱۱) کمپنیاں اور شیئرز آرڈیننس میں کمپنیوں کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا ہے اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول ۱ میں درج کر کے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کے بینک اکاؤنٹس سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جا رہی ہے تو حصہ داروں الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جا رہی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے، ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

(۱۲) عُشر بصورت نقد آرڈیننس میں عُشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فیصد، ہر قسم کی زمینوں میں کاشتکار کا حصہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ ان پر شرعاً عُشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے، اس حکم میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈیننس کی دفعہ ۵ ذیل ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عُشر بصورتِ نقد وصول کیا جائے گا، صرف گندم اور دھان کے بارے میں یہ

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: ولذا لا یؤخذ العُشر من الوصی اذا قال هذا مال الیتیم۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۷ قبیل باب الرکاز)

استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی کونسل چاہے تو اسے بصورتِ جنس وصول کرلے۔
مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی لائقِ ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورتِ نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالکِ پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے[1] لہٰذا یہ پابندی ختم کرکے اس معاملے کو مالکِ پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہیئے۔

(۱۳) چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء | آرڈی ننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصہ کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ چوتھائی پیداوار تک اخراجات کی مد سے مستثنیٰ ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج۳ ص۲۷۴ باب خرص التمر لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے[2] لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہیئے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کردیں[3]

(۱۴) تاریخ زکوٰۃ | موجودہ آرڈیننس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ یکم رمضان المبارک سے شروع ہوکر شعبان کے آخری دن پر ختم ہوگا، اور یہ بات اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے[4] لیکن

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر...... ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیہ الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۷۲ فصل فی الخیل)

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: وکل شئ اخرجته الارض مما فیه العشر لا یحتسب فیه اجر العمال ونفقة البقر لان النبی علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنیٰ لرفعها۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۵ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[3] قال العلامة المرغینانیؒ: فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر سواء سقی سیحاً الخ۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[4] قال العلامة الحصکفیؒ: وحولها ای الزکوٰۃ قمری بحر عن القنیة لا شمسی۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳ قبیل باب زکوٰۃ المال)

مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لیے پہلے شیڈول میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں، یہ صورتحال شرعاً درست نہیں ہے۔ شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لیے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لیے زکوٰۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے [۱] لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ (VALUTION DATE) ایک ہی رکھی جائے۔ البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں (DEDUCKTION DATE) مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

(۱۵) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ آرڈیننس کے شیڈول ۲ میں اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت لازماً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ مالکان پر بطور خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اُس وقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے انہیں خریدا نہ گیا ہو [۲] لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے کیونکہ بہ نیت تجارت خریداری کی صورت میں یہ "اموالِ تجارت" میں شامل ہو جائیں گے جن کا ذکر شیڈول ۲ میں موجود ہے۔

(۱۶) مصارفِ زکوٰۃ مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہ راست فقراء کو زکوٰۃ پہنچانے کے ساتھ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی

---

[۱] قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ومن كان له نصاب فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه اليه وزكّاه به.... لنا ان المجانسة هي العلة في الاولاد والارباح لان عندها يتعسر التمييز فيعسر اعتبار الحول لكل مستفاد وما شرط الحول الا للتيسير۔ (الهداية ج ۲ ص ۱۷۵ فصل في الخيل)

[۲] وفي الهندية: ولا شئ فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك كذا في فتاوى قاضي خان۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۱۸۵ قبيل الباب السادس في زكوة الزرع والثمار)

وقال العلامة الحصكفي رح: لا زكوة في اللآلي والجواهر وان ساوت الفاً اتفاقاً الا ان تكون للتجارة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵ قبيل باب السائمة)

امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے کہ ہر صورۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی مستحقِ زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی[1]

خلاصۂ تجاویز برائے حکومت

(۱) صاحبِ نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسبِ ذیل تعریف لکھی جائے:۔

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔"

پھر ہر سال تاریخِ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کیا جائے اور اس قیمت کو وصولیٔ زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں ترمیم کرکے اُس کو اِس طرح بنایا جائے:۔

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سالِ زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔"

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخِ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الزکوٰۃ شرعاً تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیماً ناویا الزکوٰۃ لایجزیه الّا اذا دُفع الیه المطعوم۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے ذریعے یہ ثابت ہوجائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال پاچکا تھا تو اس کے اکاؤنٹ سے بھی زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۳) بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھوانے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کرایا جائے جس میں وہ متعلقہ مالی ادارے کو یہ اختیار دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کرکے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرادے۔

(۴) کمپنیوں اور ان کے حصص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جارہی ہے تو حصص پر وصول نہ ہو، اور اگر حصص پر وصول کی جارہی ہو تو کمپنیوں پر وصول نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ حصص پر وصول کی جائے۔

(۵) عُشر کے بصورت نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے بلکہ یہ امر مالکِ پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورتِ جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقد ادا کرے۔

(۶) ہر زرعی پیداوار میں سے چوتھائی حصہ جو کہ حکومت بطور منہائی اخراجات چھوڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصہ کا عُشر مالکان خود ادا کریں۔

(۷) شیڈول ۱ کے تحت تمام اثاثوں کے لیے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (VALUATION DATE) ایک ہی مقرر کی جائے اور مختلف اثاثوں کے لیے مختلف تاریخیں نہ رکھی جائیں البتہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہیں بشرطیکہ اثاثوں کے اسباب مختلف ہوں۔

(۸) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول ۲ سے خارج کیا جائے۔

(۹) شیڈول ۲ میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے پانچ سے پچیس اونٹ تک کی شرح بہت مجمل ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک اونٹ واجب ہے۔ اس کی اصلاح کرکے واضح پر یہ لکھنا چاہیئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔

(۱۰) مصارفِ زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا

مالک و قابض بنایا جائے گا، اور ادارے یہ رقمیں تعمیرات اور اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف نہیں کر سکیں گے۔

—— یہ چند تجاویز ہیں جو آرڈیننس کے فوری مطالعے سے سامنے آئیں۔ ——

ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۱) بندہ عبد الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۴/۹/۱۴۰۰ھ

(۲) رشید احمد عفا اللہ عنہ، دار الافتاء دار العلوم کراچی۔ ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۳) محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ دار الافتاء دار العلوم کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۴) احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ خادم " " " " " " "

(۵) (مفتی) ولی حسن دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۶) عبد الرزاق اسکندر " " " " " " "

(۷) بندہ سبحان محمود، دار العلوم کراچی ۱۴

(۸) بندہ عبد الرؤف سکھروی، دار الافتاء " "

اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنّی تفریق تباہ کُن ہے

> وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷ اور ۹ فروری ۱۹۸۳ء میں نظام عشر اور قاضی عدالتوں کے مسودوں پر مولانا سمیع الحق صاحب نے دس منٹ کے محدود وقت میں مختصر خطاب کے دوران دو اہم امور پر توجہ دلائی، مولانا کے اس خطاب کو قانون عشر و خراج کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے وفاقی مجلس شوریٰ کی رپورٹنگ سے من و عن نقل کر کے افادہ عام کیلئے فتاویٰ میں شامل کیا جا رہا ہے (مرتب)

جناب چیئرمین! مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ط بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جناب چیئرمین صاحب عُشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کے شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے با تفصیل واضح کئے ہیں۔ اس محدود وقت میں مختصراً تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔

عُشر کے ساتھ خراج بھی ہے

پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق، زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظام محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے، عُشر[۱] اور خراج[۲]۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابل تحسین قدم ہے، انشاء اللہ اس راستے میں جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی، لیکن ہم نے نظام عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظر انداز کر دیا ہے، خراج معنیٰ یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں اُن پر بھی عُشر کی طرح ایک خاص شرح سے ٹیکس لگایا جائے، عشر تو عبادات میں شامل ہے اور غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے، لیکن اسلام کی نظر میں ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا

دیئے جائیں گے اور اس کے محاصل بھی متعین ہیں اور جہاں جہاں اس کو خرچ کیا جائے گا وہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہٰذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے کہ جس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی، احوالِ شخصیہ کا معاملہ الگ ہے۔ پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش اور رعایت رکھیں گے لیکن جہاں مسئلہ آئے گا احوالِ عامہ اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی جائے گی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بحث کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سُنی حضرات، یا شیعہ حضرات کے لیے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں، مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں یہ لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں اُسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں، اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا کہ غلط ڈیکلریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ مگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلریشن دیدیئے اور سُنی نے اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیا، تو کیا کسی ایک ڈیکلریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سُنیوں کو ہے جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں، سُنی محض مالی مفادات کی خاطر ایسا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے۔ تو کوئی لکھ دیتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا، یہی فارم کل ہمارے خلاف دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے۔ تو تم شیعہ کو سُنی اور سُنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو خدا را ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریقِ کار وضع کیا جائے، ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اور مصارفِ عُشر کی تقسیم میں تو آپ نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سُنی کا امتیاز کس طرح کیا جائے گا؟ لیکن لیتے تو آپ ایک خاص طبقہ (اہلسنت) سے ہیں اور تقسیم کرنے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں، لینے والا خواہ شیعہ ہو یا سُنی وہ لے سکتا ہے۔

مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ ضروری نہیں تو ذمہ داریوں کے لیے کیوں؟

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ جب حکومت عادلہ ہو گی تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہوں گی حکومتِ عادلہ کی یہ نرالی منطق ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر دنیاوی عہدوں کیلئے، مناصب کے لیے، مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ

کسی کافر کے پاس ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ غیر مسلم کی زمین اسی طرح چھوڑ دو اور صرف مسلمانوں پر ٹیکس لگا دو یا عشر لگا دو۔ تو جو اراضی غیر مسلم حضرات اور شہریوں کے پاس ہے اس پر بھی خراج لگایا جائے اگر ہمیں اسلامی اصطلاحات سے شرم آتی ہے اور ہم احساس کمتری میں ضرورت سے زیادہ مبتلا رہتے ہیں تو ہم خراج کی بجائے اس کا نام کوئی اور بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا کی ساری زمین برابر ہے، یہ جن لوگوں کی ملکیت ہے ان میں کسی کو مستثنیٰ قرار دینا اور کسی کو پابند بنانا اس کی اسلامی تاریخ میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی۔

پبلک لاء میں تفریق تباہ کن ہے

اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بڑے درد اور افسوس سے کہتا ہوں، اسے کوئی غلط معنی نہ پہنایا جائے جناب وزیر خزانہ صاحب نے کل بڑے مدلل جواب دیئے لیکن اس مسئلے کو انہوں نے ہلکا سمجھا اور گول مول کے انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک مسلم مملکت کے مسلمان شہری ہیں تو ہمیں مکمل فکری یکجہتی اور یگانگت کی ضرورت ہے، ہماری حمزہ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس جانب مناسب انداز سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عشر کے معاملے میں یا کسی بھی اسلامی قانون کے بارے میں دو طریقے اختیار کرنا اور فقہی مسائل کو راستے کی رکاوٹ سمجھ کر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیدینا، یہ چیز آگے چل کر ملک کے لیے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم میں یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا ہوں بلکہ شیعہ حضرات کی خیر خواہی میں کہتا ہوں جنہوں نے خود مجھ سے بات کی ہے، یہاں میرے بھائی نصرت علی شاہ صاحب اور کئی دوسرے حضرات بھی ہیں جنہوں نے اس وقت بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا کہ چند سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے (اور وہ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں) ملک کی گاڑی کو ایسی پٹڑی پر ڈالا جا رہا ہے جس کا انجام بالآخر انتشار و افتراق ہوگا، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ حدود آرڈیننس کے مسئلہ میں ایسے ہی ہوا اور پھر زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اگر کسی فرقہ کو ہمارے فقہی مسلک سے اختلاف ہے تو ہم بڑی فراخدلی سے اس کا خیر مقدم کریں گے، لیکن ان کے ہاں بھی ایک نظام ہے، کچھ قوانین ہیں، کچھ احکام ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ نے کسی بھی فرقے کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا۔

مثلاً ہمارے شیعہ حضرات کی فقہ میں بھی چار چیزوں پر عشر ہے، گیہوں، کھجور، کشمش اور جو میں، ان کی فقہ میں بھی ان چار چیزوں پر عشر ہے، اور جن چیزوں پر وہ عشر کے قائل نہیں ہیں اُن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کا خمس دینا چاہیئے، ان کا عقیدہ ہے کہ سو من میں سے بیس من

ہے تو حکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لیے وہ حکومت کیوں حکومتِ عادلہ نہیں سمجھی جاتی؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بدقسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اور سُنّی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک یہ آواز نہ اٹھے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آج اس معاملہ میں شیعہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو آخر کار سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو یہ ملک و قوم کیلئے نہایت خطرناک ہوگا۔

کل جناب وزیرِ خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کی افہام و تفہیم کا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کیا علماء میں افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت لاگو نہیں کر سکتی، علماء کیسے بیٹھ کر کیسے افہام و تفہیم کریں؟ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عُشر نافذ ہی نہ کرو، آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عُشر نافذ ہی مت کرو، زکوٰۃ مت نافذ کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے اور اس مسئلہ میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا، یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں، یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور انشاءاللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں وہ اس چیز کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو انشاءاللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دو عملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟

عشر اور نصف العشر

تیسری میری گزارش یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ اُلجھا دیا گیا ہے، شریعت نے خود کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے اسلئے اس پر عُشر یعنی دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمینوں پر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ، یعنی عشر کی اس کو رعایت دیدی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورتِ حال ہے کہ اخراجات کو منہا کرنے کی کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے، تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جناب والا میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں میں نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے، خدا کے لیے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ شکریہ!

زکوٰۃ ـــــ اور متجددین
قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ نصاب مسلمانوں پر فرض کی ہے بلکہ اس کو اسلامی عمارت کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں بعض "روشن خیال" اور "متجددین" مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پاکستان، وغیرہ نے حکمرانوں کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے علماءِ اسلام، مدارسِ دینیہ اور دین کا درد رکھنے والوں کے نام ناکام مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں زکوٰۃ کو عبادت سے نکال کر ٹیکس قرار دینے کے لیے تحریری طور پر آغاز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس باطل نظریئے اور متجددین کی تحریرات کا تعاقب کرتے ہوئے "قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی" کے عنوان سے ایک جاندار مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا، جسے اب "فتاویٰ حقانیہ" میں افادۂ عام کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت

کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہو گا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اوّل معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل واکمل ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد او کما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال وجان، عزت و آبرو، گھربار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین وجمیل کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے۔

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پہ قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور

پہچانتے ہیں اور جسے حضور اقدس ؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ا صہ ۱۲۱ بحوالہ مصنف عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اگر کوئی خود یافتہ شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے جو پس پردہ اس "مل جوڑ" کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدس ؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرادی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدًا	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ	کی وحدانیت اور رسالت محمدی ؐ کا
وایتاء الزکوٰۃ والحج	اقرار، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

عن عبداللہ بن عمر۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پہ دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے

ارکان کا باہمی ربط و تعلق پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی

تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت واہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصرِ متین کا ہر جزو دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلا دی کہ:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اربعٌ فرضهن اللہ فی الاسلام
فمن جاء بثلاث
لم یغنین عنه
شیئاً حتی یاتی بهن
جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ
وصیامُ رمضان وحج البیت
(ترجمان السنۃ بحوالۂ احمد وطبرانی)

(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں آسکتیں جب تک سب کے سب نہ کرے (یعنی سب پر ایمان و یقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اسی وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد وآتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے جو اس کے معمار اوّل نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصرِ محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوائے ایمانی قابل اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و

تعبیر کی رٹ لگا تا رہے اور ہمارے اس دعوے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنت رسولؐ اور صحابہ کرام و خلفاءؓ راشدین کا طرز عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو پس
فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
فخلوا سبیلھم (توبہ)	زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ:۔

لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ	بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔

من لم یزکّ فلا صلوٰۃ لہٗ	جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

(ترجمان السنۃ ص۲۸۵)

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلنّ من	خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق
فرّق بین الصلوٰۃ	کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی
والزکوٰۃ۔	حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس
	سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی | عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل، عبس و ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر یہ باطن منافقین، زنادقین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا ــــ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین ـ

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کے تعبدی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے کفر وارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ:۔

ان الایمان اسم لالتزام کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ فکانہ لم یومن بالکل ومن لم یومن بالکل فھو کافر قطعاً۔

(فیض الباری ص۱۰۸)

بنا بریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں

کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنائپر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:-

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ مال کما یجبی السلطان من الرعایا جبایات من جہات فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہ واذا ولینا نحن ولاۃ منا سقطت وبقیت کسائر الجبایات علی رای الوالی۔	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔
(فیض الباری ص ۱۰۹/۱۲)	

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرن اول کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی لادینی ریسرچ وتحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں۔ "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کی تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں —— (ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق" کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم،

پاکبازانہ، منصف مزاج، متدین اور خودرائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال وجان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال ودولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فئے جو دشمن سے بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معادن اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقرر اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل ومصارف میں قرآن وسنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت بالکل بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر ومعین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر

عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل وتلبیس اور تحریف وتاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظمؐ نے

قدموں کے نیچے پامال کیا۔ جاہلیت اولی کے منحوس دیو کی وہی روح ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور بدء الاسلام غریباً وسیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جاکر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نارش بدہن) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی

حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں؟

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچ "ارباب فکر و نظر" کی تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوءظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کی موجودہ "عہد جاہلیت" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنتِ رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماڈرن یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام دے دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء — گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے

تتخطفہ الطیر او تھوی بہ | پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا
الریح فی مکان سحیق (ح پ۱۷ ع۱۱) | اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچہ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ | اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایہ عاطفت اور قصر محمدیؐ کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداء و اغیار کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدا، اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروق اعظمؓ کی جرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام

كتاب الصوم

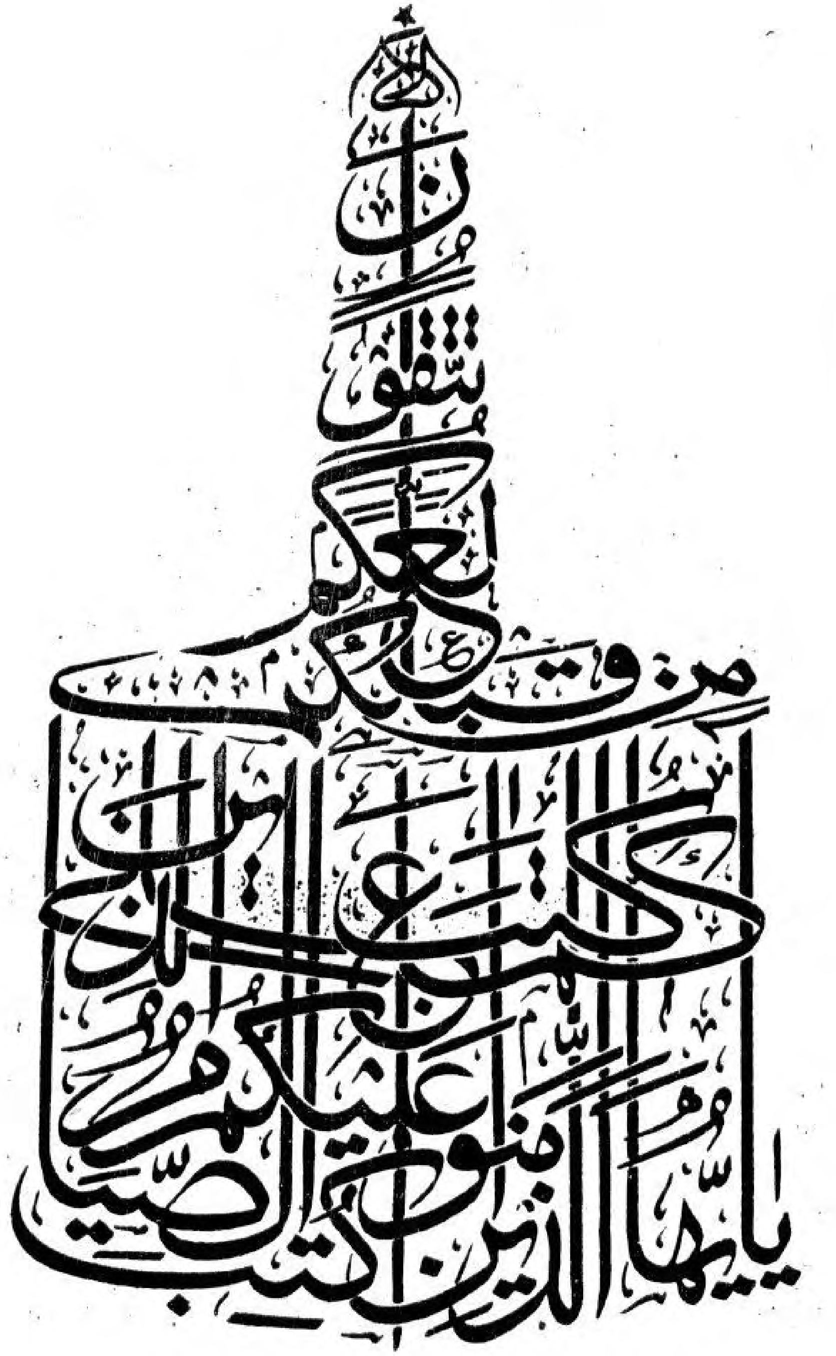
يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

باب رؤیۃ الہلال

(چاند دیکھنے کے احکام و مسائل)

اخبارِ رؤیت کے لیے شہادت کی شرائط ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک گاؤں میں رؤیتِ ہلال ثابت ہو جائے اور گاؤں والے اس پر یقین کر کے روزہ رکھ لیں تو دوسرے گاؤں کے لوگوں کو خبر دینے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگ اس کے مطابق روزہ رکھ سکیں؟

الجواب:۔ شہادت اور اخبار میں نمایاں فرق ہے، دوسرے گاؤں والوں کو رؤیت کی خبر دینے کے لیے شہادت کی شرائط کی ضرورت نہیں بلکہ جب بھی کسی شخص کی خبر غلبہ ظن کے لیے مفید ہو تو یہ خبر کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:۔ وتقبل شھادۃ الواحد علیٰ شھادۃ الواحد فی ھلال رمضان ولا تشرط فیہ لفظ الشھادۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۲۵۲ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی رؤیۃ الہلال)

قال عالم بن العلاءؒ:۔ وذکر الامام الائمۃ الحلوانیؒ: ان الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اھل احدی البلدتین یلزمھم حکم اھل ھذا البلدۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی رؤیۃ الہلال) [1]

دُوربین سے ہلال (چاند) دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم

سوال:۔ اگر کچھ لوگ دُوربین سے ہلال (چاند) دیکھ کر گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو کیا اُن کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ بخبرھم وھو مُفَوَّضٌ الیٰ رأی الامام) والصحیح من ھٰذا کلہ انہٗ مُفَوَّضٌ الیٰ رأی الامام ان وقع فی قلبہٖ صحۃ ما شھدوا بہٖ وکثرت شھود امر بالصوم او وکذا صححہ فی المذاھب۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت بہ الھلال الخ)

ومثلہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۳۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت بہ الھلال الخ

الجواب:۔ موجودہ دور میں طرح طرح کے جدید آلات وجود میں آرہے ہیں جن میں دوربین بھی ایک ایسا آلہ ہے کہ جس کے ذریعے چاند دیکھنے والوں کی گواہی سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ولو کانوا ببلدة لاحاکم فیها صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة الی ان قال وقیل بلاعلة جمع عظیم یقع العلم الشرعی هو غلبة الظن بخبرهم وهو الامام انه یکتفی بشاهدین واختاره فی البحر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۷ کتاب الصوم) ۱؎

اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں

سوال:۔ اختلافِ مطالع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اختلافِ مطالع کے بارے میں فقہاءِ کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی قول پر فتویٰ منقول ہے اسلئے جہاں کہیں شرعی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر پہنچ جائے تو وہاں روزہ رکھنا اور عید منانا چاہیئے۔

قال فی الهندیة: ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة وعلیه الفتوی الفقیه ابی اللیث وبه کان یفتی شمس الائمة الحلوانی قال لو رأی اهل مغرب هلالِ رمضان یجب الصوم علی اهل المشرق۔ کذا فی الخلاصة ثم انما یلزم الصوم علی متأخری الرؤیة اذا ثبت عنده رؤیة اولئك بطریق موجب۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۸-۱۹۹ الباب الثانی فی رؤیة الهلال) ۲؎

۱؎ قال عالم بن العلاءؒ:۔ وقبل الامام شهادة شاهدین عدلین وقد سکن قلب القاضی علی قولهما جاز وثبت حکم رمضان۔ (فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۵۰ کتاب الصوم رؤیة الهلال)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیة الهلال۔

۲؎ قال محمد بن عبد اللهؒ:۔ واختلاف المطالع ورؤیته نهاراً قبل الزوال وبعده غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی بحر من خلاصة (فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب) اذا ثبت عندهم رؤیة اُولٰئِكَ بطریق موجب کما مر۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (قوله بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشهادة او یشهدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر۔ (شامی ج۲ ص۳۹۳-۳۹۴ کتاب الصوم مطلب اختلاف المطالع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۲۳ کتاب الصوم۔

شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے

سوال:۔ جہاں کہیں علاقائی علماء شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید کا اعلان کریں لیکن حکومت اپنی انانیت پر اتر کر لوگوں کو عید منانے سے منع کرے تو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عید اور رمضان کا ثبوت رؤیتِ ہلال کے اعلان پر موقوف ہے۔ اگر علاقائی علماء شرعی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اعلان کریں تو عام لوگوں کے حق میں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری، تمام پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہوجاتا ہے، ایسی حالت میں حکومت کا عید منانے میں رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے اور نہ ایسی صورت میں حکومت کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ (رواہ فی الشرح السنة، مشکوٰۃ ج۲ ص۳۲۱)

قال ابو محمد محمود العینیؒ:۔ ولا عبرة باختلاف المطالع بل اذا ثبت فی مصر لزم الناس۔

(شرح کنز عینی ج۱ ص۸۱ کتاب الصوم) [1]

رؤیت اور تکمیلِ ثلاثین کے علاوہ نفسِ حساب کا اعتبار نہیں

سوال:۔ اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو کیا کسی حساب کو اعتبار دے کر روزہ کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ حساب ماہ بین تطبیق قائم ہو کر غلبۂ ظن کے لیے مفید بھی ہو؟

الجواب:۔ روزہ کا ثبوت رؤیت یا تکمیلِ ثلاثینِ شعبان پر موقوف ہے۔ لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ اس کے علاوہ کسی حساب وکتاب کی وجہ سے روزہ فرض نہیں ہوتا اگرچہ غلبۂ ظن کے لیے مفید کیوں نہ ہو۔

قال عالم بن العلاء رحمه اللہ علیه:۔ یجب صوم رمضان برؤیة الهلال او باستکمال شعبان ثلاثین ولا یجوز تقلید المنجم فی حسابه لا فی الصوم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه اللہ: واذا ثبت الهلال (فی) بلدة (مطلع قطر) هار لزم سائر الناس فی ظاهر المذهب وعلیه الفتوٰی۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ج۱ ص۵۴۰ کتاب الصوم، فصل فیما لا یثبت به الهلال الخ)

وَمِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷ کتاب الصوم۔

ولا فی الافطار۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۵۷ کتاب الصوم الفصل الثانی رؤیۃ الهلال) [1]

تکمیلِ شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں

سوال:۔ شعبان کے تیسویں دن کی خبر اگر ایک شخص دے دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال میں رمضان کے علاوہ ہر ماہ کے ثبوت کے لیے آسمان پر علّت کے دوران دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی بخلاف رمضان کے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرد کی گواہی مقبول ہے، لہٰذا شعبان کے تیسویں دن کی خبر ایک آدمی کی مقبول نہ ہوگی۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وهلال الاضحیٰ وبقیۃ الاشهر التسعۃ کالفطر علی المذهب۔ قال ابن عابدینؒ (قوله وبقیۃ الاشهر التسعۃ فلا یقبل فیها الا شهادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۹۱ کتاب الصوم۔ مطلب ما قاله السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردودٌ) [2]

یوم الشّک میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ رمضان کی پہلی اور شعبان کی تیس تاریخ کو اشتباہ کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے کا

---

[1] قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ واما صوم رمضان فوقته شهر رمضان لا یجوز فی غیره فیقع الکلام فیه فی موضعین احدهما فی بیان وقت صوم رمضان والثانی فی بیان ما یعرف به وقته اما الاول فوقت صوم رمضان شهر رمضان لقوله تعالیٰ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ای فلیصُم فی الشهر وقول النبیّ صلی الله علیه وسلم وصوموا شهركم ای فی شهركم لان الشهر لا یصام وانما یصام فیه واما الثانی وهو بیان ما یعرف به وقته فان كانت السماء مصحیه یعرف برؤیۃ الهلال وان كانت متغیمۃ یعرف باكمال شعبان ثلاثین یومًا ثم صوموا۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۰ کتاب الصوم)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۱۶ کتاب الصوم۔

[2] قال فی الهندیۃ: وان كان بالسماء علۃ لا تقبل الا شهادۃ رجلین او رجل وامرأتین ویشترط فیه الحریۃ ولفظ الشهادۃ كذا فی خزانۃ المفتین۔ وتشترط العدالۃ هكذا فی النقایۃ۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۱۹۸ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیۃ الهلال)
وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج۱ ص۵۳۳ کتاب الصوم فصل فیما یثبت به الهلال الخ

کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہی کتابوں میں اس دن جب باقاعدہ رؤیت نہ ہوا اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو اس کو یوم الشک کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات رمضان کے احتمال کی وجہ سے اس دن بھی فرض روزہ نیت کرکے رمضان کا روزہ رکھا جاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ نفل اور فرض میں تردید کرکے روزہ رکھتے ہیں، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

وروی عمران بن حصین: انه علیه الصلوٰة والسلام قال الرجل هل صمت من صوم شعبان قال لا۔

البتہ اگر خواص کہیں نفل کی نیت کرکے روزہ رکھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی اگر کہیں اس دن میں اتفاق سے کوئی قضاء روزہ آجائے تو اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ وفی التهذیب:۔ والمختار ان یفتی بالمتطوع فی حق الخواص والانتظار والتلوم فی حق العوام وفی السغناقی: والفاصل بین الخاصة والعامة هو ان کل من یعلم فیه صوم یوم الشك فهو من الخواص والا فهو من العوام۔

(فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۲ الفصل الثامن۔ الاوقات المکروه فیها الصوم) [۱]

طلوعِ آفتاب کے بعد رؤیتِ ہلال کی اطلاع آنا

سوال:۔ رمضان کی خبر اگر زوال سے قبل آجائے تو جن لوگوں نے صبح کے بعد کھانا کھایا ہو اُن کے لیے اس خبر پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یوم الشک کے دن تمام اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ زوال تک کھانے پینے اور روزہ کے منافی کاموں سے اجتناب کریں، اگر رؤیت کی اطلاع ہو جائے تو روزہ پورا کریں اور اطلاع نہ آئے تو خواص کے لیے اجازت ہے اور عوام افطار کرلیں، البتہ جن لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہو اُن پر

---

[۱] قال ابن الهمام رحمه الله:۔ کان المختار ان یصوم المفتی بنفسه اخذا بالاحتیاط ویفتی العامة بالتلوم الیٰ وقت الزوال ثم بالافطار حسما لمادة اعتقاد الزیادة ویصوم فیه المفتی سرا لئلا یتهم بالعصیان فانه افتاهم بالافطار بعد التلوم لحدیث العصیان وهو مشتهر بین العوام فاذا خالف الی الصوم اتهموه بالمعصیة۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۴۲ کتاب الصوم)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۲ ص۷۸ کتاب الصوم فصل شرائطها فنوعان۔

رمضان کے تقدس کی خاطر امساک واجب ہے، اگر کوئی اس کے باوجود رعایت نہ رکھے تو صرف قضاء واجب رہے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قال قاضیخان ؒ۔ غلام بلغ فی النصف من رمضان فی ای نصف النهار او نصرانی اسلم فانه لا یأکل بقیة یومه۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۶ کتاب الصوم) ؎۱

دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے

سوال:۔ نصف النہار یعنی آدھا دن گذرنے کے بعد اگر رمضان کے روزے کی فرضیت کی اطلاع آجائے تو مغرب تک امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر نصف النہار کے بعد روزے کی فرضیت ثابت ہو جائے تو جن لوگوں نے ابھی تک روزے کے منافی چیزیں استعمال نہ کی ہوں تو وہ اپنے امساک کو مغرب تک برقرار رکھیں اس کے ساتھ بقیہ مسلمانوں پر بھی امساک واجب ہے، البتہ اگر نصف النہار سے قبل روزے کی نیت نہ کی ہو تو کھانے پینے سے کفارہ واجب نہ ہوگا اور بقیہ دن امساک رکھنے کا حکم رمضان کے مہینے کی وجہ پر خاص ہے، تاہم جن لوگوں نے رمضان کے منافی اشیاء کے استعمال کے بغیر امساک کیا ہو اُن کا امساک رمضان کا روزہ متصور ہوگا جبکہ بقیہ لوگوں پر اس دن کی قضاء لازمی ہے۔

لما قال العلامة محمد انور شاه الکشمیری ؒ:۔ لو شهد رجل بانی رأیت الهلال فی النهار لا یعتبر قوله اصلاً سواء شهد قبل نصف النهار او بعده ولو قال رأیته فی اللیل الماضیة فان کان هلال رمضان وکان قبل نصف النهار فمن لم یأکل بعد الصبح یصوم ومن اکل یقضیه۔

(عرف الشذی علی الجامع الترمذی ج ۱ ص ۱۴۹ باب ما جاء فی الصوم بالشهادة) ؎۲

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه الله:۔ (یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساك بقیة الیوم علی من فسد صومه) ولو بعذر ثم زال (وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج ۱ ص ۵۵۸ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۳۴۷ کتاب الصوم ۔ فی بیان وقت الصوم ومایتصل به۔

؎۲ لما قال العلامة السید محمد یوسف البنوری ؒ: لو شهد برؤیته فی اللیلة الماضیة فان کان هلال رمضان فلیصم بقیة یومه ولیقضیه ان اکل وان لم یأکل وکان قبل الضحوة الکبری صام ولا قضاء۔

(معارف السنن ج ۵ ص ۳۴۵ مسئلة رؤیة الهلال نهاراً)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان عموماً علاقائی فیصلوں سے مختلف ہوتا ہے، ایسی حالت میں کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال کمیٹی جو با اعتماد علمی اشخاص پر مشتمل ہو اسلئے ایسی کمیٹی کے اعلان کو ساقط الاعتبار کہنا دانشمندی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے ان کا اعلان عموماً غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اگر حکومت اس کے سدّباب کے لیے کوشش کرکے علاقائی علماء کی رؤیت کو اعتبار دے تو شاید یہ اختلاف دور ہوجائے، تاہم جہاں کہیں علاقائی اعلان اگر شرعی تقاضوں کو مدِّنظر رکھ کر کیا جائے تو رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان نہ ہونے کے باوجود علاقائی علماء کے فیصلہ کا پابند رہنا ضروری ہے۔

وفی الهندية :- لما فی الفصل الثانی من اوّل الكراهية من الهندية يقبل قول الواحد فی المعاملات عدلاً كان اوفاسقاً حرّاً كان اوعبداً ذكراً كان او اُنثیٰ مسلماً كان اوكافراً دفعاً للحرج والضرورة ومن المعاملات الوكالات والمضاربات والرسالات فی الهدايا والاذن فی التجارات كذا فی الكافی اذا صحّ قول الواحد فی اخبار المعاملات عدلاً كان او غير عدل فلابد فی ذٰلك من تغليب رايه فيه ان اخبره صادق فان غلب علیٰ رايه ذٰلك عمل عليه والّا فلا كذا فی السراج الوهاج۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات) [1]

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان کا حکم

سوال:۔ ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیتِ رمضان اور عید کے ثبوت کے لیے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب قاضی یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو اور

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ :- قال العيون والفتویٰ علیٰ قولهما اذا تيقن انه خطه سواء كان فی القضاء او الروية او الشهادة علی الصك وان لم يكن الصك فی يد الشاهد لان الغلط نادر واثر التغيير يمكن الاطلاع عليه قلما يشبه الخط من كل وجه فاذا يتقن جاز الاعتماد عليه توسعة علی الناس. اھ (شامی ج ۵ ص۴۳۷ كتاب القاضی الی القاضی. مطلب فی دفتر البياع)
وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص۱۱۶ كتاب القاضی الی القاضی۔

ٹی وی پر نشر کرے تو یہ اعلان ثبوتِ رمضان وعیدین کا ذریعہ بن سکتا ہے، قدیم زمانہ میں توپ، دف اور قنادیل کی روشنی کو اعلانِ رمضان یا عیدین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی پر صرف قاضی یا ہلال کمیٹی کا اعلان انتہائی احتیاط سے سُنانا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :- والظاهر انهٗ یلزم اهل القرٰی الصوم بسماع المدافع او الرؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل کما مر صوابه۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۶ مبحث فی صوم یوم الشک) ؎۱

عید اور رمضان کے ثبوت کیلئے ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال :- فرضیتِ رمضان اور ثبوتِ عید کے لیے ٹیلیفون کی خبر کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :- اگر ٹیلیفون کے ذریعے خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو اور کسی کے دھوکہ دینے کا اندیشہ نہ ہو تو ٹیلیفون کی خبر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ :- ولو سمع من وراء حجاب کثیف لایشف من ورائه لایجوز لهٗ ان یشهد لان النغمة تشبه النغمة الا اذا احاط بعلم ذلك لان المسوغ هو العلم غیر ان رؤیة متکلمًا بالعقد طریق العلم به فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز۔

(فتح القدیر ج۶ ص۴۶۳ کتاب الشهادة ـ فصل مایتعلق بکیفیة الشهادة) ؎۲

؎۱ لما قال الشیخ مفتی محمد شفیع صاحبؒ :- البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے۔

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص۱۷۷ باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

وَمِثْلُهٗ فی امداد المفتیین الشهیر بفتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج۲ ص۴۷۷ کتاب الصوم۔

؎۲ قال ابن عابدینؒ :- قال فی العیون والفتوٰی علٰی قولهما اذا تیقن انهٗ خطه سواء کان فی القضاء او الروایة او الشهادة علی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاهد لان الغلط نادر واثر التغیر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشتبه الخط من کل وجه فاذا تیقن جاز الاعتماد علیه توسعة علی الناس. (ردالمحتار ج۵ ص۴۳۷ کتاب القاضی الی القاضی)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۹۳ کتاب الصوم۔

بذریعہ خط عید یا روزے کا ثبوت

سوال:- جہاں کہیں رؤیت ثابت ہو اور دوسری جگہ بذریعہ خط اطلاع دی جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس سے روزے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں، کیا اس کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- دینی معاملات کا تعلق عموماً غلبۂ ظن پر مبنی ہے۔ اگر کسی کا خط ثبوتِ رمضان اور عیدین کے لیے اطمینان کا ذریعہ بنے اور خط لکھنے والا عادل ہو اور اس کے خط کی شناخت ہو سکتی ہو تو اطمینان کے بعد ثبوتِ رمضان و عیدین کا سبب بن سکتا ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں خط کے حجیت کے کافی نظائر موجود ہیں۔

لما قال العلامۃ ابن الھمامؒ: الکتابۃ المرسومۃ بخلاف خط السمسار والصراف الانہ حجۃ للعرف الجاری۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۲۶۴ کتاب الصوم) [1]

ٹیلیگرام (تار) سے عید و رمضان کا ثبوت

سوال:- از روئے شرع عید و رمضان کے بارے میں ٹیلیگرام کی خبر کی تصدیق کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ٹیلیگرام یعنی تار چونکہ کوئی بھی شخص دے سکتا ہے اس لیے یہ پتہ چلنا ہی دشوار ہے کہ یہ تار کس شخص نے دیا ہے، اسی وجہ سے دورِ حاضر کے جید فقہاء کرام اس کے خبر یعنی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے۔

لما قال الشیخ عبد الحی الکھنویؒ:- بحسب ضوابط فقھیۃ تار کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔
(مجموعۃ الفتاوٰی (اردو) ج ۱ ص ۳۵۳ باب رؤیۃ الھلال) [2]

---

[1] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:- صراف کتب علی نفسہ بمال وخطہ معلوم بین التجار واھل البلد ثم مات فجاء غریم یطلب المال من الورثۃ وعرض خط المیت بحیث عرف الناس خطہ یحکم بذلک فی ترکتہ ان ثبت انہ خطہ وقد جرت العادۃ بین الناس بمثلہ وھو حجۃ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۳ کتاب القاضی الی القاضی)
ومثلہٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ:- چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے اس لیے معتبر نہیں۔ (امداد الفتاوٰی ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم والاعتکاف، تحقیق خبر تار)
ومثلہٗ فی عزیز الفتاوٰی الشھیر فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۸۳ کتاب الصوم۔

ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالمِ دین کے فیصلے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے قومی اسمبلی حلقہ این اے ۱۹۸ پشین جس میں کچلاک، پشین بازار، یادو بازار، جنگل پیر، علی زئی بازار، قلعہ عبداللہ بازار، چمن بازار، گلستان زار، سے زئی اڈہ بازار کے علاوہ دیگر بڑے بڑے گاؤں مثلاً کربلا، حرمزئی، کانکزئی، مانکزئی، مانگی، کلی کلک وغیرہ چھوٹے بڑے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں پر حکومتِ پاکستان کا قانون لاگو ہے اور یہ تمام علاقے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہاں عید اور روزہ بڑے عجیب طریقہ سے منایا جاتا ہے کہ ایک بستی میں عید دوسری میں روزہ، ایک گھر میں عید دوسرے گھر میں روزہ یہاں تک کہ گھر کے ایک فرد کا روزہ اور دوسرے لوگوں کی عید ہوتی ہے۔ جبکہ علاقہ کے معروف عالم دین مولانا عبدالغنی صاحب شرعی گواہان پر عید اور روزے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو کیا ان کے فیصلہ پر عمل کیا جائے یا حکومت کی طرف سے قائم ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے؟ نیز بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم افغانستان کے اعلان کے مطابق عید اور روزہ کا اہتمام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ از راہِ کرم شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ اسلام لوگوں کو اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اسلئے مسلمانوں کے ذمے اجتماعی احکام فرض کئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اس کی مثالیں ہیں، اسی طرح عیدین بھی اجتماعیت کی داعی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ساتھ عید منائیں ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: صوموا لرؤیۃ الھلال فافطروا بہ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۷۴ باب رؤیۃ الہلال۔ الفصل الاول)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون وفطرکم یوم تفطرون۔ (مجموعۃ الفتاوٰی لابن تیمیۃ ج ۲۵ ص ۱۰۵ فصل مسألۃ رؤیۃ بعض البلاد الخ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء مذہب ثلاثہ بالاتفاق اور مذہب شافعیہ کے بعض فقہاء اور مذہب اہل حدیث، زیدیہ، ظاہریہ وغیرہ کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، اہلِ غرب کی رؤیت اہلِ شرق کے لیے قابلِ حجت ہے۔ لہٰذا رمضان یا عیدین کا چاند جب نظر آجائے تو قاضی وقت، ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالم دین کو چاہیئے کہ وہ اس شہادت کو قبول کر کے اس کے مطابق روزہ یا عیدین کا حکم صادر کرے، وہ حساب وکتا

یا کمپیوٹر کی اطلاع عدم احکام کو نہ دیکھے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حتی لو اخبر رجل عدم القاضی بمجئی رمضان یقبل و یأمر الناس بالصوم یعنی فی یوم الغیم ولا یشترط لفظ الشهادة و شرائط القضاء۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیة الهلال)

وایضاً قال بأن المعمول به فی المسائل الثلاث ما شهدت به البینة لان الشهادة نزلها الشارع منزلة الیقین۔ وما قاله السبکی مردود رده علیه جماعة من المتاخرین ولیس فی العمل بالبینة مخالفة لصلاته صلی الله علیه وسلم۔ ووجه ما قلناه ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاه بالکلیة بقوله نحن امة امیة لانکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا۔ وقال ابن دقیق العید الحساب لایجوز الاعتماد علیه واصلا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۷ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیة الهلال)

اس لیے کہ قاضی شرعی کو بدون وجہ شرعی کے کسی شہادت کو رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ وہ شہادت کے حوالہ سے فیصلہ کرے گا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی فرماتے ہیں: رأی مکلف هلال رمضان او الفطر ورد قوله بدلیل شرعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۲ کتاب الصوم)

(۲) اگرچہ قاضی شرعی کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ عیدین و رمضان میں قابلِ قبول ہے، احکامِ شرعی کے بارے میں صرف قاضی شرعی کا فیصلہ قبول ہوگا۔

لما قال العلامة وهبة الزحیلی: القیام علی شعائر الدین من اذان واقامة واقامة الصلوة الجمعة والجماعة والاعیاد وصیام وصبح۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۶ ص۶۷ کتاب الامارة)

لیکن جہاں کہیں قاضی شرعی نہ ہو یا وہ شرعی دلائل کی روشنی میں حکم صادر نہ کرتا ہو تو عیدین و رمضان وغیرہ عبادات کے قیام میں علاقے کا معتمد عالمِ دین قاضی شرعی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے کہ: جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کرسکتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہوسکتا البتہ رؤیتِ ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکمِ قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدین: وفی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو

فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحدٍ منہم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۴۲ کتاب الجہاد)

وفی عمدۃ الرعایۃ: والعالم الثقۃ فی بلدۃ لا حاکم فیہا قائم مقامہ۔ (ج ۱ ص۳۰۹)
احسن الفتاوی ج۴ ص۴۶۶ کتاب الصوم)

موجودہ ہلال کمیٹی کا اعلان اگرچہ قابلِ اعتبار ہے، اس پر مسلمان عید ورمضان جیسے امور انجام دے سکتے ہیں، مگر اس کے علاوہ علماء کی کمیٹی یا ایک معتمد عالمِ دین بھی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ شہادت یا دیگر اطلاعات کی بناء پر رمضان وعیدین کا فیصلہ کرسکے، یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہے، اعلانِ رمضان وعیدین کا حق صرف ہلال کمیٹی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان بلاد الہند الیوم لیست فیہا حکومۃ اسلامیۃ ولیس فیہا دار القضاء للمسلمین فالحکم فی مثلہا الصوم باخبارِ ثقۃ والفطر بقول ثقتین ولا ینبغی لعلماء العصر من المفتیین المشی علیٰ ما ھو شان قضاۃ دار الاسلام من الشہادۃ وغیرھا۔ (معارف السنن ج۵ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

اس لیے کہ ہلال کمیٹی دیگر تسامحات کے ساتھ ساتھ شہادتِ شرعی کو بھی اپنی مفروضہ رائے اور عدم رؤیت کے اعلان کے بعد قبول نہیں کرتی اور شہادت کو کمپیوٹر کے حساب سے پرکھا جاتا ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، جس پر گذشتہ عیدین (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کا اعلان واضح دلیل ہے جو کہ سب کے سامنے ہے اور اخبارات وجرائد میں اس کے خلاف کافی مدلل ومفصل مضامین لکھے گئے۔۔۔ اس کے ساتھ قاضی شرعی کا حکم بھی تب نافذ ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو۔

لہٰذا جب ایک علاقہ میں رؤیت چاند ہوجائے تو رؤیت جہاں بھی ہو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ثابت ہوتے پر ہلال کمیٹی یا علاقے کا معتمد عالمِ دین روزہ یا عیدین کا فیصلہ (اعلان) کردے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس فیصلہ پر عمل کریں۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آسان سی تجویز یہ ہے کہ ہلال کمیٹی صرف مخصوص وقت تک شہادت یا اطلاع کی پابندی نہ کرے بلکہ رات گئے تک ملک وبیرونِ ملک رابطہ کرتی رہے جہاں پر بھی رؤیتِ ہلال شرعاً ثابت ہوجائے تو رمضان یا عید کا اعلان کردیا جائے۔

ہلال کمیٹی کمپیوٹر کے حساب پر شہادت کو نہ پرکھے اس لیے کہ ممکن ہے پاکستان میں طول البلد اور

عرض البلد کے حساب سے امکانِ رویت نہ ہو اور دیگر ممالک میں امکانِ رؤیت ممکن نہ ہو اس لیے شہادت کو شرعی اصول پر پرکھا جائے۔

لیکن اگر ہلال کمیٹی والے اپنے خود ساختہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے رابطہ سے روگردانی کرتے ہوں تو مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ علاقے کے معتمد عالمِ دین کے اعلان پر رمضان و عیدین کا اہتمام کریں تاکہ اختلاف ختم ہو کر لوگوں میں وحدت پیدا ہو جو کہ اسلام کا فلسفہ ہے، لہٰذا ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالمِ دین کو ثبوتِ شرعی کے ساتھ رؤیتِ ہلال کی اطلاع مل جائے تو اس کے اعلان پر علاقے کے مسلمانوں کو رمضان کا روزہ یا عید (افطار) کر لینا چاہیئے، اس طرح انشاء اللہ وحدت قائم ہوگی۔

کسی دوسرے ملک کے صرف اعلان پر روزہ یا افطار (عید) کرنا شرعاً صحیح نہیں، جب تک وہاں کی رؤیت دوسرے طُرقِ شرعی (شہادۃ علی الرؤیت یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ) کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اور علاقے کا معتمد عالمِ دین یا علماء کمیٹی وغیرہ اعلان نہ کرے۔

صاف مطلع کے دوران جمِ غفیر ضروری ہے

سوال:- اگر مطلع بالکل صاف ہو تو پھر کتنے آدمیوں کی رؤیت پر اعتماد کرکے روزے یا عیدین کا اعلان کیا جائے گا؟ اگر بالفرض تین یا چار آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا ان کی گواہی قابلِ قبول ہوگی یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں چاند کی رؤیت کے لیے قانون یہ ہے کہ اگر ۲۹ کی رات کو مطلع بالکل صاف و شفاف ہو تو پھر جمِ غفیر کی رؤیت روزہ اور عید کے لیے ضروری ہے، جمِ غفیر کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذخیرۂ فقہ میں درج ہیں، بعض سے ۵۰ اور بعض سے ۵۰۰ وغیرہ مروی ہے۔ البتہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تعداد سے قطع نظر کرکے قاضی صاحب کے مطمئن ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن قاضی کا اطمینان بھی دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) امکانِ رؤیت (۲) کثرتِ شہود۔

اس لیے صاف مطلع کے دوران تین یا چار آدمیوں کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔

کذا فی ردّ المحتار ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔

رویتِ ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں :-

(۱) ۲۳ر جنوری ۱۹۶۶ء کو حکومتِ پاکستان کی وزارتِ داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست تھا یا نہیں؟

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق عید کی نماز پڑھی ہے ان کا نمازِ عید پڑھنا شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

(۳) اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ہے اُن پر اس روزہ کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب :- (۱) ہمارے ہاں اکوڑہ خٹک میں خود بندہ کے پاس رویت ماہ شوال حاضر کی شہادت گذری اور آٹھ گواہوں سے شرعی طریقے پر شہادت لی گئی، ہر ایک گواہ نے بلفظ اشہد رویت ماہ شوال حاضر کی بشب اتوار بعد از نماز مغرب مع وجود علت اگر د وغبار اور بادل کے شہادت دی، جس پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کیا اور ان سب واقعات (شہادت اور اعلانِ عید) کی اطلاع مقامی تھانے کے ذریعے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر پشاور کو بھی دے دی گئی، اور انہوں نے وزارتِ داخلہ کے ہوم سیکرٹری کو اطلاع دی۔ اب وزارتِ داخلہ نے جو ہلال کمیٹی مقرر کی ہے وہ اگر ثقات عادل علماء پر مشتمل ہو اور انہوں نے ہماری اس اطلاع کو اور اسی طرح دوسری جگہوں سے جو اطلاعات ان کو دی گئیں اُن کو قبول کر کے عید کا فیصلہ کیا ہو اور پھر حکومت کی نگرانی میں یہ فیصلہ اور حکم مختلف ریڈیو سٹیشنوں سے ثقات کے ذریعہ کیا ہو تو یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست ہے۔

(۲) اب جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق (یعنی اتوار کے دن) نماز عید پڑھی ہے وہ بالکل جائز اور درست پڑھی ہے۔

(۳) مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جن لوگوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔

استفتاء مندرجہ بالا کے جواب پر اشکال اور اس کا جواب

سوال :- محترم حضرت مفتی صاحب! گذشتہ عید کے خلفشار میں آپ سے میں نے ایک فتویٰ منگوایا تھا جو کہ مجھے وصول ہو چکا ہے، اس کو مکرر مطالعہ

فرمانا چاہیں تو اس کا نمبر ۲۹۶ ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں۔

(۱) آپ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکوڑہ خٹک میں چاند کا ثبوت شرعی طور پر ہو گیا تھا اس صورت میں بصورتِ ابر وغیرہ آپ کا جو فیصلہ تھا وہ اگر شرعی شرائط کے ساتھ نشر ہوا ہو تو کیا یہ اُن لوگوں کے لیے بھی حجت ہے جہاں مطلع صاف تھا یا وہاں پھر جمِ غفیر کی علیٰحدہ شہادت معتبر ہوگی؟

(۲) اگر حکومت کی نگرانی ہی میں موجودہ اعلان ہونا فرض کیا جائے تو کیا یہ اعلان پاکستان کے دونوں حصوں میں واجب العمل ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کا اندازہ کیا ہوگا؟

(۳) میرے گذشتہ استفتاء کے سوال ۳ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ان پر اس کی قضاء واجب نہیں، یہ تو تب درست ہو سکتا ہے جبکہ خود آپ کے فتویٰ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں۔ تو کیا آپ کے علم میں حکومت کے اعلان سے پہلے یہ تمام شرطیں پائی گئی ہیں یا نہیں؟ قابلِ حوالہ باتوں میں حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں؟

نوٹ: آپ کی عید سے ہمیں تعرض نہیں ہے، غرض صرف یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں ہم تک شرعی طریق سے پہنچا ہے یا نہیں۔ (مولوی محمد یونس ساکن لورہ ضلع راولپنڈی)

الجواب: مخدومی المحترم جناب مولانا محمد یونس صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کے دونوں نوازش نامے ایک بنام حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرا اس بندۂ عاجز (قاضی انوارالدین) کے نام مشتمل بر چند استفسارات بوقتِ سعید شرفِ صدور لائے، حالات و کوائف سے مطلع ہوئے، گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے آں محترم محسوس نہ فرمائیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو درسِ حدیث اور اہتمام کے کام سے بالکل فرصت نہیں ملتی جو کسی کے ساتھ اس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں، جس طرح کہ آں محترم نے مطالبہ کر کے تحریر فرمایا ہے، اس لیے وہ آپ کے اشکالات کا جواب نہیں دے سکیں گے البتہ دارالافتاء سے آپ اپنے اشکالات حل فرما سکتے ہیں، وہ بھی مناظرہ کی شکل میں نہیں بلکہ تشفی اور تسلی حاصل کرنے کی غرض سے، اور اگر دارالافتاء کے جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوتی ہو تو پاکستان کے کسی بھی دوسرے دارالافتاء سے اپنی تشفی کرا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے، کسی مسئلے کا جو جواب یہاں سے جاری ہوتا ہے

وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی نظر ثانی اور ذمہ داری سے نکلتا ہے، وہ بحیثیت مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی حضرت مولانا حسین الدین صاحب خطیب سبزی منڈی راولپنڈی بمع تین اور ساتھیوں کے یہاں تشریف لائے تھے اور رویت ہلال عید کے متعلق انہوں نے شرعی طور پر اپنی تسلی کرائی تھی، جو کچھ انہوں نے یہاں اپنے آنے کے متعلق لکھا ہے وہ درست ہے اور واقعہ صحیح ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے نام آپ کا جو نوازش نامہ ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے، بندہ کے نام نوازش نامہ کے جواب میں یہ عرض ہے کہ:۔

(۱) رویتِ ہلال میں شہروں کی دُوری کا اعتبار نہیں اور اکثر فقہاء کرام نے اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ الدرالمختار میں ہے: فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب (الدرالمختار ج ۲ ص ۲۹۳) یہ دوسری بات ہے کہ جو بلاد قواعد ہیئت کے اعتبار سے اختلافِ مطالع رکھتے ہوں ان میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ محققین کے نزدیک ثابت ہے۔ مگر ہمارے بلاد میں قواعد ہیئت کے اعتبار سے بھی اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک شہر کی رویت کا ثبوت بطریق موجب ہو جائے جس تین صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں، (۱) شہادة على الرؤية۔ (۲) شہادة على شهادة الرؤية۔ (۳) شہادة على قضاء الحاكم الشرعي۔ ایک (۴) چوتھی صورت بھی ہے جس کو استفاضة الخبر کہا جاتا ہے۔ ان چار صورتوں میں جس صورت سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جائے تو وہ حجت ہوگا۔

اس تحقیق کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو شہادت رویت ہلال کی گذری تھی جس کی بناء پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کر دیا اور بالوسائط اس کی اطلاع مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو دیدی، اب اگر مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کے ارکان نے اس کو منظور کر کے حکومت کی نگرانی میں شرائط کے ساتھ نشر کیا ہو تو یہ استفاضة الخبر بن کر ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہوگا جہاں مطلع صاف تھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا کیا تو ہو لیکن نظر نہیں آیا ہو تو جم غفیر کی علیحدہ شہادت کی ضرورت اس کے بعد نہ ہوگی۔

(۲) جی ہاں اگر حکومت کی نگرانی میں شرائط مذکورہ "فتویٰ سابقہ کے ساتھ" یہ اعلان ہونا فرض کیا

جائے تو پاکستان کے دونوں حصوں کے لیے واجب العمل ہو گا۔

(۳) اپنے علم کی حد تک جتنا کہ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے حکومت نے وزارتِ داخلہ کے ماتحت ایک مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی مقرر کی ہے جس کے اعلیٰ رکن (سربراہ) ڈسٹرکٹ خطیب راولپنڈی مولانا فیض علی فیضی ہیں اور وہ رویتِ ہلال کے متعلق کمیٹی کے دوسرے ارکان کی معیت میں فیصلہ کر کے حکومت کی نگرانی میں ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرتے ہیں، اس لیے بندہ نے سابق فتویٰ میں آپ کے سوال ۳ کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہے اور بجائے "نہیں ہو گا" کے صرف "نہیں" لکھ دیا، اگر آپ کے علم میں یہ اعلان شرائط کے ماتحت نہیں کیا جاتا ہو اور یہ استفاضۃ الخبر میں داخل نہ ہو تو میں بجائے صرف "واجب نہیں" کے "واجب نہیں ہو گا" لکھ کر بری الذمہ ہو جاؤں گا۔

التماس — جنابِ من! آپ کے عید نہ کرنے سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو اپنی معلومات کی حد تک یہ مسئلہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اعلانِ عید یا روزہ بذریعۂ ریڈیو حجت ہے یا نہیں؟ تو میری رائے میں جو اطلاعات رویت اور شہادت ہلالِ عید کے متعلق ہم نے مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو پہنچائی تھیں اور کمیٹی والوں نے اس پر فیصلہ کر کے بذریعہ ریڈیو نشر کر کے اعلانِ عید کیا ہے وہ استفاضۃ الخبر ہے اور جنہوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے ان پر حجت ہے۔ اب اگر ہماری اس رائے کے ساتھ آپ کو اتفاق نہ ہو تو ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ (فقط والسلام)

باب تعریف الصوم واقسامہٖ وشرائطہٖ

(روزہ کی تعریف، اقسام اور شرائط کے بیان میں)

روزہ کی نیت کا وقت

سوال:۔ اگر رات کو روزہ کی نیت کرنی بھول جائے تو کس وقت تک نیت کرکے روزہ رکھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اگر طلوعِ فجر کے بعد روزہ دار سے روزہ کے منافی کسی امر کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو نصف النہار سے قبل تک نیت کرکے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نصف النہار گذرنے کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ویسن لہٗ ان یتلفظ بہا۔ وقتہا کل یوم بعد غروب الشمس الی ما قبل نصف النہار والنہار الشرعی: من انتشار الضوء فی الافق الشرقی عند طلوع الفجر الی غروب الشمس فیقسم ھٰذا الزمن نصفین وتکون النیۃ فی النصف الاول بحیث یکون الباقی من النہار الی غروب الشمس اکثر مما مضی۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۴۵) [1]

روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد

سوال:۔ ایک مسلمان پر روزہ کس عمر میں فرض ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بنیادی طور پر بالغ ہونے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی پہچان لڑکے کو احتلام ہونے اور لڑکی کو حیض آنے سے ہوتی ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ فان لم یوجد فیہما شیٔ منہا فحتی یتم لکل منہما

---

[1] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ (ولو نہاراً الی ما قبل نصف النہار) المراد انہ من اللیل الی ھٰذا الوقت ظرف النیۃ وفمتی حصلت فی جزء من ھٰذا الزمان صح الصوم لما ذکرہ المصنف، وان نوی الصوم من النہار ینوی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی قبل الزوال انہ صائم من حین نوی، لا من اول النہار لا یصیر صائماً کما حوی وانما تجوز قبل الضحوۃ اذا لم یوجد قبلہا ما ینافی الصوم کاکل وشرب وجماع۔ (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی ص۵۳۰ ج۱ کتاب الصوم)

ومثلہٗ فی فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۹۵ کتاب الصوم۔

خمس عشرۃ سنۃ وبہ یفتی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۱۵۳ کتاب الحجر) [1]

یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا

سوال:۔ اگر شک والے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا جائے مگر بعد میں شرعی ثبوت سے یہ معلوم ہوجائے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو عند الشرع اس نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یکم رمضان ثابت ہونے پر یہ دن یوم الشک کا نہیں بلکہ رمضان کا شمار ہوگا، چونکہ ماہ رمضان فرض روزوں کے لیے مقرر ہے اس لیے کسی نفل کی نیت سے فرض روزہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ یہی روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا اور اس پر قضاء بھی لازم نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ فان ظھر انہ من رمضان کان صائماً عن رمضان۔ وفی الخانیۃ وقیل علی قول محمدؒ لا یکون صائماً۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۹۲ کتاب الصوم، الفصل الثامن، الاوقات التی یکرہ فیھا الصوم) [2]

پوری زندگی روزہ رکھنے کی منّت ماننا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس کے لیے افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لینا بلا شبہ درست ہے مگر بہتر نہیں، اسلئے کہ انسان ہر حالت میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر ماننے میں کبھی بھی افطار

---

[1] قال العلامۃ فخر الدینؒ:۔ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والا فحتی یتم لہ ثمانی عشر سنۃ والجاریۃ بالحیض والاحتلام والحبل والا فحتی یتم لھا سبع عشرۃ سنۃ ویفتی بالبلوغ فیھما بخمس عشرۃ سنۃ۔ (تبیین الحقائق ج ۵ ص۲۰۳ کتاب الحجر)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص۸۵ کتاب الحجر۔

[2] قال ابن نجیمؒ:۔ واعلم انہ یتفرع علی کیفیۃ النیۃ ووقتھا مسئلۃ الاسیر فی دار الحرب اذا اشتبہ علیہ رمضان فتحری وصام شھراً عن رمضان فلا یخلو اما ان یوافق اولا بالتقدیم او بالتاخیر فان وافق جاز وان تقدم لم یجز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۶۳ کتاب الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص۲۴۴ کتاب الصوم۔

کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ایامِ منہیات میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے افطار کرنے کے بعد ہر سال پانچ روزے اس کے ذمہ باقی رہیں گے، فراغتِ ذمہ کے لیے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرنی ہوگی ۔

قال طاهر بن احمدؒ ۔ رجل قال لله علیّ صوم هٰذه السنة فانه یفطر یوم الفطر ویوم النحر وایام التشریق ویقضی تلك الایام وعلیه کفارة الیمین ۔

(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۲۶۷ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فی النذر) [۱]

شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال:۔ شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا مگر اس کے فوراً بعد ہوائی جہاز میں سفر کے دوران سورج دوبارہ دیکھ لیا تو کیا اس سے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اور امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ چونکہ اس شخص کو یقینی طور پر سورج کے غروب ہونے کا علم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے روزہ افطار کر لیا اب جبکہ دوبارہ سورج دیکھ لیا تو اس کو امساک (یعنی سورج کے غروب ہونے کا انتظار) کرنا چاہیئے، تاکہ حقیقی طور پر سورج غروب ہو جائے، یہ امساک فقط روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ تو ادا ہو گیا ہے اس پر کوئی قضاء لازم نہیں ۔

قال العلامة الحصکفیؒ :۔ قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت هل یعود الوقت بالظاهر نعم ۔ وقال ابن عابدینؒ : (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حیث قال ذکر الشافعیة ان الوقت یعود الیٰ قوله قلت علی ان الشیخ اسمٰعیل رد ما بحثه فی النهر تبعا للشافعیة

---

[۱] قال عالم بن العلاءؒ :۔ واذا قال و لله علیّ صوم الابد یفطر ایام العید ویطعم عن کل یوم مسکینا نصف صاع من حنطة ۔ هشام عن محمدؒ : فیمن جعل علیٰ نفسه صوم الابد فافطر یوم الفطر ویوم الاضحیٰ ۔ لا یطعم هٰذه الایام فی حیاته وعلیه ان یوصی ان یطعم ۔ الخ ۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج ۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم، الفصل الحادی عشر فی النذور ۔)

ومثله فی الهدایة ج ۱ ص۲۲۸ کتاب الصوم، فی ما یوجبه علیٰ نفسه ۔

بان صلوٰۃ العصر بغیبوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعھا لا یعید ھا اداءً ومافی الحدیث خصوصیۃ لعلیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ کان فی طاعتک و طاعۃ رسولک اھ۔ عود الوقت بعودھا للکل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۰، ۳۶۱ کتاب الصوم) [1]

طویل النہار (لمبے دن) والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ

سوال:۔ دنیا کے بعض خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں دن بہت لمبے ہوتے ہیں، وہاں روزے رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ جن ملکوں میں دن چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے بڑا ہو تو ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو قریب ملک اور علاقے کے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھنا ہوگا، کیونکہ عام طور پر انسان چوبیس ۲۴ گھنٹے کا روزہ رکھنا برداشت نہیں کرسکتا، البتہ اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن اس قدر چھوٹا ہو کہ سحری اور افطاری کھانے کا وقت ملتا ہو اور طلوع وغروب بھی ہوتا ہو تو اس ملک کے وقت کے موافق روزے رکھنے ہوں گے، تاہم یقیناً بیماروں کے لیے شریعت میں مراعات پائی جاتی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ (تتمۃ) لم ار من تعرض عندنا لحکم صومھم فیما اذا کان یطلع الفجر عندھم کما تغیب الشمس اوبعدہ بزمان لا یقدر فیہ الصائم علی ما یقیم بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب الصوم موالاۃ الصوم علیھم لانہ یؤدی الی الھلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وھل یقدر لیلھم باقرب البلاد الیھم۔ کما قالہ الشافعیۃ ھنا۔ ایضاً ام یقدر لھم بما یسع الاکل والشرب یجب علیھم القضاء فقط

---

[1] لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ:۔ وکذا من وجب علیہ الصوم فی اول النہار لوجود سبب الوجوب والاھلیۃ ثم تعذر علیہ المضی فیہ بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مفطراً ثم تبین انہ من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین لہ انہ طلع فانہ یجب علیہ الامساک فی بقیۃ الیوم تشبھا بالصائمین۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۰۲، ۱۰۳ کتاب الصوم فصل ام حکم الصوم المؤقت)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی ھامش طحطاوی ج ۱ ص ۵۵۸ کتاب الصوم۔

دون الاداء کل محتمل فلیتامل ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۹ کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی طلوع الشمس من مغربہا) [۱]

عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ اور کتبِ فقہ سے یہ حکم واضح ہے کہ پورے سال میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے جن میں دو دن عیدین (یعنی عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کا پہلا دن) کے بھی شامل ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیئے ورنہ گنہگار ہوجائے گا۔

قال عبدالرحمٰن جزریؒ:۔ الصوم المکروہ ینقسم الیٰ قسمین مکروہ تحریماً و ھو صوم ایام الاعیاد والتشریق فاذا صامھا انعقد صومہ مع الاثم۔ (فقہ مذاہب اربعہ ج ۱ ص ۵۵۹) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ کمال الدینؒ:۔ ولا یرتاب متامل فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سببہ الجعلی الذی جعل علامۃ علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشی فانتفاء الوقت انتفاء للعرف وانتفاء الدلیل علی الشی لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل اٰخر وقد وجد وھو ما تواطات علیہ اخبار الاسراء من فرض اللہ الصلوٰۃ خمسًا بعد ما امروا اولاً بخمسین ثم استقر الامر علی خمس شرعًا عامًا لاھل الاٰفاق تفصیل فیہ بین اھل قطر وقطر وما روی ذکر الدجال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا ما لبثہ فی الارض قال اربعون یومًا یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم فقیل یارسول اللہ فذٰلک الیوم الذی کسنۃ ایکفینا فیہ صلوٰۃ یوم قال لا قدروا لہ (رواہ مسلم) فقد اَحب فیہ ثلٰثمائۃ عصر قبل صیرورۃ الظل مثلاً او مثلین وقس علیہ فاستفدنا ان الواجب فی نفس الامر خمس علی العموم غیر ان توزیعہا علی تلک الاوقات عند وجودھا فلا یسقط بعدمہا الوجوب۔ وکذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوٰۃ کتبہن اللہ علی العباد و من افتی بوجوب العشاء یجب علی قولہ الوتر ایضًا (حاشیۃ شلبی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۸۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المواقیت)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۱ ص ۲۴۶ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت۔

[۲] قال ابن نجیمؒ:۔ وعندنا یکرہ الصوم فی یومی العید وایام التشریق۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۱ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فی مایکرہ للصائم۔

مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں

سوال:۔ اگر مجنون روزہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کے اولیاء فدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ احکامِ شرعیہ کا مکلف عاقل و بالغ انسان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون مکلف بالعبادات نہیں ہوتا، اس لیے اس کے مرنے کے بعد ورثاء پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں، بشرطیکہ یہ عارضہ ممتد ہو (یعنی رمضان کا پورا مہینہ مجنون ہو) اور اگر عارضہ غیر ممتد ہو تو اس صورت میں ما فات کی قضاء لازمی ہے، اور اگر قضاء سے قبل مرجائے تو بصورتِ وصیت فدیہ دینا لازمی ہے۔

قال العلامة کاسانیؒ:۔ ولا وجوب علی المجنون لان الوجوب بالخطاب ولا خطاب علیه لانعدام القدرتین ولهٰذا المرجب القضاء فی الجنون المستوعب شهراً وجه قول اصحابنا..... فی الجنون العارض ما اذا افاق فی وسط الشهر او فی اوله حتی لوجن قبل الشهر ثم افاق فی آخر یوم منه یلزمه قضاء جمیع الشهر۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۸، ۸۹ کتاب الصوم فصل شرائط الصوم)[1]

کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ شرعاً روزہ کس چیز سے افطار کرنا افضل ہے ؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ روزہ دار کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، تاہم اس کے علاوہ بھی دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

اخرج ابو عیسٰی محمد بن عیسٰیؒ:۔ عن انس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله علیه وسلم من وجد تمراً فلیفطر علیٰ ماء فان الماء طهور۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۴۹)[2]

سحری و افطاری کا مستحب طریقہ

سوال:۔ سحری اور افطاری میں تعجیل و تاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے ؟

---

[1] قال ابن نجیمؒ:۔ (قوله و بجنون غیر ممتد) ای یقضیه اذ فاته بجنون غیر ممتد و هو ان لا یستوعب الشهر والممتد هو ان یستوعب الشهر و هو مسقط للحرج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۰ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ الفصل العاشر فی الجنون۔

[2] محمد بن یزیدؒ:۔ عن سلیمان بن عامر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : اذا افطر احدکم فلیفطر علیٰ تمر فان لم تجد فلیفطر علی الماء فانه طهور۔ (ابن ماجة ج۱ ص۱۲۲ باب ما جاء علیٰ ما یستحب الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی ابی داؤد ج۱ ص۳۲۱ باب ما یستحب الفطر۔

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطاری کرنا مستحب ہے اور سحری میں آخر وقت تک تاخیر کرنا اولیٰ ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ظن غالب پر طلوعِ فجر سے چند منٹ پہلے سحری بند کردینی چاہیئے۔

قال العلامۃ سید احمد الطحطاوی رحمہ اللہ: النھار عبارۃ عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق الی غروب الشمس وھو قول اصحاب الفقہ واللغۃ (قولہ الی الغروب) ھو اول زمان بعد غیبوبۃ تمام جرم الشمس بحیث تظھر الظلمۃ فی جھۃ المشرق ۔ وفی البخاری عنہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اقبل اللیل من ھٰھُنا فقد افطر الصائم ۔ ای اذا وجدت الظلمۃ حسا فی جھۃ المشرق فقد دخل وقت الفطر او صار مفطرا فی الحکم. لان اللیل لیس ظرفا للصوم قھستانی۔

(مراقی الفلاح علیٰ ھامش طحطاوی ج ۱ ص ۵۲۱ کتاب الصوم)[۱]

کیا اذانِ فجر انتہاءِ سحری کی دلیل ہے

سوال: سحری کا آخری وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فجر کی اذان انتہاءِ سحری کی دلیل بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ بند کرنے میں بنیادی اعتبار انتہائے وقت کا ہے اسلئے طلوعِ فجر سے قبل روزہ رکھنا واجب ہے، البتہ اگر اذان صحیح وقت پر دی جاتی ہو تو پھر یہ انتہائے وقت کی دلیل بن سکتی ہے ورنہ تقدیم وتاخیر کی صورت میں اسے انتہاءِ سحر سمجھنا درست نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اذان عموماً وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے اسلئے اس دوران کھانا پینا جائز نہیں بلکہ اس سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کردینا چاہیئے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء: قال اصحابنا وقت الصوم من حین یطلع الفجر الثانی. وھو الفجر المستطیر المنتشر فی الافق الی غروب الشمس، واذا غربت الشمس خرج وقت الصوم ولم ینقل عنھم ان العبرۃ لاول طلوع الفجر الثانی او لاستطارتہ وانتشارہ۔ وقد اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم العبرۃ لاولہ ۔ وبعضھم قالوا العبرۃ لاستطارۃ ۔ قال الشمس الائمۃ الحلوانی: القول الاول احوط والثانی اوسع ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۳۴۶ کتاب الصوم الفصل الاول فی بیان وقت الصوم)[۲]

---

[۱] قال طاھر بن احمد عبد الرشید: ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجم وتاخیر السحور وفی یوم الغیم لا یستحب التعجیل ولا یفطر مالم یغلب علی ظنہ غروب الشمس۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الحظر والاباحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الصوم مطلب فی حدیث التوسعۃ علی العیال الخ۔

[۲] قال ابن عابدین: (قولہ وھو الیوم) ای الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب وھل المراد اول زمان الطلوع او انتشار الضوء؟ فیہ خلاف کالخلاف فی الصلوٰۃ والاول احوط والثانی اوسع ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۴ کتاب الصوم ۔ الباب الاول تعریفہ وتقسیمہ۔

صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم

سوال:- حنفیہ کثر اللہ سوادھم کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب:- علماء احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہے کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامہ ابن عابدینؒ: ولا بأس بصوم یوم الجمعة عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لما روی عن ابن عباسؓ انہ کان یصومہ ولا یفطر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم)[۱]

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم

سوال:- ایام بیض کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں جو ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو آتے ہیں، کیا ماہ ذی الحجہ میں بھی انہی تاریخوں کو روزے رکھے جائیں یا دوسری تاریخوں کو رکھے جائیں؟

الجواب:- شریعتِ مقدسہ میں ایام عید الاضحٰی یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا ممنوع ہیں اس لیے ماہ ذی الحجہ میں ۱۳ تاریخ کا روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بجائے ۱۳ کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے روزے رکھے جائیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: یکرہ الصوم فی العیدین وایام التشریق لانعقاد الاجماع ولو صام یکون صائماً مسیئاً ولو افسدہ لا یقضی عند ابی حنیفةؒ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم فصل فی بیان الاوقات التی یکرہ فیہا الصوم)[۲]

---

[۱] قال الشیخ وهبة الزحیلی: ومنہ صوم یوم الجمعة ولو منفرداً فلا بأس بصیامہ عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ۔ مما روی عن ابن عباسؓ انہ کان یصومہ ولا یفطر۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۹۲ مسائل صوم مندوب)
وَمِثْلُہ فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الحظر والاباحة۔

[۲] قال العلامة حسن بن عمّار الشرنبلالیؒ: والثانی الذی کرہ تحریماً صوم عیدین الفطر والنحر ومنہ صوم ایام التشریق۔ وقال السید احمد الطحطاویؒ: قولہ (ومنہ صوم ایام التشریق) هی ثلاثة بعد ایام النحر (طحطاوی ص۳۵۱ کتاب الصوم) ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہ ج۲ ص۵۸۲۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ احادیث مبارکہ میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منقول ہے، کیا یہ حکم حاجی کے لیے بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: یوم عرفہ کا روزہ رکھنا شرعاً مسنون ہے اور یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے البتہ اگر حاجی کو روزہ رکھنے سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے مناسکِ حج میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو تو اس صورت میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: المستحبۃ وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ الخ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ لم یضعفہ صفۃ لحاج) ای اکان لا یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلو اضعفہ کرہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم)[1]

یوم عاشورہ کے روزے کا حکم

سوال:۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا ہوگا یا اس سے پہلے یا بعد والے دن کا روزہ بھی ملانا ہوگا؟

الجواب:۔ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا مسنون ہے مگر اس روزے کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد والے دن کا روزہ ملانا ضروری ہے اس لیے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: واما صوم یوم عاشوراء فیستحب ان یصوم قبلہ یوماً وبعدہ یوماً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم۔ باب الحظر والاباحۃ)[2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وهبۃ الزحیلی:۔ ومنہ صوم یوم عرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فلو اضعفہ کرہ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۹۲ اراء المذاهب فی الصوم المنذور)
ومثلہ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۹ الاوقات التی یکرہ فیہا الصوم۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکانوا یستحبون ان یصوموا قبل عاشوراء او بعدہ یوماً۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۹۰ کتاب الصوم فی الاوقات التی یکرہ فیہا الصوم)
ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۹۰ النوع الرابع، صوم التطوع۔

رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر وتواضع کا حکم

سوال :۔ جنابِ محترم مفتی صاحب ! میں بسلسلہ روزگار انگلینڈ میں مقیم ہوں وہاں میرے کچھ انگریز دوست ہیں اگر وہ میرے پاس رمضان المبارک میں دن کے وقت ملاقات کے لیے آئیں تو کیا میں ان کی خاطر وتواضع کر سکتا ہوں یا نہیں ؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب : اسلام نے مہمان کی خاطر مدارات کے لیے نفلی روزہ تک توڑ دینے کی گنجائش رکھی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مہمان کی خاطر وتواضع کے لیے نفلی روزہ توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اس روزہ کی قضاء کرنا ضروری ہے، جب غیر رمضان میں مہمان کی خاطر نفلی روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تو پھر رمضان المبارک میں ایسا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم آپ کے لئے مہمان کی خاطر رمضان کا روزہ توڑنا جائز نہیں۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ : کسی کے گھر مہمان گئی یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی برا ہوگا، دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

(بہشتی زیور ص۲۰۴ کتاب الصوم)

عاشورہ کے دن قضاءِ رمضان کا حکم

سوال :۔ جنابِ محترم مفتی صاحب ! یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کو قضاءِ رمضان کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر کوئی رکھے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ فقہ حنفی کی روشنی میں مسئلے کا حل بیان فرمائیں ؟

الجواب :۔ اسلام نے سال بھر میں صرف پانچ دن[1] روزہ رکھنے کو موجبِ گناہ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ باقی ایام میں جس دن چاہے قضاءِ رمضان کا روزہ رکھا جا سکتا ہے ایسا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ : لو نوی قضاء رمضان والتطوع کان من القضاء۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم)

---

[1] ان پانچ دنوں کی تفصیل یہ ہے : عید الفطر کا دن، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! میری والدہ صاحبہ کئی برسوں سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ رہی ہیں، کیا قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کوئی فضیلت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے۔

عن عائشۃ رضؓ قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صوم الاثنین والخمیس۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۵۸ باب ماجاء فی صوم الاثنین والخمیس) لـہ

پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم

سوال :- جناب محترم مفتی صاحب! ۱۵ شعبان کے روزے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز اس روزے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب روزوں میں ۱۵ شعبان (شبِ برات) کا روزہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کا روزہ رکھنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔

لما فی الھندیۃ: المرغوبات من الصیام انواع اولھا صوم المحرم والثانی صوم رجب والثالث صوم شعبان۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۲) ٢ـہ

لـہ عن حفصۃ رضؓ قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم ثلٰثۃ ایام من الشھر الاثنین والخمیس والاثنین من الجمعۃ الاخرٰی۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۳۲ باب من قال الاثنین والخمیس)

وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۹ کتاب الصوم، باب صیام التطوع۔

٢ـہ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: شبِ برات کی پندرھویں اور عید الفطر کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے۔
(بہشتی زیور حصہ۳ ص۲۰۴ کتاب الصوم)

مروّجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ رمضان المبارک میں بعض سیاسی لوگ ایک دوسرے کو افطار پارٹیوں میں مدعو کرتے ہیں جن میں عموماً کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شرعاً اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر مروجہ افطار پارٹیوں میں چونکہ اکثر کبائر کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ ارتکابِ گناہ سے بچا جاسکے۔

لما قال علیہ السلام: من فطر صائماً کان له مغفرته لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شئ۔

(مشکوٰۃ ص۱۷۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث) [۱]

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال:۔ ماہ رمضان میں اگر کسی دن آسمان پر بادل ہوں اور سورج غروب ہونے کا صحیح اندازہ نہ ہوسکتا ہو تو ایسے میں روزہ افطار کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستحب تو یہ ہے کہ جیسے سورج ہو فوراً روزہ افطار کرلیا جائے، اور اگر مطلع صاف نہ ہو، یا آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو پھر روزہ افطار کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ سورج ہونے یا نہ ہونے کا شک ختم ہوجائے۔ اور آجکل تو ویسے بھی تقریباً ہر آدمی کے پاس گھڑی ہوتی ہے اس کے حساب سے سورج ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد روزہ افطار کرلینا چاہیئے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ، ولو شك فی غروب الشمس لایحل له الفطر۔

(الهدایة ج ۱ ص۱۸۷ کتاب الصوم) [۲]

---

[۱] لقوله علیه السلام، من فطر صائماً فله مثل اجره۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص۳۲۷ کتاب الصوم، باب فیمن فطر صائماً)

[۲] لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ، جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ رہے تب تک (روزہ) افطار کرنا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۰۹ کتاب الصوم)

روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم

سوال:۔ افطاری کتنے منٹ تک ہونی چاہیئے؟ بعض لوگ افطاری کے وقت پورا کھانا کھاتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ افطاری کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں، ضروری امر یہ ہے کہ مغرب کی نماز ادا کی جائے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مختصر افطاری کر کے پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے۔ تاہم اگر پورا کھانا کھانے کے بعد نماز وقت پر ادا کی جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! رمضان المبارک کے روزوں کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اپنی مادری زبان میں کرنا بھی صحیح ہے؟

الجواب:۔ نیت کا تعلق دل سے ہے، نفسِ ارادہ کرنے سے روزہ صحیح ہوجاتا ہے، تاہم زبان سے نیت پر تلفظ کرنا بہتر ہے چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں دونوں طرح سے صحیح ہے۔

لمافی الهندية، والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا في الخلاصة و محيط السرخسي والسنة ان يتلفظ بها كذا في النهر الفائق۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۹۵ كتاب الصوم۔ الباب الاول فى تعريفه)[۱]

جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا

سوال:۔ ایک آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا، زمینی وقت کے لحاظ سے سورج غروب ہوچکا تھا مگر جہاز کی بلندی کی وجہ سے ابھی تک سورج اُفق پر چمکتا نظر آرہا تھا، تو کیا یہ آدمی زمینی وقت کے لحاظ سے روزہ افطار کرے یا حالتِ سفر

---

[۱] قال العلامة المفتى عبد الرحيمؒ: روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔
فتاویٰ رحیمیہ ج۸ ص۲۶۳ کتاب الصوم

میں جب سورج غروب ہو تب افطار کرے؟

الجواب:۔ قاعدہ یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اُس مقام کا وقت معتبر ہوگا جہاں پر آدمی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ شخص جہاز میں ہے اس لیے جب اس حالت میں سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: المراد بالغروب زمان غیبوبۃ جرم الشمس بحیث تظھر الظلمۃ فی جھۃ الشرق۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۸۸ کتاب الصوم) [1]

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی سالوں سے بندہ عید الفطر کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ رہا ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور یہ احناف کا مذہب ہے، اس نے ایک رسالہ بھی مجھے دیا ہے جو اسی موضوع پر لکھا ہوا ہے، اپنے دوست کی باتیں سنکر اور رسالہ دیکھ کر سخت اُلجھن کا شکار ہوں، مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ اس لیے فقہاء احناف کی تقریباً ہر کتاب میں ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جہاں تک کراہت کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے ایک شاذ قول مروی ہے، احناف کا مذہب نہیں، ورنہ فقہاء کرام اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کر کے مفتیٰ بہ قرار دیتے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ومنه ایضاً صوم ستۃ من شوال عند ابی حنیفۃ متفرقاً کان او متتابعاً وعن ابی یوسف کراھتہ متتابعاً لا متفرقاً لکن عامۃ المتاخرین لم یروا به بأساً۔ وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولم یروا به بأساً) قد سرد عبارتھم العلامۃ قاسم فی فتاواه ورد قول من صحح الکراھۃ فراجعه۔

(البحر الرائق ومنحۃ الخالق ج۲ ص۲۵۸ کتاب الصوم)

---

[1] قال الشیخ السیّد احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله وھو الیوم) أی ھو من اوّل زمان الصبح الصادق الی المغرب ای زمان غیبوبۃ تمام جرم الشمس بحیث تظھر الظلمۃ فی جھۃ المشرق۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۶)

باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسد

(کن کن اشیاء سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں)

مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ بیوی کے ساتھ لمس وتقبیل یا ملاعبہ کرتے وقت اگر کبھی پانی نکل جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر پیشاب کے ساتھ کچھ قطرے گر جائیں تو روزہ پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

الجواب:۔ لمس وتقبیل کی صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ کر قضاء واجب ہے اور کفارہ نہیں، البتہ کسی کمزوری کی وجہ سے پیشاب کرتے وقت کچھ قطرے گریں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال فی الھندیة:۔ واذا قبّل امرأته وانزل فسد صومه من غیر کفارة — ایضاً فی الھندیه ولذا لا یفطر بالفکر اذا امنی ھکذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد) [1]

خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا چکھنا

سوال:۔ روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لیے پکی ہوئی اشیاء کا چکھنا کیسا ہے، کیا یہ عمل روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسدِ صوم بھی بن جاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو

---

[1] قال محمد بن عبد اللہؒ:۔ اووطی امراته میتة) او بھیمة او فخذا او بطنا او قبل) او لمس) فانزل قید للکل حتی لم ینزل لم یفطر کما مر۔ قال محمد بن عبد اللہؒ: (او قبل ولم ینزل) او احتلم او انزل بنظر او بفکر۔ الخ
(شامی ج ۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده۔

اس سے مار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لیے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال قاضی خان رحمه الله :- اذا کان الزوج سیٔ الخلق لا بأس للمرأة ان تذوق المرقة بلسانها- (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۹۸ کتاب الصوم) ؎۱

سوال:- حالتِ حمل میں اگر عورت کو کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا

الجواب:- مفسداتِ صوم میں سے ایک مفسد حیض ونفاس کا آجانا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:- ان الدم الذی یخرج عند خروج اکثر الولد هو دم نفاس کالدم الذی یخرج عقب خروجه اما الدم الذی یخرج بخروج اقل الولد او قبله فهو فساد ولا تعتبر نفساء ویفعل ما یفعله الطاهرات۔

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص۱۳۱ باب الحیض) ؎۲

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:- ان کان زوجها سیٔ الخلق بذی اللسان یضایقها فی ملوحة الطعام فلا بأس به- (فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۸۰ کتاب الصوم الفصل السادس فی الاسباب المبیحة)

وَمِثْلُهٗ فی شامی ج ۲ ص۴۱۶ کتاب الصوم مطلب فیما یکره للصائم۔

؎۲ قال کمال الدینؒ:- لما کان الحیض اکثر وقوعاً قدمه ثم اعقبه الاستحاضة لانها اکثر وقوعاً من النفاس باعتبار کثرة اسبابها فانها تکون مستحاضة بما رأت الدم حالة الحبل او زاد الدم علی عشرة او زاد علی معروضها وجاوز العشرة او رأت مادون الثلاث او رأت قبل تمام الطهر او رأت قبل أن تبلغ تسع سنین علی ما علیه العامة بخلاف النفاس فان سببه شئ واحد وقدم حکم المستحاضة ومن بمعناها علی تعریفهما لان المقصود بیان الحکم- قال برهان الدینؒ: یتوضئون لوقت کل صلوٰة- (العنایة علی هامش فتح القدیر ج ۱ ص۱۵۹ باب الحیض)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۱۵ باب الحیض۔

روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے **سوال:** افطار میں احتیاط کے لیے تاخیر کرنے کا شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے ؟

الجواب: غروبِ آفتاب قطعی اور بدیہی امر ہے اس کے بعد غلبۂ ظن اور احتیاط کا دعویٰ کرنا بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ از روئے شرع روزہ افطار کرنے میں تعجیل افضل ہے ۔

قال عالم بن العلاءؒ :۔ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم ۔

(فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۸۱ کتاب الصوم، الفصل السادس فی الاسباب المبیحة) لہ

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم **سوال:** کئی عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لیے مانعِ حیض ادویات استعمال کرتی ہیں، کیا از روئے شرع عورت کے لیے یہ اقدام مرخص ہے یا نہیں، نیز شرعی احکام پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں ؟

الجواب: عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطرتی امر ہے اس لیے شریعتِ مطہرہ نے ان ایّام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمّہ داری اس سے اٹھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طِبّ میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے، یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے، تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا ۔

قال عالم بن العلاءؒ :۔ وشرط صحة الاداء وهو الوقت القابل وهو الیوم المتعرّی عن الاکل والشرب وطهارة المؤدیین من الحیض والنفاس ۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۵۴ کتاب الصوم) ۲ہ

لہ قال طاهر بن احمدؒ :۔ ویستحب للصّائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم ۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۶۶ کتاب الصوم۔ الفصل الخامس فی الحظر والاباحة)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۶۲ کتاب الصوم ۔

۲ہ قال طاهر ابن احمد بن عبد الرشیدؒ :۔ اعلم بان الصوم هو الکف عن المفطرات شرعًا فی وقته بنیة یشترط من اهله واهله العاقل البالغ المسلم وفی المرأة الطهارة من الحیض والنفاس ۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی المقدمة)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۹ کتاب الصوم ۔

زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا بچھو اور بھڑ کے کاٹنے سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں جبکہ ایسی حالت میں عموماً کاٹنے والے بچھو وغیرہ کا زہر روزہ دار کے بدن میں داخل ہوجاتا ہے؟

الجواب:۔ کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسدِ صوم تب بنتا ہے کہ وہ چیز جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں بطریقِ منفذ (نالی کے ذریعے) داخل ہو، اگر وہ چیز بصورتِ ترشح (بذریعہ پسینہ) جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسدِ صوم نہیں، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں زہر چونکہ معدہ میں بصورتِ ترشح پہنچ جاتا ہے اس لیے مفسدِ صوم نہیں۔

لما قال العلامہ برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ولو اکتحل لم یفطر لانہٗ لیس بین العین والدماغ منفذ والدمع یترشح کالعرق والداخل من المسام لا ینافی کما لو اغتسل بالماء البارد۔ (الهدایة ج ا صـ۱۹۷ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارہ) ؎

بدنگاہی سے انزال مفطرِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی حسین عورت کو دیکھنے سے شہوت کا شکار ہوکر اگر روزہ دار کا انزال ہوجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ انزال سے فسادِ صوم کے لیے جماعِ حقیقی یا معنوی کا ہونا ضروری ہے، چونکہ شہوانی نظر سے انزال میں دونوں کا فقدان ہے اس لیے فقہاء کرام نے عدمِ افطار کا فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن الهمام رحمہ اللہ:۔ اذا نظر الیٰ امرأۃ بشهوۃ الیٰ وجهها او فرجها کرر النظر او لا یفطر اذا انزل لما بینا انہٗ لم توجد صورۃ الجماع ولا معناہ وهو الانزال

؎ قال العلامة عبد اللہ بن محمود بن مودود الموصلیؒ:۔ واما الاقطار فی الاحلیل فعندهما لا یفطر۔ وقال ابو یوسفؒ: یفطر بناءً علیٰ ان بینہ وبین الجوف منفذ بدلیل الخروج البول والاصح انّ لیس بینهما منفذ بل البول یترشح الی المثانة ثم یخرج وما یخرج رشحا لا یعود رشحا فلا یصل۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ا صـ۱۳۳ کتاب الصوم فصل فی وجوب الکفارۃ والقضاء الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ صـ۲۶۹ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ۔

عن مباشرۃ وھو حجۃ علی مالك فی قولہ اذا کررہ فانزل افطر۔

(فتح القدیر ج ۲ ص۲۵۶ کتاب الصوم۔ باب مایوجب القضاء والکفارۃ) لـہ

منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے وقت یا بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہتا۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وفی المحیط یجوز ان یقال لا بأس بہ کی لا یغبن والمضغ بعذر بان لم تجد المرأۃ من یمضغ لصبیہا الطعام من حائض اونفساء اوغیرھما ممن لا یصوم ولم تجد طبیخاً ولا لبناً حلیباً لا بأس بہ للضرورۃ الا تری انہ یجوز لہا الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولیٰ واطلق فی الصوم فشمل الفرض والنفل۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۰ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد) ۲ـہ

ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان کے دوران سفر کرکے کسی ایسے ملک چلا جائے جہاں چاند کی رؤیت مقدم ہونے کی بناء پر اس کے تیس ۳۰ روزے پورے نہ ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا روزہ کی تعداد میں موجودہ ملک کا

لـہ لما قال العلامۃ بدرالدین العینیؒ: وکذا لا یفطر اذا نظر الیٰ امرأۃ فامنیٰ ای انزل المنی لما بینا وھو قولہ لانہ لم یوجد صورۃ الجماع ولا معناہ تمّ انہ سواء اذا نظر الیٰ وجہہا اوفرجہا بخلاف حرمۃ المصاھرۃ فانہا فثبت بالنظر الیٰ فرجہا۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج ۲ ص۲۸۴ باب مایوجب القضاء والکفارۃ)

ومِثْلُہٗ فی طحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان مالا یفسد الصوم۔

۲ـہ قال العلامۃ محمد عبدالحیؒ:۔ ودخول شئی فی فمہ فانہ لو دخل شئی من الخارج فی فمہ لا یفسد صومہ مالم یدخل فی حلقہ وھذا آیۃ کونہ خارجاً فانہ لو کان داخلاً لفسد صومہ فی ھذہ الصورۃ لان دخول شئی من الخارج الی الداخل مفسد لہ۔ (السعایۃ ج ۱ ص۲۷۸ کتاب الطہارۃ وفرض الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی الشامی ج ۲ ص۴۱۶ کتاب الصوم۔ مطلب فیما یکرہ للصائم۔

اعتبار ہوگا جہاں پر مثلاً ۲۹ روزے ہوں یا اپنے علاقے کا اعتبار ہوگا جہاں پر ۳۰ روزے پورے ہوئے ہوں ؟

الجواب:۔ جہاں تک عید منانے کا حکم ہے تو یہ موجودہ ملک کا تابع ہے لیکن روزہ کی تعداد میں اس ملک کا اعتبار ہے جہاں پر اس شخص نے ابتدائی روزہ رکھا ہے، اور اگر اس ملک کی حالت معلوم نہ ہو تو پھر از روئے احتیاط تیس روزے پورے کرے بشرطیکہ اس کے روزے پورے نہ ہوئے ہوں۔

قال فی الهندیة: اذا صام اهل مصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین کذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیة الهلال) لـه

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں

سوال:۔ اگر رمضان میں اگر رمضان میں فصل پک جائے اور رمضان کے گزرنے کا انتظار کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے، تو فصل کی کٹائی کے لیے روزہ نہ رکھنے کا شرعًا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں فصل کی کٹائی کے لیے جدید ترین طریقے موجود ہیں مثلاً ہارویسٹر مشین وغیرہ، البتہ اگر خود کٹائی کی طاقت نہ ہو تو اُجرت پر بھی کٹائی ممکن ہے، اس لیے فصل کی کٹائی روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر شرعی نہیں۔

قال ابن نجیم رحمه الله:۔ وفی القنیة لایجوز للخباز ان یخبز خبزًا یوصله الی ضعف مبیح للفطر بل یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف الباقی لـه لا یکفیه اجرته او ربحه

لـه قال عالم بن العلاء رحمه الله :۔ اذا صام اهل المصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هٰذا الرجل ماصنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین۔

(فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۵۴ کتاب الصوم۔ رؤیة الهلال)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۶۴ کتاب الصوم ویثبت رمضان۔ الخ

فقال ھوکاذبٌ وھو باطل باقصر ایّام الشتاء۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۸۲ باب مایفسد الصوم ومالایفسد) [1]

قاضی کے لیے مسندِ قضاء روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں

سوال:- اگر کوئی قاضی مسندِ قضاء میں ایسی حالت سے دوچار ہوکر فیصلہ کرتے وقت، روزہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہو تو کیا اس کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ کوئی ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس سے روزے کا افطار مرخص ہو، اس لیے اس پر روزہ واجب ہے۔

قال فی الھندیۃ: شرط وجوبہ الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۵ کتاب الصوم، الباب الاوّل تعریفہ الخ) [2]

روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں

سوال:- روزہ میں انجکشن لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا رگ والے اور دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مطلق کسی چیز یا اس کے اثرات کا

---

[1] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:- سألت اباحامد عن خبازٍ یخبز فی شھر رمضان ویضعف فی آخر النھار ھل یجوز لہ ان یعمل ھٰذا العمل فقال لا یجوز لہ بان یعمل ما یوصلہ الیٰ ھٰذا النوع من الضعف ولٰکن یخبز نصف النھار ویستریح فی النصف الباقی قیل لہ: اذا کان لا یکفیہ ما یاخذ فی نصف النھار، فقال ھوکاذبٌ فإن ایّام الشتاء اقصر الایّام فما یفعل فی تلک الایّام یفعلہ الیوم۔

(فتاوٰی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم، الفصل السابع الاسباب المبیحۃ للفطر)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم، فصل فی فساد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ: شرط نفس الوجوب وھو الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء وھو الصحۃ والاقامۃ وشرط صحۃ الاداء وھو الوقت القابل۔

(فتاوٰی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم، الفصل الثانی فی المقدمۃ۔

بدن تک پہنچنا مفطرِ صوم نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفطرِ صوم ہے جب معتاد ذرائع سے بدن میں داخل ہو کر پیٹ یا دماغ تک پہنچے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں انجکشن کے اثرات معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتے بلکہ یہ رگوں میں حلول کرکے بدن کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسلیئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ یہ علت ہر قسم کے انجکشن میں موجود ہے اس لیے کسی بھی انجکشن (خواہ رگ والا ہو یا عام) سے روزہ متاثر نہیں ہوتا جیساکہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے برودت کا پہنچنا مفطرِ صوم نہیں تاہم حتی الامکان روزہ کی حالت میں رگ والے انجکشن سے اجتناب کیا جائے۔

قال فی الهندية: ومن اغتسل فی ماء وجد بردة فی باطنه لا يفطر۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فيما يفسد)

قال ابن نجيمؒ: وفی التحقق ان بين الجوفين منفذا اصليا فما وصل الی جوف الرأس يصل الی جوف البطن۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۹ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد) لہ

روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا

سوال:۔ کیا روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم اس عمل سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ اس سے روزہ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔

قال المرغینانیؒ: ولا بأس بالقبلة اذا امن علی نفسه ای الجماع او الانزال ویکره اذا لم يأمن۔ (الهداية ج۲ ص۱۹۹ کتاب الصوم۔ باب ما يوجب القضاء والکفارة) لہ

دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات

سوال:۔ تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کیلئے دانت نکلوانا شرعاً

لہ قال اکمل الدين محمد بن محمودؒ:۔ اذا علم ان الدواء اليابس وصل الی جوفه الی جوفه لم يفسد صومه عنده الا انه ذکر الرطب واليابس بناءً علی العادة۔
(العناية علی هامش فتح القدير ج۲ ص۲۶۶ باب ما يوجب القضاء والکفارة)

ومثلهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فيما يفسد الخ۔

لہ قال محمد بن عبد اللهؒ:۔ (او قبل) ولم ينزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الی فرجها مراراً (او بفکر) وان طال مجمع۔ (شامی ج۲ ص۳۹۵، ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما يفسد الصوم)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد۔

کیسا ہے؟ اگر دانت نکالتے وقت یا بعد میں خون نکل آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معالجہ کی صورت میں دانت نکلوانا جائز ہے، البتہ دانت نکالتے وقت یا ویسے منہ سے خون بہہ جائے اور نگل لیا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ اذا خرج من الاسنان ودخل الحلق ان کانت الغلبة للبذاق لا یفسد صومه وان کانت للدم فسد۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) ۱؎

قے کا بلا قصد آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ روزہ دار کو اگر قے آجائے اور اس کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو اس کے روزے کی صحت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قے کا خود بخود آجانا فسادِ صوم کا سبب نہیں، البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد حصہ خوراک لوٹا دی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ بلا قصد قے کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ۔ وان ذرعه القیئ وخرج) ولم یعد (لا یفطر مطلقاً) ملأ اولا (فان عاد) بلا صنعه (و) لو هو ملءُ الفم مع تذکره للصوم (لا یفسد) قال ابن عابدینؒ: ان کان ملءُ الفم واعاده او شیئاً منه قدر الحمصة فصاعداً افطر اجماعاً لانه خارج ادخله جوفه ولوجود الصنع۔ (شامی ج ۲ ص ۴۱۴ کتاب الصوم۔ باب مطلب فی الکفارة) ۲؎

۱؎ قال العلامة الحصکفیؒ: (او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه) یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۶۹ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

۲؎ قال ابن الهمام رحمه الله:۔ والکل اما ان خرج او عاد او اعاده فان ذرعه وخرج لا یفطر قل او کثر لاطلاق ما روینا وان عاد بنفسه وهو ذاکر للصوم ان کان ملءَ الفم فسد صومه عند ابی یوسفؒ لانه خارج شرعاً حتی انتقضت به الطهارة وقد دخل وعند محمد لا یفسد وهو الصحیح الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ اگر روزہ دار کسی تالاب یا حوض میں غوطہ لگائے، اس طرح اس کا روزہ کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اگر منہ میں پانی داخل نہ ہو بلکہ کان میں پانی یا بدن میں برودت (ٹھنڈک) کا احساس ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر پانی بدن میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا تاہم ایسے عمل سے اجتناب مناسب ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو اغتسل۔ وفی الفتاوٰی العنابیۃ او خاض الماء فدخل الماء أُذُنَه لا یفسد صومه بلا خلاف۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۶۴ کتاب الصوم الفصل الثالث ما یفسد الصوم الخ) لہ

روزہ کی حالت میں احتلام ہوجانے کا حکم

سوال:۔ روزہ دار کو اگر احتلام ہو جائے تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احتلام ہو جانا ایسا عمل نہیں جو روزے کے منافی ہو، اس لیے روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال برهان الدین رحمه الله:۔ فان نام فاحتلم لم یفطر لقوله صلی الله علیه وعلی اٰله وسلم ثلث لا یفطرن الصیام القیٔ والحجامة والاحتلام۔ الخ (الهدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم) ۲ے

روزہ میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کس درجہ کا انتفاع شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ طرفین کے امن کی صورت میں لمس وتقبیل اور بوس وکنار میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔

قال محمد رحمه الله:۔ (و) کره (قبلة) ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة

لہ قال ابن نجیم المصریؒ:۔ ان خاض الماء فدخل أُذُنَه لا یفسد۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده

۲ے قال العلامة الحصکفیؒ:۔ او احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجها مرارا او بفکر ..... لم یفطر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)
وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده۔

(ان لم یأمن) المفسد وان امن لا بأس۔ (فتاوی شامی ص۴۱۷ ج۲ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم) لے

روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر روزے کے منافی کام کا ارتکاب کرے تو اس سے روزہ کی حقیقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ روزہ تب فاسد ہوتا ہے جب روزہ کے منافی کوئی کام دیدہ دانستہ کیا جائے محض بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزیریؒ:۔ اما النسیان فانہ لا یفسد الصیام اصلاً فلا یجب بہ قضاءٌ ولا کفارۃ۔ (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج۱ ص۵۶۵ باب ما یوجب القضاء ودون الکفارۃ ...الخ) ۲ے

حوض میں غسل کرتے وقت خروجِ ریح مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی تالاب میں نہاتے وقت اگر ہوا خارج ہوجائے اور استرخاء کی وجہ سے پانی اندر جانے کا احتمال پیدا ہوجائے تو کیا صرف اس احتمال کی وجہ سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ محض استرخاء مفاصل کی وجہ سے پانی کے اندر جانے کے احتمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تاہم مکروہ ہونے کی وجہ سے اجتناب ضروری ہے۔

قال فی الھندیۃ: ولو فسا الصائم او ضرط فی الماء لا یفسد الصوم ویکرہ لہٗ ذٰلک ھٰکذا فی معراج الدرایۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم الباب الثالث فیما یکرہ للصائم) ۳ے

لے ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ۔

۲ے قال برھان الدین رحمہ اللہ: اذا اکل الصائم او شرب او جامع ناسیًا لم یفطر۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۲ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد۔ الخ

۳ے قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ ولا صائم سبعۃ اشیاء: (قولہ ذوق شئ) مثلہ مثلہٗ فساءہ او ضراطہ فی الماء۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۵۵۹ کتاب الصوم)

نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ کیا نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

الجواب:۔ نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں' اسلئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ اختلفوا فی معنی التغذی قال بعضهم ان یمیل الطبع الی اکله وتنقضی شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما یعود نفعه الی صلاح البدن وفائدته فیما اذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها۔ فصل الثانی یکفر لا علی الاول وبالعکس فی الحشیشة لانه لا نفع فیها للبدن وربما تنقص عقله ویمیل الیها الطبع وتنقضی بها شهوة البطن۔

(رد المحتار ج ۲ ص۴۱۲ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم) ؎۱

بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ بندوق کی گولی پیٹ میں لگنے سے روزہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگ کر باہر نکل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہو گا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامۃ شمس الدینؒ:۔ ولو طعن برمح حتی وصل الی جوفه لم یفطره لان کون الرمح بید الطاعن من یمنع وصوله الی باطنه حکماً فان بقی الزج فی جوفه فسد صومه (المبسوط للسرخسی ج ۳ ص۹۸) ؎۲

؎۱ قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علیؒ: قوله ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارة علیه ذکره بلفظ الابتلاع لان المضغ لا یتأتی فیه وانما افطر لوجود صورة الفطر ولا کفارة علیه لعدم المعنی وهو قضاء شهوة البطن۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۷۱ فصل فیما یفسد الصوم)

ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳٦۱ باب فی بیان مالایفسد الصوم۔

؎۲ قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ ولو طعن برمح فوصل الی جوفه ثم نزاعه لا تفسد صومه ولو بقی الرمح فی جوفه اختلف المشائخ والصحیح انه لایفسد صومه هذا فی نسخة الامام فخر الدین وفی التجرید یفسد۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)

ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص۲٦٦ باب مایوجب القضاء والکفارة۔

رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے | **سوال:۔** اگر عورت کسی بیماری کی وجہ سے رحم میں بطورِ علاج دوائی رکھے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علاج کے طور پر رحم میں دوائی رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے علاج ممکن نہ ہو، تاہم جب دوائی روزہ کی حالت میں اندر رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ فرج کے بیرونی حصہ پر دوائی لگانا فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ وتكلم المشائخ في الافطار في اقبال النساء منهم من قال على الخلاف ومنهم من قال تفسد بلاخوف وهو الصحيح۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۳ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الصوم)[1]

روزہ دار کیلئے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا | **سوال:۔** روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹوتھ پیسٹ میں معجون کا ذائقہ چکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دوائی کا حلق سے نیچے اُترنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور اگر حلق سے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال قاضی خانؒ:۔ وكذا اذا ذاقت شيئاً بلسانها لان فيه تعريض الصوم للفساد۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۹۷ الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالا يكره)[2]

بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا | **سوال:۔** کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ اگر روزہ کی حالت میں نظر بے جا استعمال ہو تو اس سے

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ وتكلم المشائخ في الافطار في اقبال النساء منهم من قال هو على هذا الاختلاف، ومنهم من قال: يفسد الصوم بلاخلاف كالحقنة وهو الصحيح۔
(فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۵ كتاب الصوم الفصل الرابع مايفسد الخ)
وَمِثْلُهٗ في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۴۷ باب مايفسد الصوم۔

[2] قال ابن الهمامؒ:۔ (قوله لما بينا) من انه تعريض للصوم على الفساد اذ قد يسبق شئ منه الى الحلق فان من حام حول الحمى يوشك ان يقع فيه۔
(فتح القدير ج۲ ص۲۶۸ باب مايوجب القضاء والكفارة)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۲۸۰ باب مايفسد ومالا يفسد۔

روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں نظر کی حفاظت بھی ایک ضروری امر ہے، نظر میں بے احتیاطی سے روزہ کی حقیقت لازمی طور پر متاثر ہوتی ہے لیکن اس سے فسادِ صوم لازم نہیں آتا۔

قال ابن نجیمؒ: لان عینه لیس بمفطر۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسده)[1]

دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے دانتوں سے ہر وقت خون آتا رہتا ہے تو کیا اس سے میرے روزوں پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ دانتوں سے صرف خون کا نکل آنا مفسدِ صوم نہیں بلکہ اس میں قدرِ تفصیل ہے کہ اگر خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر خون تھوک پر غالب ہو یا مساوی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

وفی الهندیة: الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقه ان کانت الغلبة للبزاق لایضرہ وان کانت للغلبة للدم یفسد صومه وان کان سواءً افسد ایضاً استحساناً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد)[2]

---

[1] قال العلامة فخر الدینؒ:۔ واما اذا انزل بنظر فلعدم المباشرۃ ولنا ان النظر مقصور علیه متصل بها فصار کالانزال بالتفکر۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۷ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والّا لا الّا اذا وجد طعمه بزازیة۔
{ الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۹٦
کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده }
وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۹۸ کتاب الصوم، الثالث فیما یفسده ومالا یفسده۔

اِنہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال :- جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں طب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے، خاص کر دمہ جیسی خطرناک بیماری کے علاج میں اِنہیلر (ایک خاص قسم کی گیس) کامیاب ایجاد ہے جسے دمہ کے مریض بوقتِ ضرورت سانس کی رکاوٹ ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا استعمال روزے پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب :- مذکورہ اِنہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال :- اگر کسی کی آنکھوں میں بہت سخت تکلیف ہو تو کیا وہ روزہ کی حالت میں دوائی استعمال کرسکتا ہے؟ جبکہ دوائی ڈالنے کے بعد اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے؟

الجواب :- اسلام نے حالتِ اضطرار یعنی انتہائی تکلیف کے وقت رمضان کا روزہ افطار کرنے کی گنجائش بھی دی ہے کہ حاذق اور مسلمان طبیب کے مشورہ سے روزہ توڑ دیا جائے، البتہ آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا، اس لیے اگر تکلیف کے وقت روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اس عمل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ اس دوائی کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو۔

لما فی الهندیة : لو اقطر شیئاً من الدواء فی عینیه لایفطر صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۳ کتاب الصوم، باب مالایفسد الصوم) [1]

---

[1] لما قال العلامة الحصکفیؒ : او ادهن او اکتحل او ... وان وجد طعمه فی ...... لم یفطر حلقه۔ قال ابن عابدینؒ : قوله ان وجد طعمه فی حلقه ای طعم الکحل او الدهن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونه فی الاصح۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۵ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم الخ)

روزہ کی حالت میں بار بار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم

سوال:۔ اگر رمضان کے روزے سخت گرمی کے موسم میں آجائیں تو کیا روزہ دار آدمی گرمی کی شدت کی وجہ سے بار بار غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شدتِ حرارت (سخت گرمی) کی وجہ سے حالتِ صوم میں بار بار غسل کرنا یا بار بار سر دھونا بشرطیکہ پانی کے قطرات پانی کے قطرات حلق میں نہ جائیں، جائز اور مرخص ہے، ایسا کرنے سے روزے پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔

عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الناس فی سفرہ عام الفتح بالفطر وقال تقووا لعدوکم وصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابوبکر قال الذی حدثنی لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علیٰ رأسہ الماء وھو صائم من العطش اومن الحر۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۲۲ باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ بغلگیر ہو کر سو جائے اور دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہو، تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا یا بغلگیر ہو کر سو جانا ممنوع نہیں بشرطیکہ اپنے اوپر پوری قدرت ہو اور اگر قدرت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تاکہ کسی محظور میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں، البتہ دونوں میں سے جس کا بھی انزال ہو جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شد روزہ فاسد شود و الا فاسد نہ شود۔

(مالا بد منہ ص۹۷ کتاب الصوم)

باب القضاء والکفّارۃ

(قضاء اور کفّارہ کے احکام ومسائل)

سفر پر روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم

سوال:۔ کیا سفر کا ارادہ کرنے والے کے لیے روانگی سے پہلے گھر میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں گھر میں کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضاء لازم ہے یا کفارہ واجب ہے؟

الجواب:۔ سفر پر نکلنے سے قبل افطار مرخص نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی شخص نے گھر میں کھانا کھایا اور پھر سفر پر روانہ ہُوا تو اس پر کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہیں، سفر کا ارادہ کفارہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر خروج کے بعد روزہ افطار کیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

لما قال الشیخ ابو اللیث السمرقندیؒ:۔ ولو افطر ثم سافر فعلیہ الکفارۃ۔
(فتاوٰی نوازل ص۹۹ کتاب الصوم۔ فصل فیما یفسد الصوم) [1]

قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان المبارک کی عظمت اور تقدس میں شک ڈال کر قصداً وعمداً روزہ نہ رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے روزہ کو قصداً وعمداً توڑنے سے قضاء وکفارہ دونوں لازم ہوجاتے ہیں۔ شریعتِ مقدسہ نے کفارہ میں اوّلاً غلام آزاد کرنا مقرر کیا ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا صدقہ کی مقدار کے برابر ہر مسکین کو غلّہ یا رقم دے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ قضاء کا روزہ اس کے علاوہ ہے جس کا رکھنا تینوں صورتوں میں ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولو اکل اوشرب مایتغذی بہ اویتداوی

---

[1] لما قال العلامۃ محمد کامل الطرابلسیؒ: ان سافر بعد طلوع الفجر لایفطر ذلک الیوم لانہ لزمہ صومہ وھو مقیم فلا یبطلہ باختیارہ فان افطر قبل الخروج فعلیہ القضاء والکفارۃ بخلاف مالو افطر بعد الخروج فعلیہ القضاء دون والکفارۃ۔ (الفتاوٰی الکاملیۃ ص۱۶ کتاب الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم۔ الاسباب المبیحہ للفطر۔

بہٖ فعلیہ القضاء والکفّارۃ .... وکفارۃ الظہار۔ قال العلامۃ بدر الدین العینیؒ: تحت قولہ مثل کفارۃ الظہار ای الکفارۃ التی تجب بالوقاع مثل کفارۃ الظہار وھی عتق رقبۃ فان لم یجد فصیام شہرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً لکل مسکین نصف صاع من بر او صاع من تمر۔ الخ (البنایۃ شرح الھدایۃ ج۴ ص۳۰۰ باب ماتوجب القضاء والکفارۃ) لے

رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجب کفارہ وقضاء ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرے اور اس عمل پر نادم بھی ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا عورت پر بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے مقدّس مہینے میں دن کے وقت جماع کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے جس کے بدلے میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہیں، ایسے عمل پر اگر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو دونوں پر کفّارہ وقضاء واجب ہے ورنہ بیوی کو مجبور کرنے کی صورت میں بیوی پر صرف قضاء اور خاوند پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

قال طاہر بن احمدؒ:۔ اذا جامع امرأتہ متعمّداً فی نہار رمضان فعلیہ القضاء والکفارۃ اذا توارت الحشفۃ انزل اولم انزل۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ۲ے

لے لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ:۔ ان جامع فی رمضان اداء اوجومع فی احد السبیلین او اکل اوشرب غذاء اودواء عمداً او احتجم فظن فطرہ بہ فاکل عمداً اقضی وکفر ککفارۃ المظاھر۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ ککفارۃ المظاھر مرتبط بقولہ وکفر ای مثلہا فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد صام شہرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً۔
(رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفّارۃ ومایسقطہا عن الذمۃ بعد الوجوب)

۲ے قال برھان الدینؒ:۔ ومن جامع فی احد السبیلین عامداً فعلیہ القضاء استدراکاً للمصلحۃ الفائتۃ والکفّارۃ لتکامل الجنایۃ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم فصل رکنہ۔

کفارہ سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے خواہشات سے مجبور ہو کر بیوی سے جماع کا ارادہ کیا لیکن رمضان میں کفارہ کے وجوب کا ڈر بھی تھا، کفارہ سے بچنے کے لیے اس نے یہ حیلہ سوچا کہ پہلے منہ میں کاغذ رکھوں تاکہ روزہ ٹوٹ جائے، چنانچہ روزہ ٹوٹ جانے کے بعد اُس نے بیوی سے جماع کیا، کیا اس شخص پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کاغذ منہ میں رکھ کر نگل لیا ہو تو حیلہ کارآمد ہو کر روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء واجب ہے اور جماع کرنے پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ جماع کے وقت اس کا روزہ نہیں تھا تاہم گناہ ضرور ہے، البتہ اگر کاغذ منہ میں رکھا ہوا ہو حلق سے نیچے نہیں اُترا ہو تو پھر حیلہ بے سود ہو کر قضاء و کفارہ دونوں واجب رہیں گے، کیونکہ صرف منہ میں کاغذ رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ ولو اكل حصاة او نواة او حجرا او مدرا فعليه القضاء ولا كفارة وكذا لو اكل القطن او الحشيش او التراب او الكاغذ او السفرجل اذا لم يكن مدركا۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۵۵ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد) [1]

روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ منجن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منجن کا استعمال روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھنے کی طرح سے مکروہ ہے تاہم اگر عادتاً معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: او ذاق شيئا بفمه وان كره لم يفطر۔ قال ابن عابدينؒ تحت قوله ان كره اى الا لعذر كما يأتى۔ (رد المحتار ج۲ ص۱۲۴ باب ما يفسد شيئا مما لا يفسد مطلب فى حكم الاستمناء بالكف)

قال قال الحصكفيؒ:۔ وكره مضغ علك ابيض ممضوغ ملتئم والا فيفطر۔
قال ابن عابدينؒ تحته: فان كان مما يصل عادة حكم بالفساد لانّه

---

[1] لما قال قاضى خان رحمه الله:۔ اذا اكل الصائم ما لا يؤكل عادة كالحصاة والنواة وكالقطن والحشيش والتراب والكاغذ والبزاق...... فسد صومه۔ (فتاوى قاضى خان ج۱ ص۱۰۲ باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد)

ومثله فى الهندية ج۱ ص۲۰۲ الباب الرابع فيما يفسد كتاب الصوم۔

کالمتیقن۔ (ردّالمحتار ج ۲ ص۴۱۶ مطلب فیما یکرہ للصائم ہ ۱ ؎

ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم | **سوال:۔** ناس کے سونگھنے سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے، اور ناس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ناس ہندی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کا معنیٰ نسوار لکھا ہے اور اس کا استعمال ناک کے ذریعے ہوتا ہے۔ چونکہ اس نسوار کے ذرّات اتنے باریک ہوتے ہیں کہ سانس کے ذریعے جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ مفسدِ صوم ہے لہٰذا ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة :۔ وفی دواء الجائفة والامة اکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونه رطبًا او یابسًا حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومه ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد) ۲؎

دھوئیں اور غبار کے روزے پر اثرات | **سوال:۔** دھواں اور گرد و غبار اگر حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ دھواں یا گرد و غبار اگر حلق کے اندر بلا قصد چلا جائے تو روزہ متاثر نہیں

۱؎ لما قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ :۔ ومن ذاق شیئًا بفمه لم یفطر لعدم الفطر صورة و معنی یکره له ذٰلك لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد ۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ : تحت قوله من تعریض الصوم علی الفساد لانه لا یؤمن ان یصل الی جوفه ......

قال ایضًا تحت قوله ومضغ العلك لا یفطر الصائم لانه لا یصل الی جوفه وقیل اذا لم یکن ملتئمًا یفسد لانه یصل الیه) ای الی جوفه بعض اجزائه) لانه اذا لم یکن ملتئمًا یتفتت فیدخل فی حلقه من ذٰلك شئ فیفسد صومهٗ ۔ (البنایة شرح الهدایة ج ۴ ص۱۸۰،۴۱۷ باب مایوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص۱۴۱ کتاب الصوم ۔

۲؎ لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ :۔ وما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاُذن والانف والدّبر فهو مفطر بالاجماع وفیه القضاء ۔

(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم وفیما لا یفسد)

وَمِثْلُهٗ فی امداد المفتیین ج ۱ ص۲۹۲ المعروف بفتاوٰی دارالعلوم دیوبند)

ہونا البتہ اگر قصداً وعمداً ادخال کی صورت ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضاء کا موجب بن جاتا ہے ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ او دخل حلقه غبار او ذباب او دخان ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنه ومفاده انه لو ادخل حلقه الدخان افطر ای دخان کان ولو عوداً او عنبراً لو ذاکراً لامکان التحرز عنه ۔(الدر المختار ج۲ ص۳۹۵ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسده) [1]

روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سُود ہے

سوال:۔ کفارہ کے وجوب کی صورت میں اگر روزہ کی استطاعت ہو تو کیا فدیہ کی ادائیگی مفید ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینا بے سُود ہے، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ضروری ہے تاہم اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو فدیہ دینا جائز ہے ۔

لما قال العلامة بدر الدین العینیؒ: والکفارة مثل کفارة الظهار ای الکفارة التی تجب بالوقاع مثل کفارة الظهار وهی عتق رقبة فان لم یجد فصیام شهرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً الخ ۔ (البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۰۸ باب ما یوجب القضاء والکفارة) [2]

جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص پر جبر کر کے روزہ افطار کرایا جائے تو کیا اُس پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی نے زبردستی کر کے دوسرے کا روزہ افطار کرایا تو کھانے پینے والے پر

---

[1] لما قال العلامة عبد العلی بحر العلوم:۔ ولو دخل مالا یستطاع الاحتراز عنه فی الجوف بلا صنع منه کالدخان والغبار لا یضر الصوم لان التکلیف بحسب الوسع واما لو ادخل الدخان کما یعتاد الیوم فی اکثر الناس فینبغی ان یفسد به الصوم خصوصاً دخان التنباك لانه یورث الفرح وتحصل التسکین للمعتادین ودخول الذباب فی الحلق من قبیل الدخان عندنا ۔(رسائل الارکان ص۲۱۱ بیان دخول الدخان والغبار فی الجوف)

ومثله فی حاشیة الهدایة ج۱ ص۲۰۰ باب ما یوجب القضاء والکفارة ۔

[2] لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ تحت قوله ککفارة الظهار مرتبط بقوله وکفر ای مثلها فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد فصام شهرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً ۔ الخ

(ردالمحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفارة)

ومثله فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفارة وما یسقطها عن الذمة بعد الوجوب ۔

کفارہ واجب نہیں البتہ اُسی دن کی قضاء لازم ہوگی۔

قال شمس الدین سرخسیؒ:۔ ولو اکرہ علی اکل وشرب فعلیہ القضاء دون الکفارۃ۔

(مبسوط سرخسی ج۳ ص۹۸ باب مایفسد الصوم) لے

غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے

سوال:۔ ایک شخص نے غروبِ آفتاب کے وقت عید کا چاند دیکھ کر یہ خیال کیا کہ آج عید کا دن ہے اور یہ چاند دوسری رات کا ہے اس لیے آج ہمارا روزہ جائز نہیں، پھر اس نے فوراً روزہ توڑ کر دوسروں کو بھی افطار کرنے کی دعوت دی، تو ایسے شخص کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر صرف قضاء واجب ہے یا کفارہ یا دونوں؟

الجواب:۔ روزہ اور عید کا دار و مدار باقاعدہ چاند کی رؤیت پر ہے، حساب وکتاب کی روشنی میں عید منانا ازروئے شرع مرخص نہیں۔ صورتِ مذکورہ میں محض چاند کی کمیت وکیفیت سے روزہ توڑنا مناسب نہیں، اگر پہلے دن کی باقاعدہ رؤیت نہ ہو تو اس شخص پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں۔

قال طاہر بن احمد رحمہ اللہ:۔ ولو افطروا اکثر رایہ ان الشمس لم تغرب فعلیہ القضاء والکفارۃ لان النہار کان ثابتا وقد انضم الیہ اکبر رایہ فصار بمنزلۃ الیقین۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۶ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ۲ے

بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص ضعف وبڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو کیا

لے قال برھان الدین رحمہ اللہ:۔ ولو کان مخطیاً اومکرھا فعلیہ القضاء۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ کتاب الصوم۔

۲ے قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ (الفجر طالع والشمس لم تغرب) عملاً بالأصل فیھما۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ای فی الاوّل والثانی فان الاصل فی الاوّل بقاء اللیل، فلا تجب الکفّارۃ وفی الثانی بقاء النھار فتجب علی احد الروایتین کما علمت۔

(شامی ج۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۱ ص۲۲۵ باب مایفسد الصوم۔

فدیہ دے کر اس کا ذمہ فارغ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص جو ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ ادا کرنا جائز ہے جو کہ ایک روزہ کے بدلہ نصف صاع یعنی ایک سو چالیس تولہ گندم یا اس کی مروجہ قیمت کی ادائیگی ہے۔

قال عبدالرحمٰن جزریؒ:۔ الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم فی جمیع فصول السنۃ یفطر وتجب من کل یوم فدیۃ طعام مسکین۔ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج۱ ص۵۲۶ کتاب الصوم)[1]

میت کے ذمہ روزوں کا حکم

سوال:۔ اگر بیمار کو بیماری سے شفا ملنے کے بعد اتنا وقت ملا ہو کہ اس میں وہ قضاء روزے رکھ سکتا تھا لیکن سستی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکا اور اچانک وفات پا گیا، ایسی صورت میں پسماندگان و ورثاء کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت کے مطابق اگر روزے رکھنے کا موقع نہ ملے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ورثاء پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، البتہ اگر موقع ملا ہو اور قدرت کے باوجود روزے نہ رکھے تو عِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَر ملنے کی وجہ سے روزے واجب رہیں گے۔ اگر مرتے وقت وصیت کی ہو تو ورثاء کو ثلث مال سے وصیت کے مطابق عمل کر کے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، وصیت نہ کرنے پر میت گنہگار ہے، تاہم تبرع اور احسان کر کے ورثاء بلا وصیت بھی فدیہ ادا کر سکتے ہیں۔

قال محمد بن اسرائیلؒ:۔ لو افطر المریض یقضی بلا فدیۃ ولو مات قبل البرء لا شئ علیہ اذ لم یدرک عِدَّۃً من ایام اُخر وعلیہ ان یوصی بفدیۃ مکان کل یوم نصف صاع من بر او صاع من تمر او شعیر ... ما یجوز فی صدقۃ الفطر فی ردّ النص فیہ ویعتبر ذلک من ثلث مالہ ولو لم یوص وتبرع عنہ ورثتہ جاز ولا یلزمهم بلا ایصاء عندنا (جامع الفصولین ج۲ ص۱۶۸ کتاب الصوم)[2]

---

[1] قال فی الهندیۃ:۔ فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکیناً کما یطعم فی الکفارۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم الصوم المؤقت۔

[2] قال ابن نجیمؒ:۔ ولا قضاء ان ماتا علیهما) ای ولا قضاء علی المریض والمسافر اذا ماتا قبل الصحۃ والاقامۃ لانهما لم یدرکا عدۃ من ایام اُخر فلم یوجد شرط وجوب الاداء فلم یلزم القضاء قید بہ لانہ لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمہ الایصاء بقدرہ وهو مصرح بہ فی بعض نسخ المتن لوجود الادراک بهذا المقدار۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۲ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع النذر۔

روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا

سوال:۔ شدتِ درد کی وجہ سے اگر دانتوں میں دوائی ڈالی گئی یا دانت نکلوانے کے بعد تکلیف ناقابلِ برداشت ہو تو روزہ افطار کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اور کیا اس روزے کی قضاء واجب ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ دانت کا درد اگر برداشت سے باہر ہو تو ایسی حالت میں دوا استعمال کر لینا جائز ہے اور اس کے لیے روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی وجہ سے قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

قال قاضی خانؒ:۔ لا فرق بین الرطب والیابس اذا وصل الجوف فسد صومہ وان لم یصل لا یفسد وذکر فی الاصل انہ یفسد الصوم مطلقاً بناءً علی الغالب والغالب ھو الوصول الی الجوف وذکر الشرط فی تفسیر المجدد۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فیما لا یفسد الصوم)[1]

شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ اگر عورت اپنی قُبل میں یا مرد اپنی دُبر میں انگلی داخل کرے تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر انگلی داخل کرتے وقت خشک ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ تیل یا پانی سے اگر تر کر کے داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں تاہم اس سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

قال فخر الدین الزیلعیؒ:۔ لو ادخلت الصائمۃ اصبعھا فی فرجھا او دبرھا لا یفسد علی المختار الا ان تکون مبلولۃ بماء او دھن۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۳۳ باب ما یفسد الصوم)[2]

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان فعل ذلك بہ من غیر اختیارہ او باختیارہ لا ان بہ عذر لا تلزمہ الکفارۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فیما یفسد الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: (او ادخل اصبعہ الیابسۃ فیہ) ای دبرہ او فرجھا ولو مبتلۃ فسد۔ (شامی ج ۲ ص۳۹۷ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۶۰ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ

عورت کے لیے کفّارہ کا طریقہ

سوال:۔ اگر عورت کو روزے کا کفارہ ادا کرنے کے دوران حیض آجائے تو کیا وہ دوبارہ از سرِ نو روزے رکھے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ ادائے کفّارہ کے دوران اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے روزوں کی توالی (پے درپے) پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم حیض کے ختم ہوتے ہی فوراً روزہ رکھا جائے گا تاخیر کی صورت میں استیناف لازم ہوگا۔

قال العلامة شمس الدین سرخسیؒ:۔ فان کانت امرأۃ فافطرت فیما بین ذٰلک للحیض لم یکن علیها استقباله۔ (مبسوط سرخسی ج۳ ص۸۱ کتاب الصوم) [۱]

کفّارہ میں تداخل ممکن ہے

سوال:۔ ماہِ رمضان میں متعدد بار روزہ افطار کرنے یا پھر متعدد ماہِ رمضان میں کئی مرتبہ جماع یا افطار کرکے ان میں تداخلِ کفارہ ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تداخلِ کفّارہ کے بارے میں فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں، ظاہر الروایت اور محتاط قول یہ ہے کہ ہر روزے کا الگ الگ کفارہ ادا کیا جائے تاہم اکثر فقہاء کرام نے تداخل کفّارہ کی صورت اختیار کی ہے اس لیے کفّارہ میں تداخل مرخص ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیه واحدۃ ولو فی رمضانین عند محمدؒ وعلیه الاعتماد بزازیة ومجتبیٰ وغیرهما واختار بعضهم للفتویٰ ان الفطر بغیر الجماع تداخل والّا لا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۳ کتاب الصوم۔ مطلب فی الکفارۃ) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وکذا فی کفارۃ القتل والظهار للنص علی التتابع لا لعذر الحیض لانها لا تجد شهرین عادۃ لا تحیض فیهما لکنها اذا طهرت تصل بما مضیٰ فان لم تصل استقبلت۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم ... الخ)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

[۲] قال ابن نجیمؒ:۔ ولو جامع مرارًا فی ایام من رمضان واحد ولم یکفر کان علیه کفّارۃ واحدۃ لانها شرعت للزجر وهو یحصل بواحدۃ فلو جامع وکفر ثم جامع مرۃ اخریٰ فعلیه کفارۃ اخریٰ فی ظاهر الروایۃ للعلم بان الزجر لم یحصل بالاوّل ولو جامع فی رمضانین فعلیه کفارتان وان لم یکفر للاولیٰ فی ظاهر الروایۃ وهو الصحیح۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم فساد الصوم۔

روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم | **سوال:۔** رمضان میں اگر بیوی سے جماع کرتے وقت کوئی چیز حائل ہو تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے حائل ہونے کے باوجود حرارت اور لذت محسوس ہو تو جماع بلا حائل اور مع حائل دونوں کا حکم ایک ہے، قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، تاہم بصورتِ حائل اگر حرارت محسوس نہ ہو تو صرف قضاء واجب ہوگی۔

قال ابن نجیمؒ :۔ کذا فی المعراج والمراد باللمس اللمس بلا حائل فان مسها وراء الثیاب فامنی فان وجد حرارة جلدها فسد والا فلا۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲،۲۷۳ باب مایفسد الصوم ومالایفسد) [۱]

اغلام (لواطت) موجب کفارہ و قضاء ہے | **سوال:۔** کیا لواطت جیسا قبیح کام کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یا صرف قضاء کافی ہے ؟

الجواب:۔ قضاء شہوت کا محل مشتہات ہونا ضروری ہے جو احد السبیلین ہے، ایسی جگہوں کو جب بھی روزہ کی حالت میں استعمال کیا جائے تو کفارہ و قضاء دونوں واجب ہوجاتے ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دونوں لازم ہیں۔

قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ :۔ وقوله او جومع نص علی انها تجب علی المفعول به وعلی المرأة ان کان بطوعها۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۲۷ باب مایفسد الصوم) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ :۔ قوله ولو بحائل لا یمنع الحرارة) نقیض ما بعد لو وھو عدم الحائل المذکور اولیٰ بالحکم وھو وجوب القضاء لکن لا تظهر الاولویة بالنظر الیٰ عدم الکفارة مع ان الکلام فیما یوجب القضاء دون الکفارة وقید الحائل بکونه لا یمنع الحرارة لما فی البحر لو مسها وراء الثیاب فامنیٰ فان وجد حرارة جلدها فسد والا فلا ۔

(شامی ج ۲ ص۴۰۲ کتاب الصوم ۔ باب مایفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج ۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم ۔ الباب الرابع فیما یفسد الصوم ۔ الخ

[۲] قال العلامة قاضیخانؒ : وان جامعها فی دبرها او جامع امته فی دبرها متعمداً علیه القضاء والکفارة انزل اولم انزل ۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۱۰۲ الفصل الخامس فی مایفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص۷۹ کتاب الصوم ۔

روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفارہ کا وجوب

سوال:۔ بظاہر زنا کرنے سے انسان پر حد جاری ہوتی ہے، تو کیا حد کے اجراء کی وجہ سے کفارہ کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع یا کسی اجنبیہ سے زنا کرنے میں وجوبِ قضاء اور کفارہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ حد کا اجرا الگ مسئلہ ہے جس کا کفارہ و قضاء کے وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم جبر و اکراہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قال العلامۃ طاھر بن احمدؒ:۔ وان کانت المرأۃ مکرھۃ فعلیھا القضاء دون الکفارۃ ولوکان الرّجل مکرھا علی الجماع فعلیہ الکفّارۃ فی قولِ ابی حنیفۃؒ الاوّل ثم رجع وقال علیہ القضاء دون الکفارۃ وھو قولھما وعلیہ الفتویٰ۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[1]

بہیمہ (جانور) سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ کسی جانور کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جانوروں کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ یقیناً فاسد ہوکر قضاء لازم ہوجاتی ہے اور کفارہ لازمی نہیں، تاہم نفسِ دخول سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل ہر صورت میں حرام ہے۔

قال العلامۃ قاضیخانؒ: وکذا اذا جامع بھیمۃ ولم ینزل اومیتۃ ولم ینزل الخ وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفّارۃ۔ (فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم)[2]

جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ احد السبیلین کے علاوہ اگر کسی حرکت سے

---

[1] قال فی الھندیۃ: ولومکنت نفسھا من صبیّ اومجنون فزنی بھا فعلیھا الکفّارۃ بالاتفاق۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۵ کتاب الصوم النوع الثانی مایوجب القضاء والکفّارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۷ باب مایفسد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمہ اللّٰہ:۔ ولوجامع میتۃ اوبھیمۃ فلا کفّارۃ علیہ انزل او لم ینزل۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۷۱ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فیما یفسد)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی حکم الاستمناء بالکف۔

انزال ہو جائے تو اس پر قضاء اور کفّارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء ؟

الجواب:۔ کفارہ چونکہ ایک عظیم جرمانہ ہے اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر اس کا حکم لگایا جاتا ہے ، احد السبیلین کے علاوہ کسی اور طریقہ سے انزال میں چونکہ قضاء شہوت کامل طریقہ سے نہیں پایا جاتا اس لیے اس میں صرف قضاء واجب ہے اور کفّارہ کی ضرورت نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :۔ او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرۃ وفخذ وکذا الاستمناء بالکف (او ادخل ذکرہ فی بھیمۃ) او میتۃ من غیر انزال او مسّ فرج بھیمۃ او قبلھا فانزل او اقطر فی احلیلہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۹۸، ۳۹۹ کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم) [۱]

غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے	**سوال**:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے علاوہ روزہ

(بلا عذر شرعی) افطار کرے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے یا کفّارہ بھی لازم ہے ؟

الجواب:۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر روزہ توڑنے سے فقط قضاء واجب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یا نذر ہو کفّارہ واجب نہیں ہوتا ، یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے ۔

وفی الھندیۃ :۔ ولا کفّارۃ بافساد صوم غیر رمضان کذا فی الکنز ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۵ کتاب الصوم ۔ باب المتفرقات) [۲]

سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے	**سوال**:۔ اگر ایک شخص سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے تو ایسے شخص کے لیے

---

[۱] قال العلامۃ الکاسانیؒ :۔ ولو جامع بھیمۃ فانزل فسد صومہ وعلیہ القضاء ولا کفّارۃ علیہ لانہ وان وجد الجماع صورۃ ومعنی وھو قضاء الشھوۃ لکن علی سبیل القصور لسعۃ المحل ولو جامعھا ولم ینزل لا یفسد ۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۹۴ کتاب الصوم ۔ فصل فی ارکانہ)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ ۔

[۲] قال العلامۃ برھان الدینؒ :۔ ان الکفّارۃ تعلقت بجنایۃ الافطار فی رمضان علی وجہ الکمال ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۱۹ باب ما یفسد الصوم) الخ
ومثلہٗ فی فتاوی قاضیخان ج ۱ ص۱۰۳ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم ۔

شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا مرخص ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ :۔ لو اصبح المقیم صائماً ثم سافر فافطر بعد ذٰلك لاکفارة علیہ ۔ (فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص۱۰۲ الفصل السابع فیما یسقط الکفارة ومالا یسقط) لہ

استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے

سوال :۔ روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید (ہاتھ سے انزال) کرے تو کیا اس شخص پر کفّارہ واجب ہے یا صرف قضاء کافی ہے ؟

الجواب :۔ استمناء بالید میں چونکہ قضاءِ شہوت کامل نہیں ہوتی اس لیے اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا تاہم قضاء لازمی ہے، اور اگر انزال نہ ہو تو پھر قضاء بھی واجب نہیں ۔

قال العلامة الحصکفیؒ :۔ وکذا الاستمناء بالکف) قال ابن عابدینؒ :۔ ای فی کونہ لایفسد لکن ھٰذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کما سیصرح بہ وھو المختار ۔

(شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم ۔مطلب فی حکم الاستمناء بالکف) ؎۲

غلط فہمی سے کھانا پینا موجب کفّارہ نہیں

سوال :۔ اگر کسی نے بھول کر کھا پی لیا یا بلا سبب انزال سے یہ سمجھا کہ میرا روزہ ابھی نہیں رہا اس لیے میرے لیے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تو کیا ایسے شخص کے اس طرح قصداً کھانے پینے سے کفّارہ واجب ہوگا یا قضاء ؟

لہ قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ :۔ المسافر قدم مصرہ وھو صائم فافتی ان صومہ لا یجزیہ فافطر بعد ذٰلك متعمداً لاکفارة علیہ ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۳۷۹ کتاب الصوم ۔ الفصل الخامس وجوب الکفارہ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج۲ ص۴۰۸ کتاب الصوم ۔مطلب فیما یکرہ للصائم ۔

؎۲ قال قاضی خانؒ :۔ وکذا اذا جامع بھیمة ولم ینزل اومیتة ولم ینزل اوناکح بیدہ ولم ینزل اوجامع فیما دون الفرج ولم ینزل وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفّارة ۔

(فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۰۱ الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۰۵ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد ۔

الجواب: اگر کسی نے بھول کر کھانا کھا لیا یا بلا سبب کے انزال ہوا تو اس کا روزہ باقی ہے البتہ اگر بعد میں غلط فہمی سے کھانا کھایا کہ میرا روزہ ختم ہو چکا ہے، تو محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں بلکہ صرف اُسی دن کی قضاء واجب ہو گی۔ کفارہ ایسی سزا ہے جو دیدہ دلیری سے کسی جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاكل بعد ذٰلك فهو كالقئ وقد ذكرنا حكمه وقال البعض ان كان عالماً عليه القضاء والكفارة عند الكل وان كان جاهلاً عليه القضاء دون الكفارة۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۲۵۹ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الخ) [۱]

سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے

سوال:۔ کیا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے قضاء لازم ہو گی یا کفارہ؟

الجواب: سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے جو کہ فسادِ صوم کا سبب ہے لہٰذا سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے، تاہم اس صورت میں قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

قال علاؤ الدینؒ:۔ ولو دخل الغبار او الدخان او الرائحة فی حلقه لم یفطر وان ادخله حلقه متعمّداً۔ روی عن ابی یوسفؒ انه ان تعمد علیه القضاء ولا کفارة علیه۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۰ کتاب الصوم۔ فصل رکنه) [۲]

---

[۱] قال قاضی خانؒ:۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل او تفکر فانزل فظن ان ذٰلك فطره فاکل متعمداً فهو بمنزلة القئ۔ وقال بعضهم ان کان عالماً علیه القضاء والکفارة عند الکل وان کان جاهلاً علیه القضاء دون الکفارة۔
(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۰۵ الفصل السابع فیما یفسد الکفارة مالا یسقط)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۲۰۶ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد۔ الخ)

[۲] قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ: شرب الدخان المعروف وتناول الافیون والحشیش ونحو ذٰلك فان الشهوة فیه ظاهرة۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۵۶۰ کتاب الصوم)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۳ کتاب الصوم۔ باب فیما یفسد الخ۔

بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ماہ رمضان میں بے خبری میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد کھانا کھایا جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر اب تک طلوع نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں ایسے شخص کے روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی ابتداء طلوعِ فجر سے ہوتی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں موصوف نے غلط فہمی کی بناء پر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا اس لیے اُس کا یہ روزہ ختم ہو چکا ہے اب اسکے ذمے اس دن کے روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: اذا تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع الخ عليه القضاء..... ولا كفارة عليه لان الجناية قاصرة لعدم القصد۔

(الهداية ج ۱ ص ۲۰۷ باب ما يوجب القضاء)[1]

فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کوئی شخص فدیہ دینے سے عاجز ہو اور ڈاکٹر نے بھی اس کو روزہ رکھنے سے منع کر رکھا ہو تو یہ شخص کیا کرے؟

الجواب:۔ جب کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور پھر مسلمان ڈاکٹر نے بھی اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو تو اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی فدیہ دینے کا بھی متحمل نہ ہو تو اس صورت میں استغفار کثرت سے پڑھا کرے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوبًا..... لو موسرًا والا يستغفر الله۔ قال ابن عابدين رحمه الله: (قوله والا يستغفر الله) هذا ذكره في الفتح والبحر عقيب مسئلة نذر الأبد اذا اشتغل عن الصوم بالمعيشة فالظاهر انه راجع اليها دون ما قبلها من مسئلة الشيخ الفاني لانه لا تقصير منه بوجه۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۲۷ فصل في العوارض)[2]

---

[1] ولو قدم مسافر او طهرت حائض او تسحر ظنه ليلًا والفجر طالع او افطر كذلك والشمس حية أمسك يومه وقضى ولم يكفر كأكله عمدًا بعد أكله ناسيًا ونائمة ومجنونة وطئتا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۳۴۱ كتاب الصوم)

[2] قال العلامة ابو البركات النسفي رحمه الله: وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط۔ قال ابن نجيم رحمه الله: تحته..... وان لم يقدر على الاطعام لعسرته يستغفر الله تعالى۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ كتاب الصوم۔ فصل في العوارض)

مُسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی مسافر کو سفر سے واپسی پر یا بیمار کو صحتیابی کے فوراً بعد فرض روزہ کی قضاء کا موقع نہیں ملا تو کیا اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے یا کہ معافی ہے؟

الجواب:۔ مرض اور سفر میں روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی حالتِ صحت و اقامت میں قضاء واجب ہے، اب اگر مریض و مسافر کو قضاء کرنے کا کسی وجہ سے قضاء کا موقع نہیں مل سکا اور وہ فوت ہوگیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو بعد الموت فدیہ دینا لازم ہے۔

وفی الھندیۃ: ولو فات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لاقضاء علیہ ...... وان صح المریض او قدم المسافر وادرک من الوقت بقدر ما فاتہ یلزمہ قضاء جمیع ما ادرک فان لم یصم حتی ادرکہ الموت فعلیہ ان یوصی بالفدیۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار التی یبیح الافطار) [۱]

غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً غیر رمضان کا روزہ توڑ دے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے سے کفارے کا وجوب صرف رمضان شریف کے روزے کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ جو بھی روزہ قصداً یا سہواً توڑ دیا جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں البتہ اُس دن کی قضاء واجب ہے۔

قال العلامۃ ابن ھمامؒ: ولیس فی افساد صوم غیر رمضان کفارۃ لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایۃ فلا یلحق بہ غیرہ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۲۶۵ باب مایوجب القضاء والکفارۃ) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: فان ماتوا فیہ ای فی ذلک العذر فلا تجب علیہم الوصیۃ بالفدیۃ لعدم ادراکہم عدۃ ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیۃ بقدر ادراکہم عدۃ من ایام اخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۲۴ فصل فی العوارض)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۸۵ فصل فی الاسباب المبیحۃ للفطر۔

[۲] قال العلامۃ عالم بن علاء الانصاریؒ: ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۷۷ الفصل الخامس فی وجوب الکفار فی افساد الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۵ باب المتفرقات۔

سگریٹ یا حُقّہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضاء کرے یا کفّارہ بھی؟

سوال:۔ حُقّہ یا سگریٹ پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو معلوم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص بحالتِ روزہ حُقّہ یا سگریٹ پیتا ہے اُس پر قضاء وکفّارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ حُقّہ نوشی اور سگریٹ نوشی سے روزہ ختم ہوجاتا ہے جس سے قضاء بدون کفّارہ کے لازم ہوجاتی ہے لیکن اگر حُقّہ نوشی تلذذ، شہوتِ نفس یا کسی اور نفع کے لیے کی جائے تو اس صورت میں قضاء کفّارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: انه لو ادخل حلقه الدخان افطر.... ویمنع من بیع الدخان۔

؎ وشاربه فی الصوم لاشك یفطر ویلزمه التکفیر لوظن نافعًا

کذا دافعًا شهوات بطن فقررا۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۳۹۵ باب ما یفسد الصوم ومالایفسد) [1]

سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء وکفّارہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص سفر کی نیّت سے گھر سے نکلا مگر راستے میں کچھ ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے گھر واپس آگیا اور روزہ افطار کرلیا، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے سفر تکلیف دہ ہو یا آرام دہ، لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے گھر ہی کے اندر روزہ افطار کیا ہے جو کہ حالتِ اقامت ہے اس لیے اس پر قضاء وکفّارہ دونوں لازم ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اذا دخل مصرہ بنیّة السفر فافطر فانه یکفر ای قیاسًا لانه مقیم عند الاکل حیث رفض سفرہ بالعود۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۱۳۳ فصل فی العوارض) [2]

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: الجواب! حُقّہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں کفّارہ بھی لازم ہوتا ہے یعنی اگر اسے نفع بخش سمجھا تب تو کفّارہ وقضاء دونوں لازم ہوں گے ورنہ صرف قضاء۔ (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۱۹ مسائل مفسد الصوم)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ولو سافر فی نهار رمضان ولم یفطر حتی تذکر شیئًا فی منزله قد نسیه فرجع الی منزله واکل شیئًا ثمّ خرج من المنزل فعلیه القضاء والکفّارة کالمقیم اذا اکل ثم سافر۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۵ الفصل الثالث ما یفسد الصوم فی مالا یفسد۔ الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۰۶ الباب الخامس فی الاعذار المبیحة للفطر۔

نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں

سوال: اگر ایک نومسلم خاندانی خوف و ڈر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تاکہ اُن پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہو، تو کیا اس شخص پر بھی قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب: کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایک غیر مسلم آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے اُس پر جملہ احکام اسلام پر پورا عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق نومسلم اسلامی احکامات کا مکلّف ہے، اس لیے روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر قضاء لا ... کفارہ نہیں۔ لما قال العلامۃ الحصکفی: أو لم ینو فی رمضان کلہ صوماً ولا فطراً مع الامساک لشبہۃ خلاف زفر او اصبح غیر ناو للصوم فأکل عمداً ولو بعد النیۃ قبل الزوال لشبہۃ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۲-۴۰۳، کتاب الصوم)

قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے

سوال: اگر کوئی شخص قصداً و عمداً روزہ توڑ دے مگر اچانک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوجائے کہ روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو کیا اس شخص پر صرف کفارہ واجب ہے یا قضاء؟

الجواب: قصداً روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ اُس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی عمل مسقطِ کفارہ رونما نہ ہوجائے۔ صورتِ مسئولہ میں مرض (جو کہ مسقطِ کفارہ ہے) کی موجودگی کی وجہ سے کفارہ ساقط ہوجائے گا البتہ اُس دن کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: انما یکفر ان نوی لیلاً ولم یکن مکرھاً ولم یطرأ مسقط کمرض وحیض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۲، ۱۳۱ مطلب فی الکفارۃ) [۲]

لما قال الکاسانی: ومن اصبح فی رمضان لا ینوی الصوم فأکل او شرب او جامع علیہ قضاء ذلک الیوم ولا کفارۃ علیہ عند اصحابنا الثلاثۃ (بدائع الصنائع ۲/۲۵۸ کتاب الصوم)

[۲] وفی الہندیۃ: والصحیح اذا افطر ثم مرض مرضاً لا یستطیع معہ الصوم تسقط الکفارۃ عندنا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۵ الفصل السابع فیما یسقط الکفارۃ ومالا یسقط)

ومثلہ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۴۲۸ مسائل مفسد الصوم۔

باب الاعذار المبیحۃ للافطار

(روزہ افطار کرنے (توڑنے) کے اعذار کا بیان)

ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا

سوال:- اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے روزہ بحال رکھنا مشکل ہو تو کیا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- کسی ناقابلِ برداشت تکلیف کی وجہ سے روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسی حالت میں روزہ توڑنا بہتر ہے تاکہ ہلاکت کا موجب نہ بنے، البتہ اگر برداشت کی طاقت ہو تو پھر روزہ پورا کرنا بہتر ہے۔

قال فی الھندیۃ:- المریض اذا خاف علی نفسہ التلف اوذھاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذالک عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار)[1]

حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں

سوال:- طلوعِ فجر کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو عندالشرع عورت کے لیے بقیہ یوم کا امساک (کھانا پینا بند) کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- طلوعِ فجر کے بعد عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت کے لیے کھانا پینا جائز ہے امساک ضروری نہیں تاہم ایسی عورت دوسرے روزہ داروں سے خفیہ طور پر کھانا کھائے یا پانی پیئے۔

قال حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ:- ومن لہ نوبۃ حمی اوعادۃ حیض

---

[1] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:- (تحت قولہ وخادمۃ) اذا اشتد الحر وخاف الھلاک فلہ الافطار۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص۴۲۲ کتاب الصوم، فصل فی العوارض)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

لا بأس بفطرة علیٰ ظن وجوده ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۶۳ کتاب الصوم) لے

سوال:۔ سفر کے دوران مسافر کو روزہ رکھنا چاہیئے یا روزہ رکھنا بہتر ہے؟

مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے

الجواب:۔ روزہ رکھنا اور نہ رکھنا مسافر کی حالت پر مبنی ہے جس میں اس کو آسانی ہو وہی طریقہ اختیار کرے، تاہم اگر کوئی شدید ضرورت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور یہی عزیمت ہے۔

قال برهان الدینؒ:۔ وان کان مسافراً لایستضر بالصوم فصومه افضل وان افطر جاز لان السفر لایعری عن المشقة ۔الخ (الهدایة ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم) ۲ے

سوال:۔ اگر کوئی شخص بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) یا اس جیسی کسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے جس میں دوائی کا استعمال لازمی ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ اس جیسی بیماریاں بعض اوقات ہلاکت کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔

شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے

الجواب:۔ جب بھی روزہ بیماری میں اضافہ کا سبب بنتا ہو تو اس میں کسی دیندار ماہر حکیم یا ڈاکٹر کے مشورہ سے یا اپنے غلبۂ ظن پر عمل کرتے ہوئے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے تاہم معمولی قسم کی بیماری میں افطار کرنا ضروری نہیں۔

قال عبدالرحمٰن الجزائری:۔ الاعذار التی تبیح الفطر للصائم کثیرة ۔منها المرض، فاذا مرض الصائم وخاف زیادة المرض بالصوم او خاف تاخر البرء من المرض او حصلت له مشقة شدیدة بالصوم فانه یجوز له الفطر ۔ (فقہ مذاہب اربعہ ج۱ ص۵۷۲) ۳ے

لے قال علامة ابی بکر بن علیؒ:۔ واذا حاضت المرأة افطرت وقضت وکذا اذا النفست وهی تأکل سراً او جهراً ولا یجب علیه التشبه ۔ (الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۷۷ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم ۔الباب الخامس فی الاعذار ۔الخ

۲ے قال ابن نجیمؒ: وللمسافر وصومه احب ان لم یضره ای جاز للمسافر الفطر ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الصوم ۔فصل فی العوارض ۔

۳ے قال العلامة الکاسانیؒ: واما وجوب الفداء فشرطه العجز عن القضاء عجزاً لاترجی معه القدرة فی جمیع عمره ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم، فصل فی حکم الصوم المؤقت)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۱ فصل فی العوارض ۔

کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفّارہ لازم ہے یا قضاء

سوال:- اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اچانک شدید بیمار ہو جائے تو کیا اس کو روزہ افطار کر لینا چاہیئے یا نہیں؟ اور افطار کرنے کی صورت میں قضاء و کفّارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضاء؟

الجواب:- شدتِ مرض میں جب نقصان کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ افطار کر لینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف ھلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید الخ الفطر یوم العذر...... وقضوا لزوماً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ) [1]

شدّتِ پیاس سے روزہ توڑنے کا حکم

سوال:- اگر کبھی اتنی گرمی ہو جائے کہ پیاس کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو کیا اِس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھوک اور پیاس کی شدّت میں جب کسی سخت نقصان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے لیکن اس روزہ کی قضا لازمی ہو گی اگرچہ کفّارہ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف ھلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید او لسعۃ حیۃ..... الفطر وقضوا لزوماً۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص ۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ) [2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا

سوال:- کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی سفر میں روزہ افطار کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ معلّم بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ حالات اور تقاضے کے مطابق روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے، بعض حالات میں آپؐ نے

---

[1] وفی الھندیۃ: المریض اذا خاف علی نفسہ التلف او ذھاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذلک عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الهندیہ ج ۱ ص ۲۰۷ فصل فی العوارض المبیحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۸۳ فصل فی الاسباب المبیحۃ للفطر۔

[2] وفی الھندیۃ: اذا خیف منهما الھلاک او نقصان العقل کالامۃ اذا ضعفت عن العمل وخیفت الھلاک بالصوم وکذا الذی ذھب بہ..... (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۰۷ فصل فی العوارض والمبیحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۸۲ فصل فی الاسباب والمبیحۃ للفطر۔

افطار نہ کرنے والوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عن ابن عباسؓ: سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان حتی بلغ عسفان ثم دعا باناء فیہ شراب فشربہ نہارا لیراہ الناس ثم افطر حتی دخل مکۃ۔ قال ابن عباسؓ فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافطر ومن شاء صام ومن شاء افطر۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر) [1]

کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے؟

سوال:۔ حالتِ سفر میں تو نماز قصر کرکے پڑھنا واجب ہے، کیا روزے کا حکم بھی نماز کی طرح ہے کہ سفر میں لازماً افطار کیا جائے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے حالتِ سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنا ایک نعمتِ خداوندی قرار دے کر اس میں قصر کو واجب کیا ہے مگر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار بندے کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ عافیت روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفر میں روزہ رکھنا افضل و بہتر ہے بخلاف نماز کے، تاہم اگر روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامہ ابن نجیمؒ: وانما کان الصوم افضل ان لم یضرہ لقولہ تعالیٰ "وان تصوموا خیر لکم"، ولان رمضان افضل الوقتین فکان فیہ الاداء اولیٰ ولا یرد علینا القصر فی الصلوٰۃ فانہ واجب حتی یأثم بالاتمام لان القصر ھو العزیمۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض) [2]

---

[1] وعن جابر بن عبد اللہؓ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الیٰ مکۃ عام الفتح فصام حتی بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہ ان الناس شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم فصام بعضہم۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۱ باب ما جاء فی افطار الصوم فی السفر)

[2] وفی الہندیۃ: ویکرہ للمسافر ان یصوم اذا جھدہ الصوم فان لم یکن کذلک فالصوم افضل۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۰۱ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم ومالا یکرہ)

ومثلہ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۳ فصل الاسباب مبیحۃ للفطر۔

مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کا نفلی روزہ ہو مگر مہمان اس کو روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو کیا وہ شخص روزہ توڑ سکتا ہے؟

الجواب:۔ مہمان کی ضیافتِ طبع اور خاطر تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑنا عند الشرع مرخص ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: الضیافۃ عذر للضیف والمضیف ان کان صاحبھا ممن لا یرضی بمجرد حضورہ ویتأذی بترک الافطار فیفطر والا لا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ فصل فی العوارض)[1]

آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے

سوال:۔ ایک شخص سعودی عرب سے پاکستان آیا، وہاں چاند کے حساب سے اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں جبکہ پاکستان میں روزہ ہے، تو کیا یہ شخص اب افطار کرے یا روزہ رکھے؟

الجواب:۔ سعودی عرب میں چاند کے اعتبار سے اگرچہ اس شخص کے فرض روزے پورے ہو چکے ہیں مگر یہاں کے لوگوں کے ساتھ مشابہت کی خاطر روزہ رکھے گا افطار کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: فانہ یجب علیہ الامساک تشبھا۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۰۸ مطلب فی جواز الافطار بالتحری)[2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: والصحیح من المذھب ان ینظر فی ذلک ان کان صاحب الدعوۃ ممن یرضی بمجرد حضورہ ولا یتأذی بترک الفطر لا یفطر وان کان یعلم انہ یتأذی بترک الافطار یفطر۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۲ فصل الاسباب مبیحۃ للفطر)

ومثلہ فی ما لا بد منہ ص۱۰۰ کتاب الصوم۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: الاخیران یمسکان بقیۃ یومھما وجوباً علی الاصح لان الفطر قبیح وترک القبیح شرعاً واجب (کمسافر اقام وحائض ونفساء طھرتا ومجنون افاق ومریض صح)۔

قال الشیخ احمد الطحطاویؒ: تحت قولہ (کمسافر اقام) الاصل فی ھذا ان کل من صار علی حالۃ فی آخر النہار لو کان علیھا اولہ یلزمہ الامساک قضاء الحق الوقت تشبیھا بالصائمین۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۴۵۵ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

سوال :۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں، ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انھوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ جب بھی انہوں نے روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی، اس صورت میں شرعاً ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ رکھ سکیں تو انہیں کیا کرنا چاہئے؟

الجواب :۔ اسلام کسی کو بلا وجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا جو ایک روزے کے بدلہ میں صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر و يفدى وجوباً قال ابن عابدينؒ المريض اذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۷ كتاب الصوم، فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصوم)

ظنِ غالب کی بناء پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا

سوال :۔ ایک شخص بیمار ہے اور اس نے ڈاکٹر سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں پوچھا نہیں، مگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی، تو کیا یہ بیمار شرعاً درست کر رہا ہے یا یہ کہ اس کو روزہ نہ رکھنے کے بارے ڈاکٹر سے لازمی پوچھنا پڑے گا؟

الجواب :۔ شرعاً شدتِ مرض یا خوفِ مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی ماہر مسلمان طبیب نے کہا ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں مریض کا غالب شدتِ مرض ہے اس لیے اس کو اپنے گمان کی بناء پر روزہ نہ رکھنا مرخص ہے، ڈاکٹر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : او مريض خاف زيادة مرضه وصحيح خاف المرض المراد بالخوف غلبة الظن۔

(رد المحتار ج۱ ص۱۵۳ كتاب الصوم)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے احکام ومسائل)

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

سوال: اگر معتکف سے خطأً روزہ فاسد ہو جائے تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب: اعتکاف مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے اسلئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلاصوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقاً علی المذهب قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ ومقتضی ذٰلک ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانه مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلاصوم لمرض اوسفر ینبغی ان لا یصح عنه بل یکون نفلاً۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف) [1]

اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں

سوال: اگر کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو کیا اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف (مسنون اور نفلی) ٹوٹ جانے سے اس کی قضاء واجب نہیں تاہم اگر جس دن یا رات کو اعتکاف ٹوٹ جائے اور اُسی دن رات کی قضاء کی جائے تو بعض کے قول پر بھی عمل ہو جائے گا جو کہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرع فیه ثم قطع لا یلزمه القضاء فی روایة الاصل

---

[1] لما قال برهان الدین المرغینانیؒ:۔ قال الاعتکاف مستحب والصحیح انه سُنّة مؤکدة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السنة وهو اللبث فی المسجد مع الصوم ...... والصوم من شرطه ...... ثم الصوم شرط لصحة الواجب منه۔ (الهدایة ج۱ ص۲۱۱ باب الاعتکاف)

ومثله فی البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۸۲، ۳۸۴ باب الاعتکاف۔

وفی روایۃ الحسن یلزمہ۔ وفی الظہیریۃ عن ابی حنیفۃؒ انہ یلزمہ یوماً۔

(فتاوی تاتارخانیۃ ج ۲ ص ۲۱۶ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)[1]

اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات | **سوال:۔** اگر محلہ والے اعتکاف کا اہتمام نہ کریں تو اس سے ان کی ذمہ داری کہاں تک متاثر ہوتی ہے؟

الجواب:۔ اعتکاف جملہ محلے والوں کے لیے سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اگر تمام محلہ والوں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے تو جملہ محلہ والوں کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، لیکن اگر پورے محلہ میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (وسن مؤکداً) ای استناناً مؤکداً۔ بمعنی انہ طلب طلباً۔ مؤکداً زیادۃ علی بقیۃ النوافل۔ ولھذا کانت السنۃ المؤکدۃ قویبۃ من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر ویستوجب تارکھا التضلیل واللوم کما فی التحریر۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ باب الوتر۔ مطلب فی السنن والنوافل)[2]

معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سننے یا سنانے کیلئے نکلنا | **سوال:۔** اگر (حافظ قرآن) معتکف کے لیے تراویح میں قرآن سنانے کا اپنی مسجد میں انتظام نہ ہو تو کیا وہ صرف قرآن سنانے کے لیے کسی دوسری مسجد میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تراویح میں قرآن کا ختم بلاشک سنت ہے، البتہ بصورتِ استثناء (یعنی اعتکاف میں چند امور کی نیت سے) مسجد سے نکلنا مرخص ہے لیکن بہتر عدم خروج ہے تاکہ اعتکاف کے

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فلو شرع فی نفلہ ثم قطعہ لا یلزمہ قضاءہ لانہ لا یشترط لہ الصوم علی الظاہر من المذھب وما فی بعض المعتبرات انہ یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف قالہ المصنف وغیرہ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۴۳ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۱ ص ۲۱۱ باب الاعتکاف۔

[2] قال العلامۃ محمد عبد الحیؒ:۔ والصحیح الذی علیہ جمھور الفقھاء ھو انہ سنۃ مؤکدۃ فی العشر الاواخر من رمضان علی سبیل الاستیعاب کفایۃ علی اھل کل بلدۃ۔ (حاشیہ ھدایہ ج ۱ ص ۲۱۱ باب النوافل۔

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ مستخلص الحقائق ج ۱ ص ۳۰۹ باب النوافل

تقدس پر کوئی اثر نہ پڑے۔

وفی الهندية: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۲ الباب السابع فى الاعتكاف) ؎۱

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم

سوال:۔ کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کر جاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے لہٰذا دورانِ اعتکاف دنیاوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ دنیاوی باتیں کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

قال العلامة عبد الرحمٰن جزریؒ:۔ وما آدابه فمنها الا يتكلم الا بخير۔ ؎۲
(الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص۵۸۹ باب الاعتكاف)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف دورانِ اعتکاف انتقال کر جائے تو کیا کسی اور کا اس کی جگہ اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے یا نہیں تاکہ اعتکاف مکمل ہو جائے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان يخرج الى عيادة المريض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك۔ (فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۲۱۲ الفصل الثانى عشر فى الاعتكاف)
ومثله فى ردالمحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الاعتكاف۔

؎۲ قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولا يتكلم بفضول كلام الدنيا...... او لا يتكلم بما فيه اثم فان النبى صلى الله عليه وسلم كان يحدث مع الناس فى اعتكافه۔
(فتاوى تاتارخانية ج۲ ص۲۱۰ تا ۲۱۴ الفصل الثانى عشر فى الاعتكاف)
ومثله فى البحر الرائق ج۲ ص۳۰۴ باب الاعتكاف۔

نہ بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ:- (قولہ ای سنۃ کفایۃ) نظیرھا اقامۃ التراویح بالجماعۃ فاذا قام بہا البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یأثموا بالمواظبۃ علی الترک بلا عذر ولوکان سنۃ عین لاثموا بترک السنۃ المؤکدۃ اثماً دون اثم ترک الواجب ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)[1]

کیا معتکف کیلئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

سوال:- معتکف کے لیے شرعاً نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے اعتکاف پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- وجوبی اور مسنون اعتکاف سے بلا ضرورت نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا مفسدِ اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے لیے نکلنا فسادِ اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بناء پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہیں۔

لما قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ:- ولا یخرج لا کلہ و شربہ ولا لعیادۃ المریض ولا لصلوٰۃ الجنازۃ...... ولوشرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلوٰۃ الجنازۃ و حضور مجلس العلم یجوز لہ ذٰلک..... واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذرٍ ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲،۴۱۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامۃ محمد عبد الحیؒ:- ھو سنۃ مؤکدۃ کفایۃ اذا قام بہا البعض سقط عن الآخرین ۔ (عمدۃ الرعایۃ علی ھامش شرح وقایۃ ج۱ ص۳۲۱ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۱۷ کتاب الطہارۃ —

[2] لما قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوریؒ:- لا یخرج المعتکف من معتکفہ الا لحاجۃ شرعیۃ او طبعیۃ..... واما اذا خرج من المسجد بغیر حاجۃ شرعیۃ او طبعیۃ فیفسد الاعتکاف ...... لوشرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلاۃ الجنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذٰلک..... وما روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم من الرخصۃ فی عیادۃ المریض وصلوٰۃ جنازۃ فقال ابویوسف ذٰلک محمول علی اعتکاف التطوع ۔ (معارف السنن ج۵ ص۵۳۹،۵۴۰ باب المعتکف یخرج لحاجتہ ام لا ۔

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ جس مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو یا سرے سے جماعت ہوتی ہی نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے البتہ اگر نہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ:۔ فی مسجد جماعة هو ماله امام ومؤذن ادیت فیه الخمس ام لا، وعن الامام اشتراط اداء الخمس فیه وصححه بعضهم وقال لا یصح فی کل مسجد وصححه السروجی واما الجامع فیصح فیه مطلقاً اتفاقاً۔ قال ابن عابدینؒ: ای وان لم یصلوا فیه الصلوٰة کلها......

ایضاً قال الحصکفیؒ:۔ حرم علیه الخروج الا لحاجة الانسان) طبیعة کبول وغائط وغسل...... او شرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۰ باب الاعتکاف) [1]

معتکف کا غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ دورانِ اعتکاف جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، بعض جزئیات میں سنتِ مؤکدہ اعتکاف کو نفلی اعتکاف میں شمار کیا گیا ہے اسی طرح ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنے کی صورتوں میں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ واما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل کما امر

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ثم المسجد الجامع ویجوز الاعتکاف فی الجامع وان لم یصلوا فیه بالجماعة ...... ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة لازمة شرعیة کالجمعة او لحاجة طبعیة کالبول والغائط۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

ومثله فی الکفایة فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۳۰۸ باب الاعتکاف۔

قال ابن عابدینؒ : (واما النفل) ای الشامل للسنۃ المؤکدۃ ۔(ردالمحتار ج۲ ص۴۴۳ باب الاعتکاف) ۱؎

معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جا سکتا ہے

سوال:۔ اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور کی مسجد تک جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر(شہر) جانے کی اجازت ہے اگر مصر دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کے لیے روانہ ہو سکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیے کہ وہاں پہنچ کر تسلی کے ساتھ سُنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لیے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

قال فی الهندیة : ویخرج للجمعة حین تزول الشمس ان کان معتکفه قریبًا من الجامع بحیث لو انتظر زوال الشمس لا تفوته الخطبة والجمعة واذا کان بحیث تفوته لم ینتظر زوال الشمس لکنه یخرج فی وقت یمکنه ان یأتی الجامع فیصلی اربع رکعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعة یمکث بقدر ما یصلی اربع رکعات اوستا علی حسب اختلافهم فی سنة الجمعة ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف) ۲؎

اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا

سوال:۔ اگر اعتکاف کے دوران تعلیم کی ضرورت پڑے تو معتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل بعض امور کے کرنے کو مشروط کرلے تو

۱؎ قال العلامة عالم بن العلاءؒ :۔ واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر اوبغیر عذر ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف۔

۲؎ قال العلامة طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ :۔ وعن محمدؒ انه ان کان منزله بعیدًا من الجامع یخرج حین تری انه یبلغ الجامع عند النداء وان کان خروجه قبل الزوال هو الصحیح ۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۱ باب الاعتکاف ۔

اس دوران اس کے لیے وہ عمل کرنا جائز ہوگا اور اس سے اس کا اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ:۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الیٰ عیادۃ المریض و صلوٰۃ الجنازۃ وحضور العلم یجوز لہٗ ذٰلک۔

(فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف) [1]

بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال:۔ اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثہ کی وجہ سے اعتکاف کا چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جان ومال یا اہل وعیال کے کسی ممکنہ یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے ایسی حالت میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہو جائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لما قال العلامۃ فخر الدین الزیلعیؒ:۔ وکذا لو خرج للجنازۃ یفسد اعتکافہ وکذا لصلوٰتہا ولو تعینت علیہ او لانجاء الغریق او الحریق او الجہاد اذا کان النفیر عاماً او لاداء الشہادۃ کل ذٰلک مفسد بخلاف الخروج لحاجۃ الانسان لانہا معلومۃ الوقوع فتکون مستثناۃ ولہٰذا لو انہدم المسجد الذی ہو فیہ فانتقل الیٰ مسجد آخر لم یفسد اعتکافہ للضرورۃ لانہ لم یبق مسجداً بعد ذٰلک ففات شرطہ وکذا لو تفرق اہلہ لعدم الصلوات الخمس فیہ ولو اخرجہ ظالم کرہاً او خاف علیٰ نفسہ او مالہ من المکابرین فخرج لا یفسد اعتکافہ۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۵۱ باب الاعتکاف) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلوٰۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذٰلک فلیحفظ۔ (الدر المختار ج۲ ص۱۴۶ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ طحطاوی ج۱ ص۴۸۲

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولما لا یغلب کانجاء غریق وانہدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لکان النسیان اولیٰ بعدم الفساد کما حققہ الکمال خلافاً لما فصلہ الزیلعی وغیرہ۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قولہ خلافاً لما فصلہ الزیلعیؒ حیث جعل الخروج لعیادۃ المریض والجنازۃ وصلوٰتہا وانجاء الغریق والحریق والجہاد اذا کان النفیر عاماً واداء الشہادۃ مفسداً بخلاف خروجہ الیٰ مسجد آخر بانہدام المسجد او تفرق اہلہ لعدم صلوٰۃ الخمس فیہ واخراج ظالم کرہاً وخوفہ علیٰ نفسہ او مالہ من المکابرین۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتکاف)

اخراجِ ریح کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سوال:۔ ظاہر ہے کہ مسجد میں ریح نکالنا مناسب نہیں، کیا معتکف اس کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اخراجِ ریح اگرچہ بالاتفاق مکروہ ہے لیکن طبعی تقاضے کی وجہ سے معتکف کے بارے میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض فقہاء اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے نکلنا افضل مانتے ہیں جبکہ بعض فقہاء مسجد سے نکلنے کو منع کرتے ہیں، اگرچہ سب کے ہاں مسجد ہی میں ریح نکالنا مرخص ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے باہر نکلے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (تحت قوله ولا البول والفصد فيه) وكذا لا يخرج فيه الريح من الدبر كما في الاشباه واختلف فيه السلف فقيل لا بأس وقيل يخرج اذا احتاج اليه وهو الاصح حموي عن شرح الجامع الصغير للتمرتاشي۔ (رد المحتار ج۱ ص۴۸۶ مطلب في احكام المسجد) [1]

بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم

سوال:۔ کسی آدمی کا بھول کر اپنے معتکف سے نکلنے کی وجہ سے اس کے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بھول کر معتکف سے نکلنا صاحبین کے نزدیک مفسدِ اعتکاف نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف باقی نہیں رہتا، احتیاط اسی میں ہے۔

قال برهان الدینؒ:۔ ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابي حنيفةؒ رحمه الله تعالىٰ لوجود المنافي وهو القياس وقالا لا يفسد۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۲ باب الاعتكاف) [2]

---

[1] لما في الهندية: سئل ابوحنيفةؒ عن المعتكف اذا احتاج الى الفصد او الحجامة هل يخرج فقال لا وفي الكبرى واختلف في الذي يفسو في المسجد فلم ير بعضهم بأساً وبعضهم قالوا لا يفسو ويخرج اذا احتاج اليه وهو الاصح كذا في التمرتاشي۔ (الفتاوى الهندية جلد۵ ص۳۲۱ كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد)
وَمِثْلُهٗ في امداد الفتاوىٰ ج۲ ص۱۵۶ باب الاعتكاف۔

[2] قال العلامة شيخ الاسلام ابي بكر بن علي رحمه الله:۔ وكذا اذا خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابي حنيفة لوجود المنافي وعندهما لا يفسد۔
(الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۸۰ باب الاعتكاف۔)
وَمِثْلُهٗ في فتح القدير ج۲ ص۳۱۰ باب الاعتكاف۔

حقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں

سوال:۔ اگر معتکف حقہ پینے کا عادی ہو تو کیا اس کے لیے حقہ پینے کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقہ نوشی کوئی ایسی چیز نہیں جو معتکف کے حوائج طبعی میں شمار ہو سکے جس کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص ہو، اگر مسجد کے احاطہ میں کھڑے ہو کر دھواں باہر نکالنا ممکن ہو تو تطبیق کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، ورنہ مسجد سے محض اس کے لیے نکلنا یا مسجد میں حقہ پینا معتکف کو زیب نہیں دیتا، تاہم دورانِ اعتکاف ایسی چیزوں کا استعمال آزمائش سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ (الخروج الا لحاجة الانسان) طبیعة کبول وغائط وغسل لواحتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد اوشرعیة کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ...... فلو خرج ولو ناسیًا ساعة زمانیة لا رملیة کما مر بلا عذر فسد۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۴۸ باب الاعتکاف) [1]

معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا

سوال:۔ اگر معتکف کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں کسی سے باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی معتکف کسی ضرورت کے تحت مسجد سے باہر نکل کر چند باتیں کرلے تو اس سے اعتکاف پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا البتہ اگر بلاضرورت باتوں کیلئے ٹھہر جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا تاہم بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ واما التکلم بغیر خیر فانه یکرہ لغیر المعتکف فما ظنك للمعتکف۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۴ باب الاعتکاف) [2]

---

[1] لما قال العلامة عماد بن حسن الشرنبلالیؒ:۔ ولا یخرج منه) من معتکفه فیشمل المرأة...الا لحاجة شرعیة کالجمعة..... اوحاجة طبعیة کالبول والغائط وازالة نجاسة..... فان خرج ساعة بلاعذر فسد الواجب۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۷۹ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی کفایت المفتی ج۴ ص۲۳۲ باب الاعتکاف۔

[2] قال طاهر ابن احمد ابن عبد الرشیدؒ:۔ واذا اخرج لبول اوغائط لایمکث فی منزله بعد الفراغ من الطهور۔ (خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۶۷ باب الاعتکاف۔

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۸۱ باب الاعتکاف

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال: مسجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے بوس وکنار سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: جماع مفسدِ اعتکاف ہے البتہ دواعی جماع (بوس وکنار) مفسدِ اعتکاف نہیں مگر اس کا ارتکاب حرام ضرور ہے، تاہم اس دواعی سے اگر انزال ہو جائے تو اس صورت میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبطل بوطئ فی فرج انزل ام لا ولو کان وطؤہ خارج المسجد لیلا اونہاراً عامداً او ناسیاً فی الاصح لان حالتہ مذکرۃ وبطل بانزال بقُبلۃ اولمس وتفخیذ ولو لم ینزل لم یبطل وان حرم الکل لعدم الحرج ۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ (وان حرم الکل) ای کل ماذکر من دواعی الوطء اذ لایلزم من عدم البطلان بہا حلہا ۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۴۵۰ باب الاعتکاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا

سوال: کیا اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب: حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویکرہ تحریماً صمت ان اعتقدہ قربۃ والا لا وتکلم الا بخیر وھو مالا اثم فیہ ومنہ المباح عند الحاجۃ الیہ لا عند عدمہا الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتکاف)

---

[1] وفی الہندیۃ: (ومنہا الجماع ودواعیہ) فیحرم علی المعتکف الجماع ودواعیہ نحو المباشرۃ والتقبیل واللمس والمعانقۃ والجماع فیما دون الفرج واللیل والنہار فی ذلک سواء والجماع عامداً او ناسیاً لیلاً اونہاراً یفسد الاعتکاف انزل أو لم ینزل وماسواہ یفسد اذا انزل وان لم ینزل لا یفسد ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف)

ومِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۱۶ کتاب الاعتکاف ۔

کیا محلّے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے؟

سوال:۔ کیا رمضان المبارک میں محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان کے مہینے میں اعتکاف مسنون علی الکفایہ ہے لیکن فقہی ذخائر میں اس بات کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری ہے کہ ہر محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے جو انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی طرح اعتکاف بھی ہر محلے کی ہر مسجد میں مسنون ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله سنة علی الکفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا اقام بها البعض سقط الطالب عن الباقین فلم یأثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولو کان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔
(ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۴۲ فصل فی الاعتکاف) [1]

وقال ایضاً (تحت قوله والجماعة فیها سنة علی الکفایة) افاد ان اصل التراویح سنة عین (الی ان قال) وهل المراد انها سنة کفایة لاهل کل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها او من المحلة ظاهر کلام الشارح الاول واستظهر الثانی ویظهر لی الثالث لقول المنیة حتی لو ترک اهل محلة کلهم الجماعة فقد ترکوا السنة واساؤا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۳ فصل فی التراویح)

معتکف کا اذان کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا

سوال:۔ اگر اذان خانہ مسجد سے باہر ہو تو کیا مؤذن جو کہ مسجد میں معتکف ہے اذان کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معتکف کا بلا ضرورت شرعی وطبعی کے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، چونکہ اذان دینا ایک امر شرعی ہے اسلیے اذان کے لیے مسجد سے باہر اذان خانے کو جا سکتا ہے اور اس سے اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: اوشرعیة ای تخرج لحاجة شرعیة کعید واذان لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۴۸ باب الاعتکاف)

---

[1] قال العلامة ابن همامؒ: وصعود المئذنة ان کان بابها من خارج المسجد لا یفسد فی ظاهر الروایة وقال بعضهم هذا فی حق المؤذن لان خروجه للاذان معلوم فیکون مستثنیٰ اما غیره فیفسد اعتکافه وصحح قاضیخان انه قول الکل فی حق الکل۔
(فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱۱ باب الاعتکاف) ـــ ومثلهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۹ الباب السادس فی الاعتکاف۔

عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ علماءِ احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہمارے علاقے کے گھروں میں عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی اور وہ ہر پردہ کی جگہ میں نماز ادا کر لیتی ہیں، تو کیا وہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں اُسی جگہ اعتکاف کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگا کر اعتکاف کر سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لیے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں، جہاں بھی ممکن ہو نماز بلا کراہت ادا کی جا سکتی ہے، تاہم جہاں تک ہو سکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او لبث امرأة فی مسجد بیتها۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله فی مسجد بیتها وهو المعد لصلاتها الذی یندب لها و لکل احد اتخاذه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۱ باب الاعتکاف)[1]

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار و رسائل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں جبکہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے، تو کیا خبریں سننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو بار بار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائرڈ ٹیچر ہے اس لیے وہ اپنے اس فعل کو مجتہد کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ برائے مہربانی تقدسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

---

[1] وفی الهندیة: المرأة تعتکف فی مسجد بیتها اذا اعتکفت فی مسجد بیتها فتلك البقعة فی حقها کمسجد الجماعة فی حق الرجل لا تخرج منه الا لحاجة الانسان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۱ الباب السابع فی الاعتکاف)

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد رضاء الٰہی ہے اس لیے اعتکاف کے دوران اُن عبادات میں مشغول ہونا چاہیئے جو رضاء الٰہی کا باعث بنتی ہوں۔ فقہاء کرام نے معتکف کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت، احادیثِ مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور نوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے، لہٰذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیئے نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور آلاتِ لہو و لعب لے جانا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے کسی معتکف کو ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمه الله: تکلم إلا بخیر وهو ما لا اثم فیه ومنه المباح عند الحاجة الیه لا عند عدمها......... کقرأة قرآن وحدیث وعلم وتدریس فی سیر الرسول علیه الصلٰوة والسلام وقصص الانبیاء علیهم السلام وحکایة الصالحین وکتابة امور الدین۔[1]

{الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۹، ۴۵۰ باب الاعتکاف}

بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

سوال:۔ عمومی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اعتکاف کے لیے ایک جگہ مخصوص کرتے ہیں، کیا جگہ مخصوص کرنے کے بعد بحالتِ اعتکاف اُس جگہ کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتا ہے، حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمنؒ: تمام مسجد میں جہاں چاہے (اعتکاف) بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۲ باب الاعتکاف)

---

[1] وفی الهندیة: ویلازم التلاوة والحدیث والعلم وتدریسه وسیر النبی صلی الله علیه وسلم والانبیاء علیهم السلام واخبار الصالحین وکتابة امور الدین۔

{الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف}

معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے

سوال:۔ کیا سردی کے دنوں میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے، تمام مسجد مُعتَکفُ کے لیے مُعتَکَفُ ہے، لہٰذا مُعتکِف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے اگرچہ مخصوص جگہ کے علاوہ ہی ہو۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمٰنؒ:۔ مُعتَکِفُ جس مسجد میں مُعتَکفُ ہے اُس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۳ باب الاعتکاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں کھانا لانے کیلئے گھر جانے اور وہاں منہیات کا ارتکاب کرنے والے کے اِعتکاف کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کا ایک شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کیلئے محلے کی مسجد میں بیٹھ گیا۔ چونکہ اس کے لیے گھر سے سحری اور افطاری لانے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے اسے خود ہی سحری اور افطاری لانے کے لیے گھر جانا پڑتا، ایک دن سحری لانے کیلئے جب وہ گھر گیا تو لاعلمی میں اس نے ضرورت سے زیادہ وقت گزارا اور اپنی بیوی کا بوسہ بھی لیا لیکن جماع نہیں کیا۔ اِس پر مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ آپ کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے اسلئے آپ اس کی قضاء کریں۔ آنجناب سے التجاء ہے کہ کیا یہ شخص تمام دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گا یا صرف اسی دن کی؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا اعتکاف کی قضاء غیر رمضان میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص رضاِ الٰہی کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں معتکف ہو جائے تو وہ بلا ضرورتِ شرعی یا دنیاوی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری یا افطاری لانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے لیکن اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہو تو پھر خود بھی جا سکتا ہے مگر بقدرِ ضرورت یعنی صرف سحری یا افطاری اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

---

[1] قال العلامۃ الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں بلکہ عبادتِ نافلہ و ذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے۔
(امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۴۵ باب الاعتکاف)

کما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

ضرورت سے زیادہ تاخیر نہ کرے اور نہ اُن اوامر کا ارتکاب کرے جو شرعاً اعتکاف کے دوران ممنوع ہیں، مثلاً بیوی سے جماع کرنا یا دعاوی جماع کرنا وغیرہ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے حالتِ اعتکاف میں دو منہیات کا ارتکاب کیا ہے (۱) سحری لاتے وقت بلاضرورت گھر میں ٹھہرا۔ (۲) اپنی منکوحہ کا بوسہ لیا۔ اس لیے اس کا اس دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وخص المعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ ۔۔۔ فلو خرج لاجلھا فسد لعدم الضرورۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۴۵ باب الاعتکاف)

اس لیے اس پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا کر ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ نیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔

(ردالمحتار ج۲ ص۱۴۳ کتاب الصوم۔ باب الاعتکاف)

قضا چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں، لیکن غیر رمضان میں اعتکاف کی قضا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس دن روزہ بھی رکھے۔

كتاب الحج

مصر کے مشہور استاد خطاط محمد حسنی کا خط ثلث کا ایک نادر نمونہ

باب شرائط الحج وارکانہ

(حج کے شرائط وارکان کے بارے میں)

حج کی فرضیّت کا وقت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں مال خرچ ہوگیا تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرضیتِ حج کے لیے اشہرِ حج میں مالِ کثیر کا مالک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ آدمی اشہرِ حج میں مال کا مالک بنا تھا اس لیے اس پر حج فرض ہوگیا ہے، البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہرِ حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلۂ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہوگا۔

قال الامام ابن همامؒ:۔ والاولیٰ ان یقال اذا کان قادرًا وقت خروج اهل بلده ان کانوا یخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة اوقادرًا فی اشهر الحج ان کانوا یخرجون فیها ولم یحج حتی افتقر تقرر دینًا۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۱ کتاب الحج) [1]

ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زمین اس کی ضروریات سے زائد ہے تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصارفِ حج ادا کرنے کے بعد اتنی زمین باقی رہتی ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی معاشش کے لیے کافی ہو تو اس پر حج فرض اور لازمی ہے۔

وفی الهندیة:۔ ان کان له من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزاد والراحلة ذاهب

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله علیٰ مسلم الاوّل شروط الوجوب والوقت ای القدرة فی اشهر الحج او فی وقت خروج اهل بلدة علیٰ ما یأتی۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۸ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال الحرام)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۱۹ کتاب المناسک، الباب الاوّل۔

وحاجّاً ونفقة عياله واولاده ويبقى له من الصنيعة قدر ما يعيش بغلّة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۲۱۸ الباب الاول فی تفسیر الحج)[1]

زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال:۔ میری کچھ زمین ہے اُس سے جو سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے صرف میرا خرچہ پورا ہوتا ہے تاہم اگر زمین کی قیمت لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے، کیا اس قیمت کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے صرف زمین کی قیمت پر حج فرض نہیں ہوتا البتہ اگر زمین کی آمدنی اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے اہل و عیال کا اور حج کے لیے آمد ورفت کا خرچہ پورا ہوتا ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ:۔ اذا قدر على الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده۔ (الهداية ج ۱ ص۲۱۲ كتاب الحج)[2]

صرف تصرّف کا اختیار حج کی فرضیت کے لیے کافی نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت کی اولاد مالدار ہے اور ماں کو بھی اولاد کے مال پر تصرّف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، تو کیا اس اختیار کی وجہ سے اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر اس عورت کے پاس مال بطورِ مِلک ہو اور اس میں شرائطِ حج بھی پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے، صرف مال پر اختیار ہونے کی وجہ سے شرعاً حج فرض

---

[1] وقال قاضيخان:۔ وان كان صاحب صنيعة ان كان له من الضياع لو باع مقدار ما يكفي لزاد والراحلة ذاهباً وجائياً ونفقة عياله واولاده ويبقى له من الصنيعة قدر ما يعيش بغلّة الباقي يفترض عليه الحج والا فلا۔ (الفتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیہ ج ۱ ص۲۸۱ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۴ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلة عما لا بد منه وفضلا عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

نہیں ہوتا۔

واما شرائط الوجوب منها الاسلام ومنها العقل ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۷ كتاب الحج، الباب الاول فی تفسير الحج) ؎۱

مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، کیا اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک بھائی حج کرسکتا ہے؟ نیز مشترکہ مال پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مشترکہ کاروبار کے اس منافع کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور پر حج فرض نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصكفیؒ:۔ على مسلم ذی زاد، الخ۔ وراحلة فضلاً عما لابد منه و فضلاً عن نفقة عياله الخ الى حين عوده۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۵۸ كتاب الحج) ؎۲

حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہوجاتا ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے اور وہ ۴/۱ حصہ رقم جمع کراتا ہے باقی رقم حکومت اپنی جانب سے ادا کرتی ہے لہٰذا اگر یہ شخص اس طرح حج کرے تو کیا یہ حج فرض حج شمار ہوگا یا نفل؟

الجواب:۔ اس سفر سے اس کا حج فرض ادا ہوکر اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، کیونکہ

؎۱ قال العلامة التمرتاشیؒ: على مسلم ذی زاد وراحلة وفضلاً عن نفقة عياله الى حين عوده۔ (تنوير الابصار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۱ كتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ كتاب الحج۔

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ شرائط وجوب الحج العقل والبلوغ والحرية والاستطاعة وتكلموا فی تفسير الاستطاعة۔ قال ابوحنيفةؒ فی ظاهر رواية تفسيرها سلامة البدن وملك الزاد والراحلة۔ (فتاوى تاتارخانيه ج۲ ص۴۲۹ كتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج۔

حکومت نے جو رقم دی ہے وہ حج بدل کے لیے نہیں بلکہ بطور تعاون دی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ:۔ بخلاف ما لو خرج لیحج عن نفسه وفقیر جاز عنه وصوله الی المیقات صار قادرًا لقدرة نفسه وفیه ایضًا الا فانی اذا وصل الی المیقات فهو کالمکی۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۰ کتاب الحج) له

حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص کے مال میں حرام مال کا اختلاط ہے اب وہ حج کرتا ہے تو اس کے لیے کسی سے کچھ رقم قرض پر لیتا ہے لیکن جب قرض ادا کرتا ہے تو حرام مال سے ادا کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا حج صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ وجوب حج کے لیے مالِ حلال یا مخلوط مال کا ہونا ضروری ہے چونکہ اس شخص نے قرض (مالِ حلال) سے حج کیا تو اس کا حج صحیح ہے اگرچہ اس شخص نے قرض کو مالِ حرام سے واپس کیا ہو تاہم اس طرح کی حیلہ بازیوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اذا اراد الرجل ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی الحج) ؎۲

چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور جب اسے غناء حاصل ہو اور اس پر حج فرض ہو جائے تو کیا یہ شخص اس مال سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے کل مال اس کی ملک میں

له قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ:۔ والفقیر اذا حج ماشیا ثم ایسر لا حج علیه۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۳۷ کتاب الحج۔ الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسك الباب الاول۔

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ:۔ واذا اراد ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۵۲۶ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات)
ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج۔

داخل ہوگیا ہے تو وجوب کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے، اسلئے حج سے بچنے کیلئے مالِ حرام کی موجودگی کا بہانہ نہ بنائے بلکہ حج ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کالحج بمال حرام) لیس الحرام بل حرام هو الانفاق للمال الحرام ولا تلازم بینهما۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۶ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام) ۱؎

حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض تھا لیکن بعض عوارض کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکی جبکہ اب وہ تنگدست ہوچکی ہے، کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اُس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرلے تو کیا اُس سے حج ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے، تنگدست ہو جانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا زندگی میں حج کرنا ضروری ہے اور اگر حج نہ کرسکا تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

ومنها المحرم للمرأة شابة کانت او عجوزاً اذا کانت بینها وبین مکة ثلاثة ایام، هکذا فی المحیط۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۱۹ کتاب الحج)

وقال ایضاً:۔ واما شرائط وجوبه منها الاسلام حتی لو ملک به الاستطاعة حال کفره ثم اسلم بعد ما افتقر لا یجب علیه شئ بتلک الاستطاعة بخلاف ما لو ملکه مسلماً فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دَیناً علیه۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۱۷ کتاب المناسک، الباب الاول) ۲؎

۱؎ وفی الهندیة: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال فانه لا یقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه یسقط الفرض معها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج۔

۲؎ قال العلامة ابن همامؒ:۔ بخلاف ما لو ملکه مسلماً فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمته دیناً علیه۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۳۲ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس زمین کے علاوہ مکانات بھی ہیں جو حوائج اصلیہ سے زائد ہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: زرعی زمین، مکانات اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو اس پر حج فرض ہے لہٰذا یہ شخص فریضۂ حج ادا کرے تاہم اگر حج ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلة عما لا بد منه وفضلاً عن نفقة عياله الخ الیٰ حين عوده۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) [1]

بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغہ لڑکی ہے جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا زید گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لیے کثیر مال خرچ کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی یہ حج کے لیے مانع شرعیہ میں سے ہے، لہٰذا جب زید پر شرعاً حج فرض ہو چکا ہے تو اس کے لیے حج پر جانا ضروری ہے۔

قال فی الهندية: ومنها القدرة علی الزاد والراحلة بطريق الملك والاجارة۔ الخ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج۔) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: اذا قدر علی الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الیٰ حين عوده۔
(الهداية ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن عابدينؒ: (علیٰ مسلم) تحت هٰذه العبارة الاول شروط والوجوب اذا وجبت بتمامها وجب الحج والا فلا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۵۹ کتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

صاحبِ استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانع حج نہیں

سوال: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضہ حج ادا کرسکتا ہوں، اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لیے پیسے نہیں بچتے، کیا اس وقت مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا ؟

الجواب: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضۂ حج کے لیے مانع بنے، جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مناسب رقم موجود ہے تو اس پر حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: ھو فرض بشرط حریۃ و بلوغ وعقل وصحۃ وقدرۃ و زاد وراحلۃ وفضلت عن مسکنہ۔ وفی قولہ وما لا بد منہ اشارۃ الیٰ ان المسکن لا بد ان یکون محتاجاً الیہ لسکنٰی فلا یثبت الاستطاعۃ بدار یسکنھا وعبد یستخدمہ وثیاب یلبسھا و متاع یحتاج الیہ وتثبت الاستطاعۃ بدار یسکنھا وعبد لا یستخدمہ فعلیہ ان یحج۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ کتاب الحج) ۱؎

اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوبِ حج سے مانع نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اس سال بمع اہلیہ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے لیکن اتفاق سے میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی بن سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذرِ شرعی نہیں جو وجوبِ حج سے مانع بنے، لہٰذا جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وفی الاشباہ ومع الف وخاف العزوبۃ ان کان قبل خروج اھل بلدہ فلہ للتزوج ولو وقتہ لزم الحج۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) ۲؎

۱؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان لم یکن لہٗ مسکن ولا شئ من ذٰلک وعندہ دراھم تبلغ بہ الحج وتبلغ الثمن مسکنھا وخادم وطعام وقوت وجب علیہ الحج وجعلھا فی غیرہ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج قبل مطلب فی قولھم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاوّل فی شرائط الوجوب۔

۲؎ وفی الھندیۃ: اذا وجد ما یحج بہٖ وقد قصد التزوج یحج بہٖ ولا یتزوج لان الحج فریضۃ اوجبھا اللہ تعالیٰ علیٰ عبدہٖ کذا فی التبیین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسک الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاوّل فی شرائط الوجوب۔

سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں

سوال:- ایک شخص کاروبار کی غرض سے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہا اور چند عمرے بھی کر لیے لیکن کسی وجہ سے سعودی حکومت نے گرفتار کر کے وطن واپس بھیجدیا، کیا اس آدمی پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:- حج کی فرضیت کے لیے استطاعتِ حج ہونا ضروری ہے صرف سعودی عرب جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، چونکہ اس شخص نے نہ احرام باندھا ہے اور نہ ایامِ حج تک وہاں رہا ہے لہٰذا اس شخص پر حج فرض نہیں۔

کما هو فی الهندیة: ثمّ ذکر من شرائط الوجوب الحج عن الزاد والراحلة وغیر ذٰلك یعتبر وجودها وقت خروج اهل بلده الی مکة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج)[۱]

عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں

سوال:- ایک عورت پر حج فرض تھا اُس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب:- اگر اس عورت پر شرعاً حج فرض تھا تو اس کا بغیر اجازتِ شوہر کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرمًا ولا یأذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۵۴ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)[۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: وقت خروج اهل بلدها وکذا سائر الشرائط۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انه لیس له منعها عن حجة الاسلام واذا وجدت محرمًا لانه حقه لا یظهر فی الفرائض بخلاف التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۲ ص۲۱۹ کتاب الحج۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج۔

عورت کا کراچی سے جدّہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی سعودی عرب سے اپنی والدہ کے لیے حج کا داخلہ کرے اور اس کی والدہ کراچی سے جدّہ تک بلا محرم سفر کرے اور حج اپنے بیٹے کے ساتھ ادا کرے تو اس کا حج شرعاً ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت کا بغرضِ حج کراچی سے جدّہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے تاہم اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھة۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج) [1]

عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں

سوال:۔ میرا خاوند بیمار ہے کیا میں حج کے لیے اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے بہنوئی چونکہ شرعاً محرم نہیں اس لیے بہنوئی کے ساتھ فریضۂ حج کے لیے کسی بھی عورت کا جانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لیے جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

ومنھا المحرم للمرأة شابة کانت عجوزاً اذا کانت بینھا و بین مکة ثلاثة ایام ھٰکذا فی المحیط وان کان اقل من ذٰلک حجت بغیر محرم والمحرم الزوج ومن لا یجوز مناکحتھا علی التابید بقرابة او رضاع او مصاھرة کذا فی الخلاصة۔

(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [2]

---

[1] وفی الھندیة: ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج ام لادائه بعضھم جعلوھا شرط للوجوب وبعضھم شرط لادائه وھو الصحیح۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ومع زوج او محرم وفی ردّ المحتار والمحرم من لا یجوز له مناکحتھا علی التابید بقرابة او رضاع او صھریة۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۴ کتاب الحج مطلب فی قولھم یقدم حق العبد)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

عورت کیلئے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم

سوال:۔ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، خاوند کی زندگی میں وہ حج ادا کر چکی ہے اب وہ دوبارہ حج کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ اپنے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔عورت کے لیے حج پر جانے کے لیے کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، خاوند کا بھائی اور بھتیجا چونکہ محرم نہیں اس لیے عورت کا ان کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

ومنها المحرم للمرءة شابة كانت او عجوزاً اذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة ايام۔ هكذا في المحيط وان كان اقل من ذلك حجت بغير محرم والمحرم او الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او مصاهرة كذا في الخلاصة۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول في تفسير الحج) ؎۱

عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کیلئے نہیں جا سکتی

سوال:۔کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس کا خاوند، بھائی وغیرہ نہیں ہے، کیا وہ اپنے غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔جب تک اس عورت کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو اس وقت تک اس پر حج فرض نہیں اور یہ کسی غیر محرم پڑوسی کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويعتبر في المرءة ان يكون لها محرم تحج بها او زوج ولا يجوز لها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة سيرة ثلاثة ايام۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۳ كتاب الحج) ؎۲

؎۱ قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج او محرم۔ وفي رد المحتار والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد لقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)
وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

؎۲ قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج او محرم مع وجوب النفقة لمحرمها عليها الخ لا امرأة (وفي حاشيته) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج)
وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حالتِ سفر میں محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے، دیور اور شوہر کا چچا محارم نہ ہونے کی وجہ سے عورت شرعاً ان کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی، اس لیے کسی بھی عورت کا اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ویؤیدہ حدیث صحیحین لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الامع ذی محرم علیہا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)[۱]

رہن کے پیسوں سے حج کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی زمین رہن پر دے دی اس مرہونہ سے جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ اس رقم سے حج کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں، البتہ حج نام ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کا، چاہے جس مال بھی ہو، اولیٰ یہی ہے کہ حلال مال سے ہو البتہ حرام مال سے حج کرنے سے بھی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے اس لیے راہن کا رہن کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔

وفی الہندیۃ: ویجتہد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لایقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انہ یسقط الفرض معہا وان کان مغصوبۃ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک الباب الاول)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ: (تحت ھذہ العبارۃ) ومحرم اوزوج لامرأۃ فی سفر ای وبشرط محرم الی آخرہ۔ کما فی الصحیحین لاتسافر امرأۃ الا ومعہا محرم وزاد مسلم فی روایۃ اوزوج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۴ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۸،۲۱۹ الفصل الاول فی تفسیر الحج۔

[۲] قال ابن نجیم المصریؒ: ویجتہد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لایقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الحج۔ مطلب فیمن حج بمال الحرام۔

صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہو جاتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے زید سے کہا کہ تم حج کی نیت کرو ہم تم کو حج کے لیے بھیج دیں گے، زید نے حج کی نیّت کی مگر انہوں نے زید کو حج کے لیے نہیں بھیجا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف نیّت کر لینے سے حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ صرف نیّت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ پڑھا ہو، لہٰذا زید پر صرف نیّت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوا ہے۔

وفی الهندیة:۔ ولا یصیر شارعًا بمجرد النیّة ما لم یأت بالتلبیة او ما یقوم مقامها۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۲۲۲ کتاب المناسک۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [1]

خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا

سوال:۔ عورت پر حج فرض ہونے کے بعد اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حج ایک عبادت ہے جو مالدار مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اس کی ادائیگی کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہو جائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کر سکتی ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو۔

وفی الهندیة: وعند وجود المحرم کان علیها ان یحج حجة الاسلام وان لم یأذن لها زوجها۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج) [2]

والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نفلی حج کے لیے جانا چاہتا

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولا یصیر داخلاً فی الاحرام بمجرد النیّة ما لم یضم الیه التلبیة او یسوق هدیًا۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج ۲ ص ۴۳۹ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب الحج۔ باب الاحرام۔

[2] قال الشیخ ابن عابدینؒ: ولیس لزوجها منعها عن حجة الاسلام (ای اذا کان معها محرم والا فله منعها۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الحج۔ مطلب فی قولهم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۵ کتاب الحج۔

ہے لیکن والدہ اجازت نہیں دیتی، تو کیا زید والدہ کی اجازت کے بغیر نفلی حج کے لیے جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے والدین کی اطاعت و فرمانبرداری پر بہت زور دیا ہے لہٰذا زید کو نفلی حج ادا کرنے کے لیے والدہ سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے جانا کراہت سے خالی نہیں البتہ فرض حج کے لیے والدہ یا کسی اور کی اجازت ضروری نہیں۔

وفی الھندیۃ: ویکرہ الخروج الی الحج اذا کرہ احد ابویہ ان کان الوالد محتاجاً الی خدمۃ الولد وان کان مستغنیاً عن خدمتہ فلا بأس ... وفی الملتقط حج الفرض اولیٰ من طاعۃ الوالدین وطاعتھما اولیٰ من حج النفل۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۱ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)[1]

نفلی حج کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت فرض حج ادا کر چکی ہے، اب وہ نفلی حج ادا کرنا چاہتی ہے، اس عورت کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض حج کی ادائیگی کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں البتہ عورتوں کیلئے نفلی حج ادا کرنے میں اپنے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو، خاوند سے اجازت لیے بغیر عورت کا نفلی حج پر جانا درست نہیں۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرما ولا یأذن لھا زوجھا ان تخرج فلھا ان تخرج بغیر اذنہ فی حجۃ الاسلام دون التطوّع۔

(فتاویٰ تاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۳۵ کتاب الحج الفصل الاوّل فی شرائط الوجوب)[2]

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ: (تحت ھٰذہ العبارۃ) ممن یجب استیذانہ کاحد ابویہ المحتاج الیٰ خدمتہ ــــ آگے فرماتے ہیں: وھٰذا کلھم فی حج الفرض اما حج النفل وطاعۃ الوالدین اولیٰ مطلقاً۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۲۲ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام)

وَ مِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۸ کتاب الحج۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انہ لیس لہ منعھا عن حجۃ الاسلام واذا وجدت محرماً لانہ حقہ لایظھر فی الفرائض بخلاف حج التطوع۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاوّل فی تفسیر الحج۔

نفلی حج افضل ہے یا صدقہ

سوال:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرنا افضل ہے یا اس رقم کو غرباء اور محتاجوں پر خرچ کرنا افضل ہے ؟

الجواب:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد فقراء و مساکین پر مال کو خرچ کرنا نفلی حج سے افضل و بہتر ہے خاص کر جہاں پر فقراء کو ضرورت زیادہ ہو۔

قال الشیخ ابن عابدینؒ : رووا فی البزازیۃ افضلیت الحج وحیث قال الصدقۃ افضل من الحج التطوّع واذاکان الفقیر مضطرًا الخ ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۶۱ کتاب الحج مطلب فی تفضیل الحج عن الصدقۃ) ۱؎

حائضہ عورت طوافِ زیارت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے ؟

سوال:۔ اگر کسی عورت نے بوجہ حیض طوافِ زیارت نہ کیا ہو تو کیا اس پر دم لازم ہے؟ کیا یہ عورت اب حلال ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے ، اگر حائضہ عورت حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرے تو اس پر ایک بدنہ (اُونٹ) دم آتا ہے اور اگر طوافِ زیارت کے بغیر ہی وطن واپس آگئی ہے تو یہ عورت حلال نہ ہو گی بلکہ اُسے دوبارہ مکہ مکرمہ جا کر طوافِ زیارت کرنا ہوگا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ :۔ اذا ترکہا جمیعا ان کان بمکۃ فانہ یعیدھا وان رجع الی اھلہ فھو محرم من النساء ابدًا فیعود الی مکۃ بذٰلک الاحرام ۔
(الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۱۸،۵۱۹ الفصل السابع فی الطواف والسعی) ۲؎

❖ ❖ ❖

۱؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ : قد یقال ان صدقۃ التطوّع فی زماننا افضل لما یلزم الحاج غالبًا من ارتکاب المحظورات ۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحرالرائق ج۲ ص۳۱۰ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۷۷ کتاب الحج ۔ الفصل العشرون فی المتفرّقات ۔

۲؎ قال الشیخ ابن عابدینؒ : ویمتد الوقت الی آخر العمر فان اخرہ عنہا ای ایام النحر ولیالیھا منھا کرہ تحریما ووجب الدم ولو لم یطف اصلاً لایحل لہ النساء وان طال ومضت سنون باجماع ۔
(ردّالمحتار ج۲ ص۵۱۸ مطلب فی طواف الزیارت)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات ، الفصل الرابع ۔

زمینِ حل میں رہنے والے کے لیے طوافِ قدوم کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی زمینِ حل میں رہتا ہو تو وہ طوافِ قدوم کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ قدوم جس کو طوافِ تحیۃ الکعبہ بھی کہا جاتا ہے ہر اُس شخص پر واجب ہے جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو چونکہ یہ شخص ارضِ حل میں رہتا ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہے اس لیے اس شخص کے لیے طوافِ قدوم کرنا ضروری ہے۔

وفی الهندیة: وهٰذا الطواف یسمّٰی طواف قدوم والتحیة واللقاء ولیس علٰی اهل مکّة طواف القدوم کذا فی الکافی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) [1]

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طوافِ وداع کا حکم

سوال:۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں ان لوگوں پر طوافِ وداع واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ وداع اُن لوگوں پر واجب ہے جو حج کے لیے باہر سے آتے ہوں اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں اُن پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد باهل مکة من اتخذ مکة او داخل المواقیت دار فلا طواف صدر علٰی من کان داخل المواقیت۔ (البحرالرائق ج۲ ص۳۵۱ باب الاحرام) [2]

فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم

سوال:۔ کیا نمازِ فجر اور عصر کے بعد احرام کی دو رکعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا جائز نہیں اس لیے نوافل ذوات الاسباب (احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی ممنوع ہے۔

---

[1] قال ابن عابدینؒ: للافاقی ای لا غیر فتح فلا یسن للمکی ولا لاهل المواقیت ومن دونها الی المکة۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۹۴ کتاب الحج، مطلب فی دخول مکه)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۳۳۲ باب الاحرام۔

[2] قال ابن عابدینؒ: ثم طواف الصدر (ای الوداع سبعة اشواط بلا رمل وسعی وهو واجب الا علٰی اهل مکة ومن فی حکمهم۔ (درالمختار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۳۵ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج۔

وفی الهندیة : ویصلی رکعتی الطواف فی وقت یباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)[1]

مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں احناف کے نزدیک نفل پڑھنا جائز نہیں احرام کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احناف کے ہاں جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو انہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب (مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی پڑھنا ممنوع ہے ۔

قال ابن عابدینؒ : ثم صلی شفعا فی وقت المباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)[2]

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج کے لیے روانگی کے وقت بخار کی وجہ سے احرام باندھنے سے قبل غسل نہیں کیا صرف وضو کرکے احرام باندھ لیا تو کیا اس سے زید کے حج میں کوئی نقص تو نہیں آیا ؟ اگر نقص آیا ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب : احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کرکے احرام باندھا جائے تو بھی حج میں کوئی نقص نہیں آتا ۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ : ویستحب عند ارادة الاحرام ان یقص شاربه واظفاره

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ثم صلی شفعا فی وقت مباح ۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لا تنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۲ کتاب الحج، باب الاحرام۔

[2] لما فی الهندیة : ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۱ باب الاحرام ۔

وفی الینابیع ویحلق عانة - ثمّ یغتسل اویتوضاء وفی الکافی فیقوم الوضوء مقام الغسل کما فی العیدین والجمعة - والغسل افضل وھذا الاغتسال لنظافة ولیس بواجب -

(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۴۱ الفصل الثالث فی اعمال الحج) [1]

احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ

سوال:۔ کیا احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔

قال الحصکفیؒ: ولبس ازار ورداء جدیدین اوغسیلین طاھرین۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: ابیض ککفن الکفایة وھذا بیان السنة والا فساتر العورة کاف۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج، فصل فی الاحرام) [2]

تبلیغ پر حج مقدم ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن میرا ارادہ ایک سال کے لیے جماعت میں جانے کا ہے، کیا میں پہلے حج کروں یا تبلیغ میں ایک سال لگاؤں؟

الجواب:۔ جب آپ پر حج فرض ہوچکا ہے تو آپ تمام چیزوں سے حج کو مقدم رکھیں، تبلیغ عذر شرعی نہیں۔ البتہ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کوشش کرکے آپ کسی ایسی جماعت میں تشکیل کرائیں جس میں حج ہو سکتا ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں آپ کے دونوں مقاصد پورے ہوجائیں گے۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ایھا الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۲۰ کتاب الحج) [3]

---

[1] قال الشیخ ابن الھمامؒ: واخرج ایضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من السنة ان یغتسل اذا اراد ان یحرم - (فتح القدیر ج۲ ص۴۲۹ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وما فی الکتاب بیان السنة والا فساتر العورة کاف فی المجمع واشارة بتقدیم الجدید الی افضلیة وکونہ ابیض افضل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۱ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام۔

[3] قال ابن عابدینؒ: الاوّل شروط الوجوب وھی التی اذا وجدت بتمامھا وجب الحج والا فلا وھی سبعة الاسلام والعلم بالوجوب لمن فی دار الحرب والبلوغ والعقل والحریة۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۸ مطلب فیمن حج بمال حرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۱۶ کتاب المناسك۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج۔

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت

سوال: میں نے پانچ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ حج کیا تھا جبکہ اب میں بالغ اور صاحب استطاعت ہوں، کیا مجھ پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: بلوغت سے قبل جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا کیونکہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اسلیے سوال ھٰذا کے مطابق بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ظبیان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخریٰ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۵ کتاب الحج) [۱]

فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حالتِ بلوغ اور فقر میں اپنے والد کے مال سے حج کیا ہے جبکہ اب زید خود غنی ہو چکا ہے، کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا پہلے حج سے فرضیت ساقط ہو گئی ہے؟

الجواب: فرض حج کی ادائیگی کے لیے غناء شرط نہیں، بلوغت کے بعد جب بھی یا جیسے بھی حج ادا کرے تو فرضیت ساقط ہو جائے گی، لہٰذا زید نے جو حج حالتِ فقر میں اپنے والد کے مال سے کیا ہے اُس سے حج فرض ہی ادا ہوا ہے، اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ للافاقی لا لمکی) ان الفقیر الافاقی اذا وصل الی المیقات فھو کالمکی فی انہ ان قدر علی المشی لزمہ الحج ولا ینوی النفل علیٰ زعمہ انہ فقیر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام) [۲]

---

[۱] لما فی الھندیۃ: ولو ان الصبیّ اذا حج قبل البلوغ فلا یکون ذٰلک حجۃ الاسلام ویکون تطوعًا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

[۲] وفی الھندیۃ: الفقیر اذا حج ماشیا ثم ایسر لا حج علیہ ھٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاوّل فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۷ الفصل الثانی عشر فی بیان رکن الحج۔

حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک آدمی حج کے لیے جاتا ہے لیکن وہ کچھ سامان وغیرہ بھی تجارت کی نیت سے ساتھ لے جاتا ہے، کیا ایسے آدمی کا حج صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج مخصوص نیت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص ارکان کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام ہے جو کہ اس شخص نے پورا کیا ہے لہٰذا اس کا حج صحیح ہے، تاہم حج میں تجارت کی نیت نہیں کرنی چاہیئے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج) [1]

۱۰ ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم

سوال:۔ عام طور پر قربانی سے فارغ ہوتے ہوتے منیٰ میں ہی شام ہو جاتی ہے، اب اگر عشاء کے بعد آدمی طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو واپس ہوتے ہوئے فجر ہو جائے گی اور رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر گذرے گا، تو کیا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت نہ کرے یا دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کرکے رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر مکہ میں گذارے؟ اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہائے کرام نے ذی الحجہ کے دسویں دن کے بعد آنے والی رات کو بھی دسویں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ اور عام فقہاء کرام کی تعبیر بھی یہی ہے کہ طوافِ زیارت کے بعد منیٰ کو واپس چلا جائے، نیز یہ پیشرفت رمی جمار کے لیے ہے اور رمی کا رتبہ طواف کے بعد ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ولیالیہا منہا) والمراد بلیلۃ کل یوم من ایام النحر اللیلۃ التی تعقب ذلک الیوم کما ان لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقب الوجود قلت وھذا علی اطلاقہ ظاھر فی حق الرمی فانہ اذا لم یرم نہاراً من النحر یرمی اللیلۃ التی تعقب فی ذلک۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۱۸ فصل فی الاحرام، مطلب فی طواف الزیارۃ) [2]

---

[1] لما فی الھندیۃ: وتجرید السفر عن التجارۃ احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابہ کذا فی البحرالرائق۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک۔ الباب الاول)

وَمِثْلُہٗ فِی احکام القرآن ج ۲ ص۳۰۹

[2] لما قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قولہ ولیالیہا منہا)..... والمراد بلیلۃ کل یوم من ایام النحر اللیلۃ التی تعقب ذلک الیوم فی الوجود کما ان لیلۃ یوم عرفۃ اللیلۃ التی تعقبہ فی الوجود۔ اھ

(الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص۵۰۸ کتاب الحج، فصل فی الاحرام)

حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت حج کے لیے جائے اور دورانِ حج اسے حیض آجائے تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ اور وہ ارکانِ حج کیسے ادا کرے گی؟

الجواب: حج کے دوران جب کسی عورت کو حیض شروع ہوجائے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف وسعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ تمام ارکانِ حج ادا کرے گی، مثلاً وقوفِ عرفات ومزدلفہ، رمی جمار وذبح وغیرہ، اور جب پاک ہوجائے تو پھر طوافِ زیارت وغیرہ کرے گی۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا حاضت المرأۃ عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت حتی تطہر لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا۔
(الھدایۃ ج ۱ ص۲۴۵ کتاب الحج) [1]

حائضہ عورت پر طوافِ صدر لازمی نہیں

سوال: زید کی زوجہ نے دورانِ حج حیض کی وجہ سے طوافِ صدر چھوڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے، اگر حائضہ طوافِ صدر ترک کردے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبیّ والحائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر) [2]

---

[1] قال ابن العلاء الانصاریؒ: والمرأۃ اذا حاضت فی الحج ان حاضت قبل ان تحرم وانتہت الی المیقات فانہا تغتسل فتحرم فاذا قدمت مکۃ وھی حائض تصنع کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت وتسعیٰ بین الصفا والمروۃ وتشھد جمیع المناسک۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۷۱ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۸ قبل باب القران)

[2] قال ابن العلاء الانصاریؒ: وکذلک لیس علی الحائض والنفساء طواف الصدر۔
(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۳ الفصل السابع فی الطواف والسعی)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۱ الباب الاحرام۔

حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر حج کے ایام میں سخت گرمی ہو اور کوئی حاجی گرمی کی شدت کی وجہ سے احرام کی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو کیا اس سے حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام میں ستر عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی حاجی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو حج پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکن ایستحب لمرید الاحرام...... لبس ازار ورداء علی ظهره...... وهذا بیان السنة والافستر العورة کاف۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۴۸۱ کتاب الحج فصل فی الاحرام)[1]

عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا

سوال:۔ حج میں رمی جمار کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا ہے جس میں عورتیں رمی جمار نہیں کر سکتیں، تو اگر مرد ان کی طرف سے رمی جمار کریں تو کیا اس سے دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں داخل ہے، اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر دم لازم نہیں ہوتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت پر دم واجب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ: اما اذا ترك واجب لعذر فانه لاشئ علیه۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۲۳ فصل فی الجنایات)[2]

رمی جمرات کیلئے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں وہیں سے اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ رمی جمار یعنی شیاطین کو مارنے کے لیے کنکریاں مزدلفہ یا راستے

---

[1] قال العلامة المفتی عزیز الرحمنؒ: ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علیحدہ کی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۲ تیسرا باب احرام)

[2] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ لو ترك شیئاً من الواجبات بعذر لا شئ علیه۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۷۵ کتاب الحج، باب الجنایات)

ومثلهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۳۴ فصل فی بیان واجبات الحج۔

سے اٹھا کر ساتھ لائے اُسی جگہ (یعنی جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں) سے نہ لے تاہم اگر وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے تو ایسا عمل مکروہ تنزیہی ہے۔

وفی الهندية: ويستحب ان يأخذ حصى الجمار من المزدلفة من الطريق ولا يرمى بحصاة اخذها من عند الجمرة فان رمى بها جاز وقد اساء۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۸ كتاب الحج)[1]

عرفات میں نمازِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ چلا جائے اور عشاء کی نماز وہاں ادا کرے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں عرفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا لازمی ہے اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفات کے میدان کے راستے میں ادا کرے تو نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولو صلى المغرب والعشاء في الطريق او في عرفات اعاده۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۵۰۹ كتاب الحج، مطلب فى اجابة الدعاء)[2]

عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر عرفات میں امام حج کی نماز پڑھانے کے بعد چند آدمی اکٹھے ہو کر جمع تقدیم یعنی ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنا چاہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات کے میدان میں جمع تقدیم کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) احرام (۲) عرفات کا میدان (۳) عرفہ کا دن (۴) امام اعظم یا ان کا نائب۔ ان شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز درست نہیں ہے، البتہ اگر اپنے اپنے اوقات میں اکیلے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وشرط لصحة هذا الجمع الامام الاعظم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلاليؒ: ويستحب أخذ الجمار من المزدلفة او من الطريق ويكره من الذى عند الجمرة۔ (مراقى الفلاح على صدر الطحطاوى ص۴۰۵ فصل فى كيفية افعال الحج)

[2] وفى الهندية: ولو صلى المغرب بعد غروب الشمس قبل ان يأتى المزدلفة فعليه ان يعيدها اذا أتى بمزدلفة فى قول ابى حنيفةؒ ومحمدؒ الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۳۰ فصل فى كيفية اداء الحج)

او نائبہ والا صلوا وحدانًا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۴ کتاب الحج، مطلب فی شروط الجمع بین الصلوٰتین)[1]

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا

سوال: عرفات سے مزدلفہ جانے کے بعد اگر چند لوگ اکٹھے ہو کر مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت جمع تاخیر کے ساتھ پڑھیں تو کیا ان کی یہ جمع بین الصلوٰتین صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: احناف کے ہاں عرفات میں جمع تقدیم کے اندر امام کا ہونا ضروری ہے مگر مزدلفہ میں یہ شرط نہیں ہے، اس لیے اگر چند آدمی اکٹھے ہو کر مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین یعنی مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھیں تو جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما لا احتیاج ھٰھنا للامام۔ قال ابن عابدینؒ: وشرائط ھٰذا الجمع لا حرام بالحج وتقدیم الوقوف علیہ الزمان والمکان والوقف الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۹ کتاب الحج، مطلب فی اجابة الدعاء)[1]

میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص کا احرام بہت گندا ہو جائے تو کیا وہ احرام بدل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حج میں احرام باندھنا ضروری امر ہے چاہے ایک ہی احرام باندھ کر حج ادا کرے یا تبدیل کر کے مناسکِ حج ادا کرتا رہے، اس تبدیلیٔ احرام کی وجہ سے حج پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تلبیہ جہراً پڑھے یا سراً، کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟

سوال: کیا عمرہ یا حج کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد تلبیہ بآوازِ بلند پڑھا جائے یا کہ آہستہ؟ کیا تلبیہ کا یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

---

[1] وفی الھندیة: ومنھا ان یکون الامام ھو الامام الاعظم او نائبہ وھو شرط عند ابی حنیفةؒ فلو صلی الظھر بجماعة لا مع الامام والعصر مع الامام لم یجز العصر عند ابی حنیفةؒ والصحیح قولہ۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص ۲۲۸ فصل فی کیفیة اداء الحج)

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں امام الحج شرط نہیں، پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۷۱ کتاب الحج)

الجواب: حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے لیکن زیادہ چیخنے چلانے (جہر مفرط) کی بجائے اعتدال یعنی درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، البتہ عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سن سکے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويرفع صوته بالتلبية لقوله عليه السلام افضل الحج العج والثج فالعج رفع الصوت بالتلبية - قال ابن همام رحمه الله: قوله ويرفع صوته بالتلبية وهو سنة فان تركه كان مسيئاً ولا شئ عليه ولا يبالغ فيه فيجهد نفسه - (فتح القدير ج ۲ ص۳۵۰ باب الاحرام) [1]

احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال: کیا احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹنا، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹ لیے جائیں، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کر لینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کر کے احرام باندھا جائے۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي رحمه الله: واذا اراد ان يحرم يستحب له ان يقلم اظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وهو المتوارث لانه انظف للبدن فكان احسن ثم يتوضأ او يغسل وهو افضل -
(الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص۱۴۳ کتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة عثمان الزيلعي رحمه الله: قال النخعي كان السلف يستحبون التلبية في هذه الاحوال ولان التلبية في الحج بمنزلة التكبير في الصلوٰة اوّ لها شرط وباقيها سنة فيأتي بها عند الانتقال من حال الى حال ويرفع بها صوته. اهـ
(تبيين الحقائق ج ۲ ص۱۴ باب الاحرام)

[2] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وكذا يستحب لمريد الاحرام ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق رأسه ان اعتاده والافيسرحه اهـ
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

قصر کی مقدار کا مسئلہ

سوال :۔ حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب :۔ حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق و قصر دونوں جائز ہیں البتہ حلق افضل ہے اور عورت کے لیے حلق نہیں بلکہ مرد اور عورت کے لیے ایک بند انگشت کی مقدار تمام سر سے بال کتروانا ضروری ہے، اور اس طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: اما المرأة فلا علیها ولکنها تقصر باخذ شئ من اطراف الشعر مقدار انمله والافضل لها ان تقصر من کل شعرة مقدار انمله وان قصرت بعض رأسها وترکت البعض اجزاها اذا کانت ما قصرت مقدار ربع رأس فصاعداً وان کان اقل من ذلک لا یجزیها اعتباراً لتقصیر فی حقها بالحلق وفی حق الرجال۔

(الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر)[1]

حج اور نکاح کی تقدیم و تاخیر کا مسئلہ

سوال :۔ ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کے لیے جا سکتا ہے مگر وہ شادی کا بھی خواہشمند ہے، تو کیا یہ شخص پہلے شادی کرے یا حج کے لیے جائے، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ اگر موصوف اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے حج کی ادائیگی شادی پر مقدم ہے، اور اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف قوی ہو تو پھر اس کیلئے شادی کرنا حج پر مقدم ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله فی الاشباه) المسئلة منقولة عن ابی حنیفةؒ فی تقدیم الحج علی التزویج ---- ولذا اعترضه ابن کمال باشا فی شرحه الهدایة بانه حال التوقان مقدم علی الحج اتفاقاً لان فی ترکه امرین ترک الفرض والوقوع علی الزنا وجواب ابی حنیفةؒ فی غیر حال التوقان۔

(ردالمحتار ج۲ ص۱۹۷ کتاب الحج)

---

[1] قال صاحب البحرؒ: والمراد بالتقصیر ان یأخذ الرجل او المرأة من رؤس اشعر ربع رأس مقدار انمله۔ (البحرالرائق ج۲ ص۳۲۶ باب الاحرام)
ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔

استفتاء

حج کے متعلق چند سوالات
اور
اُن کے جوابات

ہم چند خادمانِ حرم شریف کو چند مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے، امید ہے کہ آنجناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے ۔

(۱) تقریباً سات سو افراد نے (جوکہ سعودی عرب جا رہے تھے) اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی، کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرہ کی اجازت دیدی، چونکہ اس میں ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا، تو کیا ہم پر دم واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لیے لے گئے واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا، یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا ۔

(۳) بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ منورہ سے شوال میں واپسی عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھ لیا تو ہم پر قربانی واجب ہوگی ۔ تو کیا ان افراد پر دم واجب ہو گیا ہے یا نہیں؟

(۴) جن لوگوں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کیا تو ان کا کون سا حج ہوگا اور جن لوگوں نے احرام باندھا ہی نہیں تو ان پر کون سا حج واجب ہوگا؟

(۵) کیا ہم خادمانِ حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم یہاں صرف چار ماہ کے لیے آئے ہیں ۔

(۶) اگر کسی پر دم واجب ہو گیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا؟

(۷) اے (A) شفٹ والے صبح چھ بجے سے لے کر ڈھائی بجے تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

بی (B) شفٹ ڈھائی بجے دن سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے، وہ کس

طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

سی (ج) شفٹ رات ساڑھے دس بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے، اس شفٹ والے کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں ؟

الجواب (۱) بغیر احرام کے دخولِ حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے، اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم میں احرام باندھ لیا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض، جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کے واجب ادا ہو جائے گا اور اگر اس سال آفاق کی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: ولو دخل آفاق مکۃ بغیر احرام ثم رجع الی المیقات فی تلک السنۃ واحرم بحجۃ الاسلام سقط عنہ ما کان واجبا بالمجاوزۃ ودخول مکۃ بغیر احرام عندنا وان لم یخرج من مکۃ حتی مضت السنۃ ثم خرج الی المیقات فی السنۃ الثانیۃ واحرم بحجۃ الاسلام وحج یجزیہ حجۃ الاسلام ولا یسقط عندالدم الذی کان واجبا علیہ فی العام الاول۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۷)

اور ھدایہ میں ہے: واذا اتی الکوفی بستان بنی عامر فاحرم بعمرۃ فان رجع الی ذات عرق ولبّی بطل عنہ دم الوقت۔ وفی ھامشہ قولہ الی ذات عرق التخصیص بہ بالنظر الی حال الکوفی والا فالرجوع الیہ والی غیرہ من مواقیت الآفاقیین سواء فی سقوط الدم فی ظاھر الروایۃ۔ (ج ۱ ص ۲۶۸ باب مجاوزۃ الوقت بغیر احرام)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں: ذوالحلیفہ، ذات عرق، جحفہ، قرن، یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت، اور میقاتی کا میقات وہ زمین حل ہے جو حرم اور میقات کے درمیان ہو، اور مکی کا میقات حج کے لیے حرم ہے اور عمرہ کیلئے زمین حل۔ (فتاویٰ علائیہ ج ۲ ص ۱۶۸ تا ۱۶۹)

اور عذر من جہت العباد مسقطِ دم نہیں ہے ۔

اور مسائلِ حج لسیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے کہ :۔

مسئلہ : اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا، اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے ۔ (شرح لباب وغیرہ ، مسائلِ حج پشتو ص ۹۳)

فائدہ : ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ مکرمہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کے لیے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے، اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے ارضِ حرم یا مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اتنی دفعہ عمرے اور دم اس پر واجب ہوئے ۔

اور صدر الشریعہ اور صاحبِ دُرر اور صاحبِ ایضاح فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمینِ حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمد و رفت کر سکتا ہے، لیکن محققینِ احناف نے ان کی تغلیط کی ہے ۔ (شرح لباب وغیرہ)

(۲) ھندیہ میں ہے : ولو احرم لعمرۃ قبل اشھر الحج فقضاھا وتحلل بمکۃ فاحرم بعمرۃ ثم حج من عامہ ذلک لم یکن متمتعا فان کان حین فرغ من الاولی خرج فجاوز المیقات قبل اشھر الحج فاھل منہ لعمرۃ فی اشھر الحج وحج من عامہ فھو متمتع وان کان جاوز المیقات فی اشھر الحج لم یکن متمتعا الا اذا خرج الی اھلہ ثم اعتمر ثم حج من عامہ عند ابی حنیفۃ وعندھما ھو متمتع جاوز المیقات قبل اشھر الحج او بعدہ ھکذا فی محیط سرخسی ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۴۰ باب العمرۃ ۔ کتاب الحج)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام مکہ مکرمہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال (یعنی اشہرِ حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہو اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا حج حجِ تمتع ہوگا اور اگر آپ لوگ شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کر چکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہوں گے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہوں گے ۔

(۳) جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے وہ سوالِ ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جنہوں نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں وہ سوالِ اول کا جواب ملاحظہ کریں۔

(۴) جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر وہاں سے شوال یعنی اشہرِ حج میں عمرہ کیا ہے اور اس سال حج بھی کرلیں تو ان کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہرِ حج میں مدینہ طیبہ جاکر مدینہ طیبہ سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج حجِ تمتع نہ ہوگا، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے، اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حجِ تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں ان کا حج حجِ تمتع نہیں، البتہ ان کے ذمہ سابقہ تفصیل کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا، اور اس صورت میں بھی اگر اشہرِ حج سے پہلے آفاق کی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق تمتع حجِ تمتع ہوگا، اور اگر اشہرِ حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحبؒ کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع ہے ــــ

اب ملاحظہ ہو ھندیہ کی وہ عبارت جو جوابِ ثانی کی ابتداء میں درج کی گئی ہے اور تمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے: والمتمتع من یاتی بافعال العمرۃ فی اشہر الحج او یطوف اکثر طوافہا فی اشہر الحج ویحج من عامہ ذلک قبل ان یلم باھلہ بینہما الماما صحیحًا سواء حل من احرامہ الاول اولا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۸) نیز "غنیۃ المناسک" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: التاسع ان لا یدخل علیہ اشہر الحج وھو حلال بمکۃ او ماحولہا او محرم طاف لعمرتہ اکثرہ قبلہا حتی لو احرم بعمرۃ اخری وحج من عامہ لا یکون متمتعا الا ان یعود الی اھلہ فیحرم بہا فیکون متمتعا اتفاقا او الی خارج المیقات فیکون متمتعًا عندھما۔ (غنیۃ المناسک ص۱۱۴)

(۵) ہندیہ میں ہے: ولا تجب علی المسافر ولا علی الحاج اذا کان محرمًا وان کان من اھل مکۃ، کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۲۹۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ حاجی جو حج کے احرام میں ہو اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہو، اور دوسرا قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ منیٰ اور مکہ میں مقیم پر

قربانی واجب ہے اگرچہ وہ حج کے احرام میں ہو۔

فتاویٰ علائیہ میں ہے: (فتجب ای التضحیة) علی حر مقیم فلا تجب علی حاج مسافر فاما اهل مکة فتلزمهم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم۔ سراج (ف) رد المحتار قوله وقیل لا تلزم المحرم وان کان من اهل مکة جوهرة عن الخجندی وجمله فی الشرنبلالیة علی المسافر وفیه نظر ظاهر۔ (فتاویٰ علائیہ ج ۵ ص۲۲۲)

(۵) مگر میرے شیخ اور مربی سیدی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم قولِ اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں۔

(۶) رد المحتار میں ہے: تحت شرح قول صاحب الدر المختار: الواجب دم علی محرم بالغ۔ الخ

(تنبیه) فی شرح النقایة للقاری ثم الکفارات کلها واجبة علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت وانما یتضیق علیه الوجوب فی آخر عمره فی وقت یغلب علی ظنه انه لو لم یؤده لفات فان لم یؤد فیه حتی مات اثم وعلیه الوصیة ولو لم یوص لم یجب علی الورثة ولو تبرعوا عنه جاز الا الصوم۔ وفیه ایضاً (قوله ولو ناسیا) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئا مبتدئا او عائدا ذاکرا او ناسیا عالما او جاهلا طایعا او مکرها نائما او منتبها سکرانا او صاحیا مغمی علیه او مفیقا موسرا او معسرا بمباشرته او مباشرة غیره یا مره۔ (ج ۲ ص۲۱۷ باب الجنایات۔ کتاب الحج)

ان عبارات و روایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لیے بھی دم دینا ضروری ہے، البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ اگر موت سے پہلے پہلے دے دیا تو بھی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۷) یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت تو کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریاتِ حج تو ادا کر سکیں۔

(وهو الموفق)

✵ ✵

باب التمتّع والقران

حج قران وتمتّع کے مسائل و احکام

حج تمتّع میں قربانی نہ کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج تمتّع کے ارادہ سے سفر کیا لیکن بعض اعذار کی وجہ سے قربانی نہ کرسکا، اب اس قربانی کا نقصان مکہ مکرّمہ ہی میں قربانی کرنے سے پورا ہوگا یا اپنے وطن میں بھی قربانی کرسکتا ہے۔

الجواب: متمتّع پر چونکہ قربانی کرنا واجب ہے اور اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر قربانی نہ کرسکا تو حج کے بعد اس شخص کو دو دو قربانیاں کرنی ہوں گی اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ میں ہی کرنی ہیں اصالتاً کرے یا وکالتاً، چاہے جن ایام میں ہو۔

قال ابن نجیم المصریؒ: فلو لم یقدر علی الہدی تحلل وعلیہ دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الہدی۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) [۱]

متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا

سوال: متمتع یا قارن اگر قربانی سے پہلے حلق کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: اگر مفرد بالحج ہو تو دم واجب نہیں کیونکہ جنایت نہیں ہوا، اور اگر متمتع یا قارن ہو تو قربانی سے قبل حلق کرنے سے دم واجب ہوا اور اس پر زمینِ حرم میں ہی قربانی کرنی پڑے گی۔

قال ابن نجیمؒ: فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃؒ دم بالحلق فی غیر اوانہ لان اوانہ بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق وعندھما یجب علیہ دم واحد ھو الاول۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو لم یقدر تحلل وعلیہ دمان۔ قال ابن عابدینؒ: فی قولہ دمان دم التمتع ودم التحلل قبل اوانہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۳ کتاب الحج، باب القران)
وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج۲ ص۲۴۰ باب القران۔

[۲] لما قال ابن ہمامؒ: قال محمدؒ فی الروایۃ دم للقران ودم للحلق قبل ان یذبح الا تری ان المفرد لو حلق قبل ان یذبح لم یلزمہ شیٔ بالاتفاق لعدم استلزامہ تاخیر الواجب۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۷۳ باب الجنایات)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

حج قران وتمتع کی تعریف

سوال :- زید نے اگر سفرِ حج میں عمر کی طرف سے عمرہ ادا کیا تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کیا زید حج ادا کرنے تک احرام میں رہے گا یا اس سے پہلے بھی حلال ہو سکتا ہے ؟

الجواب :- زید نے اگر عمرے کا ثواب عمر کو بخش دیا تو صحیح ہے اور اشہرِ حج میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص متمتع کہلاتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک احرام سے کرے تو قران ہے اور اس پر دمِ شکر واجب ہو گا۔

کما فی الھندیة : ھو ان یجمع بین احرامی الحج والعُمرة من المیقات او قبله فی اشھر الحج او قبلھا۔ ھٰکذا فی معراج الدرایة والمتمتع من یأتی باعمال العُمرة فی اشھر الحج او یطوف اکثر طوافھا فی اشھر الحج ثم یحرم بالحج ویحج من عامه ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۳۷ الباب السابع فی القران والتمتع) [1]

متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کی جگہ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام کہاں سے باندھے گا ؟

الجواب :- متمتع جب عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے تو جب حج کے لیے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو مکہ مکرمہ اور تمام زمینِ حرم سے احرام باندھ سکتا ہے ۔

قال الحصکفیؒ : قال فی اللباب والافضل ان یحرم من المسجد و یجوز من جمیع الحرم ومن مکة افضل من خارجھا ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التمتع) [2]

---

[1] قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ :- والقارن ھو الجامع بین الحج والعُمرة سواء احرم بھما معاً او احرم بالحجة واضاف الیھا العُمرة وعلیه دم الشکر لما انعم الله علیه من التوفیق للحج بین العبادتین سفر واحد ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۵۲۶ الفصل التاسع فی القارن)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۷ باب القران ۔

[2] قال الشیخ ابن الھمامؒ : فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد ۔ ھدایة وفی فتح القدیر والمسجد لیس بلازم بل ھو افضل ومکة افضل من غیرھا من الحرم ۔

(فتح القدیر ج۲ ص۴۲۳ باب التمتع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۶۳ باب التمتع ۔

حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے کچھ حجاج کرام حج تمتع کے ارادہ سے شعبان میں مکہ مکرمہ گئے اور عمرہ کرنے کے بعد حلال ہو گئے، رمضان کا مہینہ انہوں نے بیت اللہ ہی میں گذارا، شوال کے مہینے میں زیارتِ نبوی کے ارادے سے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اب عمرہ کرنے کے بعد انہیں احرام کھولنے کی اجازت ہے یا نہیں یا حج تک وہ اسی احرام میں رہیں گے؟

الجواب:- مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر کوئی شخص حج تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو ذوالحلیفہ والے احرام سے عمرہ کرکے بعد میں احرام کھول دے اور اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے جو کہ واجب ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: و لم یقید احرامها باشهر الحج لانه لیس بشرط لکن اداء اکثر طوافها فیها شرط فلو طاف الاقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی الشوال ثم حج من عامه کان متمتعا۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۲ کتاب الحج) [1]

میقات میں رہنے والے کیلئے حج تمتع اور قران کا حکم

سوال:- جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ حج تمتع اور قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- قران اور تمتع ہر اُس شخص کے لیے ہے جو میقات سے باہر رہتا ہو، لہٰذا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا وہ صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: والمکی ومن فی حکمه ای من اهل داخل المواقیت یفرد فقط ولو قران او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۹ باب التمتع) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ولیس من شرائط التمتع وجود الاحرام بالعُمرة فی اشهر الحج بل اداؤها فیها او اداء اکثر طوافها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۸ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمِثلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۱ الفصل العاشر فی التمتع۔

[2] وفی الهندیة: ولیس لاهل مکة تمتع ولا قران وانما لهم الافراد خاصة. کذا فی الهدایة و کذلک اهل المواقیت۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمثلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۱۴۳ باب القران والتمتع۔

حج تمتّع کی نیّت کرنے کے بعد حج قران کی نیّت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پاکستان سے حج تمتّع کی نیّت سے مکہ مکرمہ جائے مگر وہاں پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ جا کر وہاں سے حج قران کی نیّت کرے تو کیا یہ شخص حج قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب محرم حدودِ حرم سے نکل جائے تو اس کی حیثیّت آفاقی کی ہوگی، اب اگر وہ تمتّع کی جگہ قران کی نیّت کرے تو حج قران جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں حدودِ حرم سے نکل جانے سے نیّتِ تمتّع باطل ہو جاتی ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک خروجِ حرم سے نیّتِ تمتّع باطل نہیں ہوتی اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق حج قران کی نیّت کرنا جائز نہیں البتہ موجودہ حالات کو مدِنظر رکھ کر صاحبینؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دینا چاہیئے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: وهو متمتع ان حج من عامه ولكن لو خرج الى الآفاق لحاجة فقرن لا يكون قارنًا عند ابى حنيفةؒ وعليه رفض احدهما ولا يبطل تمتعه لان الاصل عنده ان الخروج فى اشهر الحج الى غير اهله كالاقامة بمكة فكانه لم يخرج وقرن من مكة اما عندهما فكالرجوع الى اهله فاذا خرج بطل تمتعه ثم اذا قرن من الميقات كان قارنًا۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

حج تمتّع افضل ہے یا قران؟

سوال:۔ حج تمتّع اور قران میں سے احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

الجواب:۔ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) حج افراد (۲) حج تمتّع (۳) حج قران۔ احناف کے ہاں ان تینوں میں سے حج قران افضل ہے اور قران کے بعد حج تمتّع بہتر ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: باب القِران وهو افضل لحديث اتانى الليلة من ربى وانا بالعقيق فقال يا آلِ محمد اهلوا بحجة وعمرة معا...... ثم التمتع ثم الافراد۔

(الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج۲ ص۵۳۰ باب القِران، کتاب الحج)ؒ

بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ
(حج بدل کے مسائل واحکام)

نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدصاحب پر حج فرض نہیں تھا اور نہ انہوں نے وصیت کی تھی، اب میں ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نفلی حج میں حج بدل کی نیت کروں یا صرف نفلی حج کی ؟

الجواب:۔ جب کسی پر حج فرض ہی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں آپ نفلی حج ادا کریں اور اس کا ثواب اپنے والد کو بخش دیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ :(بعبادۃ ماله جعل ثوابها لغيره) اى سواء كانت صلوٰة او صوما اوصدقة اوقراءة قرآن اوذكرًا اوطوافًا اوحجًا اوعمرةً اوغير ذلك۔

(ردالمحتار ج ۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغير، مطلب فی إهداء ثواب الاعمال الخ) [1]

فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب

سوال:۔ اگر ایک آدمی اپنے فوت شدہ والد کے ایصالِ ثواب کے لیے نفلی حج کرے تو کیا اس کو نفلی حج کا ثواب ملے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ ہر نفلی عبادت چاہے بدنی ہو یا مالی، کرنے سے اس کا ثواب کسی فوت شدہ کو بخشنا شرعاً صحیح اور ثابت ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ والد کے لیے نفلی حج کرکے اس کا ثواب اُسے بخش دے تو وہ ثواب اس کو پہنچے گا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ :۔ فان من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغيره

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ :۔ فان من صام اوصلی اوتصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة كذا فى البدائع۔

(البحرالرائق ج ۳ ص۵۹ باب الحج عن الغير)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

من الاموات والاحیاء جائز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔
(البحرالرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغیر)[1]

نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سعودی عرب میں مقیم ہے وہ اپنی بوڑھی والدہ کے لیے نفلی حج کرنا چاہتا ہے جو کہ پاکستان میں رہتی ہے، کیا اُسے اپنی والدہ سے اجازت لے کر پاکستان سے سفرِ حج اختیار کرنا ہوگا یا سعودی عرب سے ہی والدہ کی طرف سے حج ادا کرے؟

الجواب:۔ حج بدل فرضی میں اُس مکان سے بہ نیّتِ حج جانا ضروری ہے جہاں پر رہتا ہو، البتہ اگر کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کا ارادہ کرے تو اس میں اجازت لینا ضروری نہیں اور نہ ہی صورتِ مسئولہ کے مطابق پاکستان آنے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ اپنی والدہ کی طرف سے بغیر اُن کی اجازت کے سعودی عرب سے ہی نفلی حج کر سکتے ہیں۔

وفی الهندیة: الامر بالحج فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر أمره الا الوارث۔ هندیة ففی الحج النفل تجوز النیابة حالة القدرة لأن باب النفل اوسع کما فی سراج الوهاج۔ (الفتاوى الهندیه ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج)[2]

نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنے فوت شدہ والدین یا کسی رشتہ دار کے لیے نفلی حج کرتا ہے اور وہ ابوظہبی میں ملازم ہے تو کیا وہ ابوظہبی سے ہی نفلی حج کیلئے جا سکتا

---

[1] ان الانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان اوصوماً اوصدقة اوغیرها کالحج۔الخ
(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهُ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وانما شرط غیر المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لأن المقصود منه الثواب۔
(البحرالرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهُ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ہے یا اس کے لیے پاکستان آنا ضروری ہے ؟

الجواب :۔ کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نفل حج ممنوع نہیں اور نہ اس کے لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ابوظہبی سے پاکستان آنا ضروری ہے بشرطیکہ فوت شدہ آدمی نے وصیّت نہ کی ہو تو فوت شدہ کی طرف سے نفلی حج کرنے والا جہاں بھی ہو وہیں سے مکہ مکرمہ جاکر حج کرے تو صحیح ہے، کیونکہ نفل حج کی صورت میں توسیع ہے البتہ حج بدل وصیّت کی صورت میں ہو تو پھر پاکستان آنا ضروری ہے ۔

وفی الھندیۃ : ففی الحج النفل تجوز نیابۃ حال القدرۃ لان باب النفل اوسع کما فی السراج الوھاج ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [1]

غریب آدمی سے حج بدل کرانا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غریب و نادار ہے جسے ایک صاحبِ ثروت حج بدل کے لیے بھیج رہا ہے، کیا کسی غریب و نادار کو جس نے خود حج نہیں کیا ہو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے یا اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے جس نے خود حج کیا ہو ؟

الجواب :۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے کسی ایسے آدمی کو بھیجا جائے جس نے خود فریضۂ حج ادا کیا ہو، لیکن باوجود اس کے اگر ایک غریب و نادار شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو اس سے بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے اور اس شخص پر حج فرض نہیں ہوتا ۔

وفی الھندیۃ : والافضل للانسان اذا اراد عن نفسہ ان یحج رجلاً قد حج عن نفسہ ومع ھذا لو أحج رجلاً لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج من الآمر کذا فی المحیط ۔ (الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ :۔ وانما شرط عجز المنوب للحج الفرض لجواز الانابۃ مع القدرۃ فی حج النفل لان المقصود منہ الثواب ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

[2] قال ابن عابدینؒ :۔ (ثم فرع علیہ) علی ان الشرط ھو الاھلیۃ دون اشتراط ان یکون المامور قد حج عن نفسہ ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر قبل مطلب فی حج الضرورۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم

سوال:۔ زید نے عمر کو حج بدل کے لیے بھیجا، عمر نے میقات سے عمرہ کی نیّت کر لی اور جب حج میں پانچ روزہ رہ گئے تو عمر نے زید کی طرف سے حج بدل کے لیے احرام باندھ کر افعال حج ادا کیے تو کیا شرعاً زید کا حج بدل ادا ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کرنے والے کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق چونکہ عمر نے زید کے امر کی مخالفت کی ہے اس لیے اس صورت میں زید کی طرف سے حج بدل ادا نہیں ہوا آئندہ سال عمر کو زید کیلئے دوسرا حج کرنا پڑے گا۔

قال ابن عابدینؒ:۔ الثانی عشران یحرم من المیقات فلواعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من مکۃ لایجوز ویضمن۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۲ باب الحج عن الغیر) ؎۱

حج بدل میں عمرہ کی نیّت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج بدل میں عمرہ کی نیّت صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کسی شخص نے حج بدل میں عمرہ کی نیّت کر لی تو اس سے حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل میں صرف حج کی نیّت کرنا اُس وقت ضروری ہے جبکہ آمر نے مامور کو حج افراد پر مامور کیا ہو، چونکہ ہمارے بلاد میں حج قران، تمتع اور افراد تینوں کو حج کہا جاتا ہے اور آمر کی طرف سے تینوں کی اجازت ہوتی ہے لہٰذا تمتع کر سکتا ہے، بہتر یہی ہے کہ آمر سے اس کی تصریح کرالی جائے۔

وفی الھندیۃ: واذا امر غیرہ بالافراد بحجۃ اوعمرۃ فقرن فھو ضامنٌ فی قول ابی حنیفۃؒ۔ وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ رحمھما اللہ یجزیٔ عن الآمر استحساناً۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو امرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکۃ فھو مخالف فی قولھم۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۲ ص۱۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

؎۲ قال ابن عابدینؒ: فلوامرہ الافراد فقرن اوتمتع ولو للمیّت لم یقع عنہ ویضمن النفقۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۰۲ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی ذیابیطس (شوگر) کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر اور حکیم اسے سفر کی اجازت نہیں دیتے، تو کیا ایسا شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذیابیطس کا مریض اگر کسی دوائی یا اور کسی واسطہ سے اپنے مرض پر وقتی طور پر کنٹرول حاصل کر سکتا ہو یا اس کو امید ہو کہ عنقریب اس مرض سے صحتیاب ہو جاؤں گا تو یہ شخص کسی کو اپنی طرف سے حج بدل نہیں کرا سکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر حج بدل کرا سکتا ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا

سوال:۔ کیا حج بدل محجوج عنہ کے مال سے کرنا ضروری ہے یا کوئی شخص اپنی جانب سے بھی کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل میں یہ شرط ہے کہ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو، پس اگر حج بدل کرنے والے نے اپنے مال سے حج کر لیا تو محجوج عنہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔

کما فی الهندیه: ومنها ان یکون حج المامور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوی الهندیه ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

میقات کی بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج بدل میں میقات سے حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرہ احرام باندھا ہے، تو کیا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هٰذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرّجل یحج عن الغیر۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر کلها او اکثرها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرّجل یحجّ عن الغیر۔

حرم شریف سے دوبارہ حج بدل کا احرام باندھنے سے حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ مامور کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے افعالِ حج ادا کرنے چاہئیں اس لیے اگر آمر نے مامور کو حج تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا برتحقیق آمر کا ذمہ فارغ ہو گا ورنہ نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ : ان اذن له الامر بالقران والتمتع والا فيصير مخالفاً۔ (الدر المختار ج۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغير) [1]

حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے اور اس عورت نے بناء بر ضعف اپنے بیٹے کو رقم دے کر حج بدل کے لیے روانہ کیا ہے کیا مامور بہ کو آمر کے مال سے ہی حج کرنا ضروری ہے یا اپنی طرف سے بھی کچھ خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب :۔ حج بدل میں ضروری ہے کہ خرچہ آمر کی طرف سے ہو، صورتِ مسئولہ کے مطابق اس بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے لیے حج بدل کر رہا ہے تو خرچہ بھی والدہ کے مال سے کرے گا تاہم اگر حج فرض نہ ہو تو نفلی حج میں توسع ہے۔

وفی الهندية : ومنها ان يكون الحج بمال المحجوج عنه فان تطوّع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير) [2]

حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے کہا، تو عمر نے

---

[1] قال العلامة الانصاریؒ : ولو امره بالحج فاعتمر ثم حج من مكة فهو مخالف فی قولهم۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل يحج عن الغير)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير۔

[2] قال ابن عابدينؒ : (فتطوع رجل) اطلق الرجل المتطوع فشمل الوارث۔ وبه صرح قاضيخانؒ بقوله الميت اذا اوصى بان يحج عنه بماله فتبرع عنه الوارث او الاجنبی لا يجوز قلت يعنی لا يجوز عن فرض الميت والا فله ثواب ذلك الحج۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الحج عن الغير مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هٰذا)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶۲ باب الحج عن الغير۔

سے کہا کہ آپ آمد و رفت کا خرچہ مجھے دے دیں میں مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مقرر کردوں گا اور ان پیسوں سے میں اپنی جانب سے حج کرلوں گا۔ تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب: حج بدل میں آمر کے وطن سے جانا ضروری ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں طریقۂ مذکورہ سے حج کرنا غیر مشروع ہے اور نہ ہی اس طریقہ سے حج بدل ادا ہوتا ہے اور زید کی والدہ ذمہ بھی فارغ نہ ہوا۔

قال العلامة محمد امین الشهیر بابن عابدین رحمه الله: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ۔
(رد المحتار ج ۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر۔ مطلب شروط الحج عن الغیر) [۱]

سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن سفر کی تکالیف اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ حج بدل کرانا چاہتا ہے، کیا یہ حج بدل صحیح ہوگا۔

الجواب: اگر کسی پر حج فرض ہو جائے تو حج کی ادائیگی اُسی شخص پر ضروری ہے محض تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل نہیں کرا سکتا کیونکہ حج بدل کے لیے فقہاء کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں: ۱۔ کہ محجوج عنہ ادائے حج سے خود عاجز ہو، ۲۔ یہ کہ یہ عجز موت تک قائم ہو وغیرہ، چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے حج بدل نہیں کرایا جا سکتا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر) [۲]

---

[۱] رجل اوصٰی ان یحج عنه فأحج عنه رجلاً فلما بلغ الکوفة مات او سرقت نفقته وقد انفق النصف فانه یحج عن المیت منزله بثلث ما بقی۔ (جامع الصغیر ص۱۳۵ کتاب الحج
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج۔

[۲] وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل کی شرائط

سوال :۔ ایک شخص حج بدل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے شرعاً کیا شرائط ہیں ؟

الجواب :۔ فقہاءِ اسلام نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتبِ فقہ میں مستقل باب (باب فی الحج عن الغیر) قائم کیا ہے جس میں حج بدل کی شرائط ذکر ہیں، اگر ان شرائط کے تحت حج بدل کیا جائے تو درست ہے ورنہ نہیں، اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں :۔
۱ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو ۲ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک قائم ہو ۳ امر بالحج ہو ۴ احرام کے وقت نیّت محجوج عنہ کی طرف سے ہو ۵ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

كما في الهندية: ومنها ان يكون المحجوج عنه عاجزًا عن الاداء ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الى وقت الموت ومنها الامر بالحج ومنها نية المحجوج عنه عند الاحرام ومنها ان يكون المامور بماله۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير)[1]

وصیّت کے بغیر حج بدل کا حکم

سوال :۔ ایک آدمی پر حج فرض تھا زندگی میں اُس نے حج ادا نہ کیا اور نہ ہی مرتے وقت وصیّت کی تو اس کے لیے حج بدل کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر کوئی شخص وفات پا گیا اور اس پر حج فرض ہو چکا تھا مگر اُس نے حینِ حیات ادا نہ کیا اور مرتے وقت وصیّت بھی نہ کی تو اب اگر اس کے وُرثاء اپنی خوشی سے میّت کی طرف سے حج بدل کریں تو جائز ہے اور امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے قبول فرما لیں گے، مگر میّت کی وصیّت ضروری ہے۔

كما في الهندية: من عليه الحج اذا مات قبل ادائه من غير وصية يأثم بلا خلاف وان احب الوارث ان يحج عنه يحج وارجو ان يجزئه ذلك ان شاء الله تعالىٰ، كذا ذكر ابو حنيفة رحمة الله عليه وان مات عن وصية لا يسقط الحج عنه واذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع

---

[1] قال الحصكفي رحمه الله: لكن يشترط دوام العجز الى الموت ونية الحج عنه هذا اذا كان المرض يرجى زواله۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغير)
ومثله في التاتارخانية ج ۲ ص ۵۴۵ الفصل الخامس في الرجل يحج عن الغير۔

شرائط الجواز۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۸ الباب الخامس عشر فی الوصیّۃ با لحج) [۱]

عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کی طرف سے عورت حج بدل کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کے لیے مسلمان عاقل بالغ ہونا ضروری ہے خواہ مرد ہو یا عورت! البتہ اگر عورت نے حج بدل کیا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق مکروہ ہے تاہم حج بدل ادا ہو جائے گا۔

وفی الھندیۃ: ولو احج عنہ امرأۃ او عبدًا اَو اَمۃ باذن السیّد جاز و یکرہ ھکذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چار اشخاص کو وصیّت کی کہ مجھ پر حج فرض ہے آپ میری طرف سے حج بدل ادا کر دیں، تو کیا حج بدل صرف اوصیاء اور وارثین کو ادا کرنا ضروری ہے یا غیر وصی بھی حج بدل کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل اوصیاء، وارثین کو ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ غیر وصی بھی حج بدل ادا کر سکتا ہے۔

یکون الاوصیاءُ مطلقاً و ید ل علیہ ما فی الھند یۃ۔ ولو اوصٰی المیّت ان یحج عنہ ولم یزد کان للوصی ان یحج بنفسہ فان کان الوصی وارث المیّت او دفع المال الٰی وارث المیّت لیحج عن المیت (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیۃ بالحج) [۳]

---

[۱] قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: ومن مات وعلیہ فرض الحج ولم یوص بہ لم یلزم الوارث ان یحج عنہ وان احبّ ان یحج عنہ وارجوا ان یجزیہ ان شاء اللّٰہ۔ (الفتاوٰی التاتارخانیہ ج ۲ ص۵۶۴ الفصل السابع عشر فی احرام المرأۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۱ باب الحج عن الغیر۔

[۲] قال الشیخ ابن الھمامؒ: ویجوز حجاج الحر والامۃ والحرۃ وفی الاصل نص علیٰ کراھۃ المرءۃ۔ (فتح القدیر ج ۳ ص۱۵۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر۔

[۳] قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: وفی الکبریٰ اوصی بان یحج عنہ ولم یوص الی احد فاجتمعت الورثۃ لیحجوا عنہ رجلاً جاز۔ (الفتاوٰی التاتارخانیہ ج ۲ ص۵۵۶ الفصل السادس عشر فی الوصیۃ بالحج)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر۔

ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا

سوال: گذشتہ سال رمضان میں زید نے عمر کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ میرے بھائی بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کریں میں آپ کو ماہ شوال میں پانچسو روپیہ ارسال کروں گا، عمر نے رقم کا انتظار کیا لیکن زید نے شوال میں رقم ارسال نہیں کی، جب دس روز حج کو رہ گئے تو عمر نے اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل ادا کیا، پھر تین ماہ بعد زید نے عمر کو پانچسو روپے ارسال کئے اور عمر ایک سال مکہ مکرمہ میں رہا اور ۱۳۸۴ھ میں بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو کیا حج بدل ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر بکر مرحوم کے لیے حج نفلی برائے ایصال ثواب ہو تو ہر کس اور ہر جگہ سے ہر وقت درست ہے اور اگر فرض حج بدل ہو تو میت کے ثلث کا یا وصی کی وصیت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر ثلث میت کے وطن سے حج بدل کے لیے کافی ہو تو میت کے وطن سے سفر حج ضروری ہے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو سکے ادا کر لیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسہ۔
قال ابن عابدینؒ: بعبادۃ ما) ای سواء کانت صلوٰۃ او صوماً الخ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر)

قال ابن عابدینؒ: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ کما سیأتی بیانه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر)[1]

صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم

سوال: اگر ایک معذور آدمی (جس پر حج فرض تھا) حج بدل کرائے،

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اوصی بان یحج عنه وهو فی منزله ان بین مکاناً یحج عنه من ذلك المکان بالاجماع، فان لم یبین مکاناً یحج عنه من وطنه عند علمائنا وهذا اذا کان ثلث ماله یکفی للحج من وطنه فاما اذا کان لا یکفی لذالك فان یحج عنه من حیث یمکن الاحجاج عنه بثلثه۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وفی الهندیة: الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان او صوماً او صدقة او غیرها کالحج وقراءة القرآن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

اور حج بدل کے بعد اس کا عذر کسی بھی وقت ختم ہو جائے تو باقی ماندہ زندگی میں اُسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ حج بدل کے لیے عجز (مرض) کا دائمی ہونا ضروری ہے، اگر مرض دائمی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا مرض تا موت دائمی نہ تھا بلکہ مرنے سے پہلے پہلے ہو گیا تو اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازمی ہے حج بدل سے ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

وفی الهندیة : ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الیٰ وقت الموت هٰکذا فی البدائع حتیٰ لواحج عن نفسه وهو مریض یکون مراعیٰ فان مات اجزء ہ وان تعافیٰ بطل ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۱

حج بدل کے بعد منذورہ عُمرہ ادا کرنا

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی ہے دریں اثنا زید کسی آدمی کے لیے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو حج بدل ادا کرنے کے بعد زید نے اپنا منذورہ عمرہ ادا کیا، تو کیا زید کا یہ عمرہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب :۔ بظاہر اس نے اداء کا التزام کیا ہے، کیونکہ اس نے اوّلاً حج بدل ادا کیا ہے اور آمر کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کی اس لیے زید کا یہ عُمرہ ادا کرنا صحیح ہے اور اس سے زید کا ذمہ فارغ ہو گیا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : ۲ ابن سماعة عن محمدؒ: المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه مادام معتمراً فاذا انفق من مال الآمر ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ : وان کان مرضاً یرجی زواله فاحج فالامر مراعیٰ فان استمر العجز الی الموت سقط الفرض والالا ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۶۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر۔

؎۲ قال ابن عابدینؒ : (تحت هٰذه العبارة تیصر مخالفاً) ولو امرہ بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اوّلاً ثم اعتمر ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے نفلی حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا تو اپنے لیے نفلی حج کرنے کی بجائے والدین کی طرف سے حج کرنا افضل و اولیٰ ہے اور بعض احادیث میں دس گنا کی زیادتی آئی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : بخلاف مالواھل عن ابویہ او غیرھما من الاجانب حال کونہ متبرعا فعین بعد ذٰلک جاز لانہ متبرع بالثواب فلہ جعلہ لاحدھما اولھما وفی الحدیث من حج عن ابویہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہٗ فضل عشر حجج و بعث من الابرار۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۸ باب الحج عن الغیر) [1]

دمِ تمتع و دمِ قران آمر پر ہے یا مامور پر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع یا قران کی نیت کرے تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں، اور دم کس پر واجب ہوگا، آمر پر یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت نہ دی ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر اجازت دی ہو تو حج ادا ہو جائے گا مگر دم تمتع یا قران مامور پر ہوگا آمر پر نہیں۔

قال الحصکفیؒ : ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الآمر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً فیضمن۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۲ ص ۶۱۱ باب الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حج عن ابیہ واُمہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہ افضل عشر حجج۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۶ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۶۹ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ : ودم الحصار علی الآمر ودم القران ودم الجنایۃ علی المامور۔ قال ابن نجیمؒ : وانما وجب دم القران علی المامور باعتبار انہ وجب الشکر لما وفقہ اللہ تعالیٰ من الجمع بین النسکین۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۵ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۴۸ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کراسکتی

سوال:۔ اگر کسی پردہ دار عورت کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ کرسکتی ہے مگر اس کو کوئی ایسا محرم نہیں مل رہا کہ اس کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جاسکے، تو کیا یہ عورت حج بدل کراسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت پر حج فرض ہی نہیں اگرچہ اس کے پاس مال زیادہ ہو' اس لیے اس عورت پر حج بدل کرانا بھی لازمی نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومع زوج أو محرم ولو عبداً اوذمیاً أو برضاع بالغ قید لہما۔

قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ ومع زوج أو محرم) ھٰذا وقولہ' ومع عدم عدۃ علیہا شرطان مختصات بالمرأۃ۔ الخ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۴ کتاب الحج) لہ

حج بدل ادا کرنے کے بعد مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرنے کے لیے سعودی عرب (مکہ مکرمہ) چلا جائے اور حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن نہ آئے بلکہ وہیں رہے تو کیا اس طرح حج بدل ادا ہوجائے گا؟

الجواب:۔ حج بدل میں آمر کے ملک/شہر سے جانا ضروری اور شرط ہے حج ادا کرنے کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری نہیں' اس لیے اگر کوئی حج کے بعد وہیں مقیم ہوجائے تو حج بدل ادا ہوجائے گا، اقامت اختیار کرنے سے حج متاثر نہ ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس آجائے۔

لمافی الہندیۃ: ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز والافضل ان یحج ویرجع واذا فرغ المامور من الحج ونوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوماً فصاعداً انفق من مال نفسہ ولو انفق من مال الآمر یضمن۔ الخ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۲

لہ قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: ولا تحج المرأۃ الا بزوج أو محرم اذا کان سفراً ونفقۃ المحرم علیہا۔ وفی شرحہ ولابد من العقل والبلوغ لعجز الصبی والمجنون عن الحفظ۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۴۱ کتاب الحج)

؎۲ قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولو احج رجلاً یؤدی الحج ویقیم بمکۃ جاز لانہ فرض الحج صار مؤدیاً بالفراغ عن افعالہ والافضل ان یحج ثم یعود الیہ لان الحاصل للآمر ثواب النفقۃ فمہما کانت النفقۃ اکثر کان الثواب اکثر۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۱۵ کتاب الحج، فصل فی الذی یرجع الی النیات)

حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کرسکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو حج افراد کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرے تو مامور حج افراد کے بعد اپنے لیے عمرہ کرے تو کیا یہ حج بدل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصل میں حج بدل کے اندر یہ ضروری ہے کہ مامور اپنے آمر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، صورتِ مسئولہ میں مامور نے چونکہ پہلے آمر کے حکم کو پورا کیا ہے اور بعد میں اپنے لیے عمرہ کیا تو اس سے آمر کی طرف سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ حج اور عمرہ دونوں درست ہیں تاہم اس عمرے کا خرچہ مامور کے ذمے واجب ہوگا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ:۔ أما لو أمره بالعمرة فنفذ أمره واعتمر عنه ثم حج عن نفسه، أو أمره بالحج فحج عنه ثم اعتمر عن نفسه فان ذٰلك يجوز وتجزى العمرة فى الصورة الاولى والحج فى الصورة الثانية عن المستنيب الا أن نفقة اقامته للحج عن نفسه فى الاولى والعمرة عن نفسه فى الثانية فلزمه فى ماله۔

(کتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [1]

حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچ کس پر ہوگا؟

سوال:۔ اگر مامور سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ جس سے حج فاسد ہوتا ہے تو اب حج کا خرچہ آمر پر ہوگا یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر حج میں فساد وقوفِ عرفہ سے قبل آیا ہو تو مامور آمر کے خرچے کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مامور اس فساد کا سبب بنا ہے اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد فساد آیا ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ حج کا رکنِ اعظم ادا کر چکا ہے۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ: واذا فعل المأمور ما يفسد الحج فان كان ذٰلك قبل الوقوف بعرفة فانه يضمن المال للمنيب وان كان ذٰلك بعد الوقوف فلا يضمن لانه أدى الركن الاعظم وهو الوقوف

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری:۔ ولو أمره بالعمرة فاعتمر اولاً ثم حج عن نفسه لم يكن مخالفاً..... (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۴۶ الحج عن الغير)
ومِثْلُهٗ فى الفقه الاسلامى وادلته ج۳ ص۵۶ باب النيابة فى الحج۔ الخ

وکل کفارة جنایة تجب علی المأمور لانه سببها۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [1]

کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اگر آمر نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور مامور حج تمتع یا قران کرے تو اس حج کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مامور حج میں ہر وقت آمر کے حکم کا تابع ہے، اگر آمر نے صرف افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کو صرف حج افراد کرنا چاہیئے، اگر اس نے آمر کے حکم کے خلاف حج تمتع یا قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ادا ہوگا اور مامور آمر کی رقم کا ذمہ دار ہوگا، تاہم اگر آمر کی طرف سے کھلی اختیار ہو کہ مامور جس قسم کا حج کرنا چاہے کرسکتا ہے تو اس صورت میں مامور جو بھی حج ادا کرے گا وہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمه الله: ومنها عدم مخالفة ما شرطه المستنيب، فلو أمر بالافراد فحج عنه الغائب قارنا او متمتعا لم يقع عنه ويضمن النفقة التی صرفت له۔ (کتاب الفقة علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۷۰۸ کتاب الحج) [2]

مامور کا مدینہ منورہ جانے کے لیے آمر کی رقم سے خرچ کرنا

سوال:۔ حج بدل میں مامور جب مدینہ منورہ جائے تو یہ خرچہ کس پر واجب ہوگا، مامور پر یا آمر پر؟ کیا مامور آمر کے مال سے اس سفر کے لیے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: قال ابو یوسف الحاج عن الغیر اذا افسد حجه قبل الوقوف علیه ضمان النفقة وعلیه الحج الذی افسده وعمرته وحجته للآمر ولو فاته الحج لا یضمن لأنه امین وعلیه قضاء الفائت وحج عن الآمر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۹ الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۲۷۹ الحج عن الغیر۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا أمر غیره بالافراد بحجة او عمرة فقرن فهو مخالف ضامن۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۶ الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وادلتهٗ ج۳ ص۵۱ النیابة فی الحج۔

الجواب :- حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا چونکہ نہ فرض ہے نہ واجب، اس لیے آمر کی اجازت کے بغیر مامور اس کے مال سے خرچ نہیں کرسکتا بلکہ اس خرچہ کو خود برداشت کرے، ہاں اگر آمر کی اجازت ہو تو پھر اس کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی رحمہ اللہ : ولو امرہ ان یعتمر، فاحرم بالعمرۃ واعتمر، ثم احرم بالحج عن نفسہ، لم یکن مخالفًا، لانہ فعل ما امر بہ، اوھو اداء العمرۃ وحجۃ عن نفسہ بعد ئذ کاشتغالہ بعمل اٰخر من التجارۃ وغیرھا، لکن النفقۃ فی حجہ تکون من مالہ، لانہ عمل لنفسہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۵۷ کتاب الحج) ؎۱

حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی

سوال :- حج بدل کی نیت مامور اپنی طرف سے کرے گا یا آمر کی طرف سے کرے گا؟

الجواب : جب ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھ کر اس کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہتے وقت آمر کا نام لیکر تلبیہ پڑھے۔

لما قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ : ومن حج عن غیرہ ولیستوی الحج عنہ و یقول لبیك بحجۃ عن فلان۔

(المختار علی صدر الاختیار ج۱ ص۱۷۱/۱۷۱ باب الحج عن الغیر) ؎۲

؎۱ قال الکرمانی رحمہ اللہ : ثم عندنا المحرم الذی یحج عن المیت او عن غیرہ من العاجزین علی ذکرنا فی الفصول المتقدمۃ یحج عنہ بنفقۃ وسط من غیر تقتیر ولا اسراف ذاھبًا وجائیًا راکبًا غیر ماش۔۔۔۔۔۔

(حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۸ باب الحج عن الغیر)

؎۲ قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : وبشرط نیۃ الحج عنہ ای عن الآمر فیقول احرمتُ عن فلان ولبیت عن فلان ولسی اسمہ فنوی عن الآمر صح وتکفی نیۃ القلب۔

{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر}

باب الجنایات

(حج میں غلطی کرنے کے مسائل)

رمی چھوڑنے کی وجہ سے دم واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ ایام حج میں ایک آدمی کے ساتھ اپنی عورت ہو اور وہ رمی جمار کی استطاعت نہیں رکھتی ہو، اگر یہ عورت اپنے شوہر کو رمی جمرات میں وکیل مقرر کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں، اور اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ایام حج میں رات کے وقت رمی جمار کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اسلئے بلا عذر شرعی اس کو ترک کرنا اور کسی کو وکیل بنانا موجب دم ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت پر دم واجب ہے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار كلها او رمى واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس) ۱؎

جمرۃ العقبہ کی رمی بلاعذر شرعی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایام حج میں شرعی عذر کے بغیر جمرۃ العقبہ کی رمی چھوڑ دے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں سے ہے جس کے چھوڑ دینے سے دم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس شخص نے جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کر دی اُس پر دم لازم ہے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار كلها او رمى واحدة او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس) ۲؎

۱؎ قال المرغینانیؒ: ومن ترك رمی الجمار فی الایام كلها فعليه دم لتحقق ترك الواجب۔ (الهداية ج ۱ ص۲۵۵ باب الجنايات)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۵۵۴ باب الجنایات۔

۲؎ قال الحصكفیؒ: او الرمی كله او فی يوم واحد۔ قال ابن عابدینؒ: انما وجب بتركه كله دم واحد۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۵۴ کتاب الحج باب الجنایات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۳ باب الجنایات۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی گیارہ ذی الحجہ کی رمی بلاعذر شرعی نہ کرے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو جمرات کی رمی واجب ہے اگر کوئی شخص ان دنوں میں رمی نہ کرے تو اس پر دم واجب ہے جو کہ ارضِ حرم میں خود یا کسی اور سے ذبح کرائے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار او رمى واحد او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس)[1]

ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام نہ کرے بلکہ مکہ معظمہ میں قیام کرے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے واجب نہیں اور ترکِ سنت پر دم لازم نہیں آتا اگرچہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

قال الشيخ ابن عابدينؒ: فيبيت بها للرمى اى ليالى ايام الرمى هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ۔ اھ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۲۱ فصل فی الاحرام، مطلب فی حکم صلوٰة العيد والجمعة فی منیٰ)[2]

مفرد پر دمِ شکر یہ لازم نہیں

سوال:۔ کیا حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج افراد کرنے والے پر دمِ شکر واجب نہیں افضل ضرور ہے تاہم حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر واجب ہے۔

کما قال العلامة الحصكفیؒ: ثم بعد الرمى ذبح ان شاء لانه مفرد۔ علامہ شامیؒ اس عبارت

---

[1] قال الحصكفیؒ: او الرمى كله او فی يوم واحد۔ قال ابن عابدينؒ: انما وجب بتركه كله دم واحد۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۲ ص۵۵۳ باب الجنايات)
وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۱ ص۲۵۵ باب الجنايات۔

[2] قال الشيخ ابن نجيم المصریؒ: (تحت ثم الی منیٰ الخ) ثم الی منیٰ فارم الجمار اقتداءً برسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يذكر البيتوتة بمنیٰ لانها ليست بواجبة لان المقصود الرمى لكن هی السنة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۴۸ باب الاحرام)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسير الحج۔

کے تحت لکھتے ہیں: والذبح لہٗ افضل ویجب علی القارن والمتمتع۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفۃ المفرد، مطلب فی رمی جمرۃ العقبیٰ) [۱]

احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی حج کے دوران سلے ہوئے کپڑے پہن لے بعض سلے ہوئے کپڑوں میں تین گھنٹے اور بعض میں آٹھ گھنٹے وقت گذارے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دن یا رات سے کم وقت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب صدقہ ہے اور دن یا رات سے زائد وقت تک سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب دم ہے۔

قال الحصکفیؒ: اولبس مخیطا اوستر رأسہ یوماً کاملاً۔ قال فی شرح التنویر فی الاقل صدقۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۴۷ کتاب الحج، فصل الجنایات) [۲]

حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مچھروں سے تنگ آکر اپنے سر کو تمام رات احرام کی چادر میں ڈھانپے رکھا، کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں مردوں کے لیے سر چھپانا جائز نہیں، البتہ اگر کسی نے تمام رات سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر دم واجب ہے البتہ اگر کسی نے اس سے کم وقت تک سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

وفی الہندیۃ: ولوغطی المحرم رأسہ اووجہہ یوماً فعلیہ دم وان کان اقل من

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولم یذکر الذبح ھذا الرمی قبل الحلق لانہٗ مفرد فلا یلزم الذبح والاضحیۃ علیہ لانہ مسافر وان کان قارن اومتمتع یذبح۔

(الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۲ ص۴۶۲ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج ۱ ص۲۱۳ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وکذا قولہ والا تصدق ای وان کان لبس المخیط وتغطیۃ الرأس اقل من یوم لزمہ صدقۃ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۶ باب الجنایات)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس۔

ذٰلك فعليه صدقة ـ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس) [1]

حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے شرعی عذر کے بغیر احرام کی حالت میں پورا ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانکا، تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ حالتِ احرام میں عذر کے بغیر چہرے کو چھپانا جائز نہیں، اگر بلا عذر چہرے یا سر کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ : فی تغطیة کل الوجه او الرأس یومًا اولیلة دم والربع منهما کالکل الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۸۸ کتاب الحج مطلب فی یحرم بالاحرام ولا یحرم) [2]

حالتِ احرام میں عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا

سوال :۔ حالتِ احرام میں عطّاری کیساتھ مصافحہ کرنا یا اسکی دوکان میں بیٹھنا موجبِ دم ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدن پر خوشبو کی ذات یعنی عطر وغیرہ نہ لگے اور اگر عطر وغیرہ اس کو لگ جائے تو زیادہ لگنے سے دم اور معمولی مقدار میں لگ جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ :۔ ولا بأس ان یجلس فی حانوت عطّار ولا فرق ایضًا بین ان یقصده اولا ولذا قال فی المبسوط : وان استلم الرکن فاصاب فمه او یده خلوف کثیر فعلیه دم وان کان قلیلاً فصدقة ـ (البحر الرائق ج۳ ص۳ باب الجنایات) [3]

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : وکذا اذا غطی اربع رأسه یومًا فصاعدًا فعلیه دم ـ (الفتاویٰ التاتارخانیة ج۲ ص۴۹۵ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم، نوع منه فی لبس المخیط)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۶ باب الجنایات

[2] وفی الهندیة : ولو غطی المحرم راسه او وجهه یومًا فعلیه دم وان کان اقل من ذٰلك فعلیه صدقة. کذا فی الخلاصة ـ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۴۹۲ الفصل الخامس، نوع منه فی لبس المخیط)

[3] وفی الهندیة : ولا بأس ان یقعد فی دوکان عطار او موضع یتبخر فیه الا انه یکره ـ

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الاوّل)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۵۰۶ الفصل الخامس فیما یحرم علی المحرم ـ نوع منه فی الدهن والتطیب والخضاب ـ

ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت سعودی عرب نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نئی قربان گاہ قائم کی ہے بعض حاجی حضرات سہولت کے لیے اپنی قربانی کو دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں یا قربانی کی قیمت بینک میں جمع کرا دیتے ہیں، اس طرح قربانی کا وقت کامل طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ذبح کی گئی، اب اگر کسی شخص نے حلق کر لیا اور یہ حلق ذبح پر مقدم ہوگیا تو کیا اس مقدم ہونے پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک ذبح حلق پر مقدم کرنا واجب ہے مؤخر کرنے سے دم واجب ہوگا، اسلئے اگر بینک والوں نے ذبح بعد میں کیا اور حاجی نے حلق پہلے کیا ہو تو دم لازم ہوتا ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کر کے پھر حلق کرے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق۔

(البحرالرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) لـه

ترک سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی آدمی سے واجب سعی ترک ہو جائے تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ ذبح ہر وقت جائز ہے ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں کسی کو بھی پیسے دے کر مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ومن ترك السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تام وفیهما ایضاً یجوز ذبح بقیة الایام فی ای وقت شاء۔ (الهدایة ج۱ ص۲۵۵ باب الجنایات) ۲ـه

لـه قال الحصکفیؒ:۔ ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر وفی ردّ المحتار ای او حلق کما دل علیه قوله وحلقه افضل۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة الحج، مطلب فی رمی العقبة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۷۳ باب الجنایات۔

۲ـه قال فی الهندیة: من ترك السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تامٌ۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن الجنایات، فصل خامس فی الطواف والسعی)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۸۱ باب الهدی۔

طوافِ صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوافِ صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ صدر ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، البتہ طوافِ صدر اب بھی کرسکتا ہے، یعنی عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کیا جائے تو اس طوافِ عمرہ سے طوافِ صدر ادا ہو جائے گا۔

وفی الھندیۃ: ولو ترك طواف صدر او اکثرہ تجب علیہ الشاۃ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۶ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[1]

عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اعذار کی وجہ سے اگر کوئی عورت وقوفِ مزدلفہ اور رمی نہ کر پائے تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ بغیر عذرِ شرعی کے وقوفِ مزدلفہ اور رمی کو ترک کرنا صحیح نہیں چھوٹ جانے کی صورت میں دم لازم ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ اور رمی چھوٹ جانے پر دم واجب نہیں۔

قال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ:۔ ثم وقف بمزدلفۃ ووقتہ من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارًّا کما فی عرفۃ لکن لو ترکہ بعذر کزحمۃ بمزدلفۃ فلا شیٔ علیہ۔ قال ابن عابدینؒ: الا اذا کانت لعلۃ اوضعف اویکون امرأۃ تخاف الزحام فلا شیٔ علیہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۱۱ کتاب الحج، مطلب فی الوقوف بالمزدلفۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: ولما کان طواف الصدر واجبًا وجب بترك کلّہٖ او اکثرہٖ دم۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۱ باب الجنایات)
وَمِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: اراد بالترك الترك لغیر عذرٍ اما اذا ترك واجبًا لعذر فانہٗ لاشیٔ علیہ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنایات)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس۔

دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے

سوال:۔ ایک شخص پر ترکِ رمی کی وجہ سے دَم واجب ہوا اُس کا ذبح کرنا کہاں ضروری ہے ؟

الجواب:۔ دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ، لیکن حرم کی زمین ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ:۔ ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم لقوله تعالیٰ : في جزاء الصيد هديًا بالغ الكعبة فصار اصلا في كل دم ۔ (الہدایہ ج۱ ص۲۸۱ باب الہدی) [۱]

بلا احرام میقات سے تجاوز کرکے پھر عود کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو آفاقی ہے ماہ شوال میں حج کے لیے آیا اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کرلی، اس کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا پھر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہوا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس آفاقی پر دونوں صورتوں میں دم واجب نہیں، پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ ابتداء میں اس نے عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو تجاوز میقات سے بلا احرام نہ پایا گیا اور مدینہ منورہ جانے میں تجاوز میقات سے بلا احرام پایا گیا ہے لیکن پھر عود کرکے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہے اور حج کا احرام زمینِ حرم سے باندھا ہے اسلئے دم ساقط ہوا ہے۔

وفي الهندية : فان عاد حلالاً ثمّ احرم سقط عنه الدم۔

(الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر في مجاوزة الميقات بغير احرام) [۲]

آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کیلئے بغیر احرام جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آفاقی شخص

---

[۱] وفي الهندية : ولا يجوز ذبح الهدايا الا في الحرم۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر في الهدی)

ومثلهٗ في التاتارخانية ج۲ ص۵۳۶ الفصل الحادي عشر في الاحصار۔

[۲] قال الشيخ ابن نجيم المصريؒ : من جاوز آخر المواقيت بغير احرام ثمّ عاد اليه وهو محرم ولبّى فيه فقد سقط عنه الدم اللازم له بالمجاوزة بغير احرام۔

(البحر الرائق ج۳ ص۴۸ باب مجاوزة الميقات بغير احرام)

ومثلهٗ في التاتارخانية ج۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع في بيان مواقيت الاحرام۔

مکہ مکرمہ آیا اور وہاں اقامت کی نیت کر کے شوال میں مدینہ منورہ زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چلا گیا پھر ذوالحلیفہ سے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا، تو کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرتے ہوئے حج وعمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، چونکہ اس شخص نے میقات سے تجاوز حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے اس لیے ایسا کرنے سے اس پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله لمکی یرید الحج) اما لو خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً البستان ثم احرم منه۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۸۱ باب الجنایات، مطلب لا یجب الضمان بکسر الات اللهو) ؎۱

جدّہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جدّہ جانے کا قصد کرتا ہے تو کیا وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے صرف جدّہ تک سفر کا قصد رکھتا ہو تو وہ میقات سے بلا احرام تجاوز کر سکتا اور اس شخص پر کوئی دم لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اما لو قصد موضعا من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۶ مطلب فی المواقیت) ؎۲

؎۱ قال الشیخ ابن الہمام رحمہ اللہ:۔ لانه خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً للبستان ثم احرم منه...... التمتع بما اذا خرج لحاجة الی الحل ثم احرم بالحج منه لا یجب علیه شئ کالمکی۔

(فتح القدیر ج ۳ ص۴۴ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)

ومثله فی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع فیما یلزم لمجاوزة المیقات بغیر احرام۔

؎۲ قال ابن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وبستان بنی عامر لحاجة فله ان یدخلها مکة بغیر احرام۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۷۷ الفصل الرابع ما یخرج علی المحرم)

میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب

سوال:۔ایک آدمی نے میقات سے عمرہ و حج وغیرہ کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا بھول گیا اور میقات میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ شروع کیا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب: شرعی قواعد کی رو سے اس آدمی پر دم واجب ہے کیونکہ صرف نیت کرنا اور بغیر تلبیہ کے احرام میں داخل ہونا غیر ظاہر روایت ہے، پس اس آدمی پر ضروری ہے کہ دوسرے شخص کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (وجاوز وقته) ظاهر ما فی النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة (ثم احرم) لزمه دم کما اذا لم یحرم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص۵۷۹ باب الجنایات) [1]

طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے

سوال:۔کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے طوافِ رہ جائے تو طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، اگر حلق کے بعد اور طواف سے پہلے جماع کرے تو دم لازم ہوگا، اور اگر حلق وطواف دونوں سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد کرے تو ایک بدنہ (یعنی اونٹ ذبح کرنا) واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وطؤہ بعد وقوفه لم یفسد حجه وتجب بدنة وبعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجنایة۔ قال ابن عابدینؒ: بعد وقوفه ای قبل الحلق والطواف۔

(رد المختار ج ۲ ص۵۶۰ باب الجنایات۔ کتاب الحج) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: اذا دخل الآفاقی مکة بغیر احرام وهو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حجة او عمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترک حق المیقات۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزة المیقات بغیر احرام)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص۴۸ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[2] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بدنة۔۔۔۔ وان جامع بعد الحلق فعلیه شاة لبقاء احرامه فی حق النساء دون لبس المخیط۔۔۔ (الهدایة ج ۱ ص۲۵۱، ۲۵۲ کتاب الحج، باب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الرابع فی الجماع۔

عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہوں تو کیا وہ چشمہ لگا کر حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں پورے چہرے کا چھپانا ممنوع ہے اور چشمہ سے چونکہ چہرہ نہیں چھپتا ہے لہٰذا چشمہ لگا کر حج کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: لگا سکتا ہے۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۰) [1]

احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص پان کھانے کا عادی ہو اور وہ احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھائے تو کیا اس سے دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ خوشبودار چیز کسی اور کھانے والی شئے میں پکا کر یا بغیر پکائے استعمال کی جائے تو اگر خوشبودار چیز مغلوب ہو جائے تو اس چیز کے کھانے سے دم لازم نہیں آتا مگر کراہت سے خالی بھی نہیں اور اگر خوشبودار شئے غالب ہو تو اس کے کھانے کی صورت میں دم ضرور لازم ہو گا، لہٰذا پان میں چونکہ خوشبودار چیز مغلوب ہوتی ہے اس لیے پان کھانے سے دم تو لازم نہیں ہوتا مگر ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں پان میں خوشبودار چیز استعمال نہ کی جائے۔

وفی الھندیۃ: ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شئ علی المحرم فی اکلہ سواء یوجد رائحتہ اولا کذا فی البدائع وان خلطہ بما یوکل بلا طبخ فان کان مغلوباً فلا شئ علیہ غیر انہ ان وجدت معہ الرائحۃ کرہ وان کان غالبا وجب الجزاء۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۱ الباب الثامن فی الجنایات) [2]

✠✠

---

[1] لما قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ:۔ سوال: محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب: لگا سکتا ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۴ مسائل جنایات)

[2] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: پان چونکہ داخل طیب نہیں بلکہ موجب زینت ہے منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان و تمباکو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں گو خالی از کراہت بھی نہیں۔ اھ

(امداد الفتاوی ج۲ ص۱۶۲ باب الاحرام)

دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے

سوال:۔ جو شخص حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہ وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید و فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں منیٰ وغیرہ کے مقامات میں بازار لگتے تھے تو جو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ حج کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت بھی کرتے تھے، قرآنِ کریم نے بھی اس کے جواز کا حکم دیا ہے، یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ سفر صرف حج کی نیّت سے ہونا چاہیئے اور اگر یہ سفر تجارت کی غرض سے ہو تو حج ادا نہ ہوگا۔

قال الله تبارك وتعالىٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَا اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۸) [1]

حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے، طواف اور سعی کے بعد حلق نہ کرے اور حدودِ حرم سے باہر چلا جائے اور وہاں یا دآنے پر حلق کرکے احرام کھول دے تو کیا اس شخص پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ حلق یا قصر حدودِ حرم کے اندر کیا جائے، اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں حدودِ حرم سے باہر جاکر حلق یا قصر کرکے احرام سے نکلے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اُس دم کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: واعتمر فخرج من الحرم وقصر فعليه دم عندهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۲۵ کتاب الحج)

---

[1] قال ابوبكر الجصاص الحنفي رحمه الله:۔ حتى قال في جوازه بعد ذكر الدلائل وجميع ذلك يدل على ان الحج لا يمنع التجارة وعلى هذا امر الناس من عصر النبي عليه السلام الى يومنا هذا في مواسم منى ومكة في ايام الحج۔ والله اعلم ــــ وكذا قال محمد بن احمد الانصاري القرطبي في تفسيره احكام القرآن ج۳ ص۴۱۳۔ (احكام القرآن ج۱ ص۳۴۵ باب التجارة في الحج)

باب الھدی

(قربانی کے احکام ومسائل)

قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا | **سوال**:۔ کیا متمتع اور قارن اپنی قربانی سے گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں دمِ تمتع اور دمِ قران دمِ شکر ہے اور اس کے گوشت کا حکم بھی عام قربانی کی طرح ہے یعنی جس طرح اضحیہ سے مالک خود کھا سکتا ہے اسی طرح دمِ قران اور دمِ تمتع سے بھی کھا سکتا ہے بلکہ اوروں کو بھی کھلایا جاسکتا ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویری الحنفیۃ انہ یجوز الأکل من ھدی التطوع والتمتع والقران اذا بلغ الھدی محلہ لانہ دم نسك فیجوز الأکل منہ بمنزلۃ الاضحیۃ[1] وماجاز لصاحبہ الأکل منہ جاز للغنی الأکل منہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعا الأکل من الھدی)[1]

دمِ جنایت سے خود کھانا جائز نہیں | **سوال**:۔ دمِ جنایات مثلاً احرام میں خوشبو لگانے یا تقدیم وتاخیر وغیرہ سے جو دم لازم آتا ہے حاجی کا اس سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ قربانی (دم) جو کسی جنایت کی وجہ سے حاجی پر لازم ہو جائے یا وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کرے تو اس قربانی کا استعمال (کھانا وغیرہ) خود حاجی اور اغنیاء دونوں کے لیے حرام ہے بلکہ صرف فقراء ہی اس سے کھا سکتے ہیں۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ولایجوز الأکل من بقیۃ الھدایا کدماء الکفارات والنذور وھدی الاحصار والتطوع اذا لم یبلغ محلہ و

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: یجوز الأکل من ھدی التطوع والمتعۃ والقران ویستحب لہ ان یأکل منھا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج)
ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ باب الھدی۔

محلہ منٰی او مکۃ ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعاً الأکل من الھدی)[1]

حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے حج کے لیے نہ جا سکے اور وہ تحلیل کے لیے حرم کی حدود میں یوم نحر سے قبل جانور ذبح کرے تو کیا یہ آدمی ایسا کرنے سے حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دمِ احصار کے ذبح کے لیے صرف حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے اگرچہ یوم نحر سے قبل ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس محصر کا احرام سے حلال ہونا درست ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فیجوز عند ابی حنیفۃؒ ذبح الھدی قبل یوم النحر لاطلاق النص ولأنہ لتعجیل التحلل۔ وقال الصاحبان لایجوز الذبح للمحصر بالحج إلّا فی یوم النحر کدم التمتع والقران وعلی الرای الاوّل ھوالراجح یکون زمان ذبح الھدی مطلق الوقت لایتوقف بیوم النحر سواء کان الإحصار من الحج أم عَنِ العُمرۃ۔[2]

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۲۹۲ باب الھدی ۔ اما زمان ذبح الھدی)

حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص پر دم لازم آئے اور اس کے پاس قربانی کے لیے پیسے نہ ہوں تو کیا یہ شخص واپس آکر اپنے وطن میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو قربانی (دم) ایامِ حج میں حج کی وجہ سے یا جنایات کی وجہ سے حاجی پر

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز الأکل من بقیۃ الھدایا لانھا دماء کفاراتٍ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۸۰ کتاب الحج ۔ باب الھدی)
وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج ۲ ص۸۹ کتاب الحج ۔ باب الھدی۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحہ قبل یوم النحر عند ابی حنیفۃؒ وقالا لایجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر۔
(الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۳ ص۵۵ باب الاحصار)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۶ الباب الثانی عشر فی الاحصار۔

لازم آئے تو ان ھدایا کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حدودِ حرم سے باہر اُن کا ذبح کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ شخص اپنے وطن میں ذبح کرنے کے بجائے حرم میں ہی ذبح کرے گا۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم لأن الھدی اسم لما یھدی الی مکان ومکانه الحرم۔ (الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج۳ ص۳۰۸ خامسًا مکان ذبح الھدی)[1]

دمِ جنایات کے لیے وقت یا دن کا مشروط ہونا

سوال: کیا دمِ جنایات کے لیے کوئی وقت یا دن شرعًا مقرر ہے یا کہ جس وقت اور جب چاہے ادا کرسکتا ہے؟

الجواب: حج میں نقصان کے جبیرہ (ازالہ) کے لیے جو دم لازم ہوتا ہے شرعًا اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ حاجی جب اور جس وقت چاہے ادا کرسکتا ہے۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: ویجوز ذبح بقیة الھدایا ای وقت شاء لانها دماء کفارات فلا یختص بیوم النحر لانها وجبت لجبر النقصان۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۳ ص۳۰۸ خامسًا مکان ذبح الھدی وزمانه)[2]

منیٰ میں قربانی پر عدمِ قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال: اگر حاجی منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، شرعًا اس کا کوئی بدل ہے؟

---

[1] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: لا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم۔ لقوله تعالیٰ فِیْ جَزَاءِ الصَّیْدِ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَةِ ... ولان الھدی اسم لما یھدیٰ الی مکانٍ و مکانه الحرم۔ (الھدایة ج۱ ص۲۸۱ باب الھدی)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الھدی۔

[2] قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: ویجوز ذبح بقیة الھدایا فی أی وقت شاء ولنا ان ھٰذہ دماء کفارات ولا یختص بیوم النحر لانها لما وجبت بجبر النقصان کان التعجیل بها أولیٰ لارتفاع النقصان به من غیر تأخیر بخلاف دم المتعة والقِران لانهٗ دم نسك۔

(الھدایة ج۱ ص۲۸۱ کتاب الحج، فصل فی الھدی)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الھدی۔

الجواب: منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی وجہ سے قربانی کے بدلے میں ایامِ حج میں تین روزے اور حج سے فارغ ہوکر گھر آجانے کے بعد سات روزے رکھنے لازمی ہیں، یاد رہے کہ یہاں عدم قدرت سے مراد منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہونا ہے اگرچہ اپنے وطن میں قادر ہو۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فان لم یجد المتمتع الھدی ینتقل الی صیام ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجع الی وطنہ وتعتبر القدرۃ علی الھدی فی موضعہ فمتی عدمہ فی موضعہ جاز لہ الانتقال الی الصیام وان کان قادراً علیہ فی بلدہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۳ ص۳۰۲ باب الھدی) [۱]

بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے

سوال: آجکل بعض حجاج حکومتی بینکوں میں قربانی کے پیسے جمع کرا دیتے ہیں اور بینک والے اُن کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، جبکہ اس طریقہ میں تقدیم وتاخیر اور نہ کرنے کا خطرہ بھی رہتا ہے، تو کیا ان شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنا ایسا عمل ہے جس میں نیابت درست ہے اس لیے بینک کی معرفت قربانی کرنے سے قربانی کا فریضہ ادا ہوجائے گا، مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حلق اور قربانی میں تقدیم وتاخیر نہ ہو ورنہ حنفیہ کے نزدیک دمِ جنایت لازم آئے گا اسی طرح قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے صرف قربانی کے پیسے جمع کرا دینے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی نہ کرائی جائے بلکہ خود قربانی کرکے حلال ہوجائے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: والاولی بالاتفاق ان یتولی الانسان ذبح الھدی بنفسہ ان کان یحسن ذلک لانہ قربۃ والعمل بنفسہ فی القربات اولی لما فیہ من زیادۃ الخشوع..... وان ذبح الھدی غیر صاحبہ اجزأہ والمستحب ان یشھد ذبحہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۳ ص۳۰۹ باب الھدی، سادساً ذبح الھدی) [۲]

---

۱ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۳۸ کتاب الحج۔ تفسیر الھدی۔

۲ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی: والاولی ان یتولی ذبحھا بنفسہ اذا کان یحسن ذلک..... الا ان الانسان قد لا یھتدی لذلک ولا یحسنہ فجوزناہ تولیۃ غیرہ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ باب الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الھدی۔

باب العمرۃ

(عمرہ کے مسائل واحکام)

عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم

سوال: عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کو منڈانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سر نہ منڈائے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب: عمرہ میں باقاعدہ حلق یا قصر واجب ہے اس کو ترک کرنا یا حرم سے باہر جاکر حلق کرنا موجب دم ہے۔

کما فی الھندیۃ: اما واجباتہا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۳۷)

وقال ایضاً: وتجب شاۃ بتاخیر النسک عن مکانہ کما اذا خرج من الحرم وحلق رأسہ سواء کان الحلق للحج او للعمرۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۷۔ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الخامس) [۱]

متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کرلیا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے محلوق تھا، اب یہ شخص کیا کرے، سر پر استرہ پھیرلے یا ویسے ہی چھوڑ دے؟

الجواب: جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کرلیا جائے تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف استرہ ہی پھیر دے جو کہ قائم مقام حلق کے ہوگا۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علیٰ رأسہ شعر بان کان حلق قبل ذلک اوسبب آخر ذکر فی الاصل انہ یجری موسیٰ علیٰ رأسہ۔ (الفتاوی التاتارخانیہ ج۲ ص۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: وغیرھما واجب وفی رد المحتار اراد بالغیر من المذکورات ھنا وذلک اقل اشواط الطواف والسعی والحلق او التقصیر۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ کتاب الحج، مطلب فی احکام العمرۃ)

ومثلہ فی تاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۶ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

[۲] قال فی الھندیۃ: واذا جاء وقت الحلق ولم یکن علیٰ رأسہ شعر بان کان حلق قبل ذلک او سبب آخر ذکر فی الاصل انہ یجری موسیٰ علیٰ رأسہ۔ (الفتاوی الہندیہ ج۲ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔)

عُمرہ اور مزدوری

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانا چاہتا ہے، عمرہ کے بعد اگر وہ وہاں مزدوری کرے تو کیا اسلام میں یہ اقدام جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- یہ طریقہ کار قانونی جُرم تو ہے اِسلامی جرم نہیں، جیسا کہ حج وعمرہ کے لیے جاتے وقت تجارت کا ارادہ کرنا اسلامی جرم نہیں، اس لیے زید کا عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانے کے بعد وہاں مزدوری کرنا درست ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔قال ابن العربی: ای فی مواسم الحج المسئلة الثانية فی هذا دليل علیٰ جواز التجارة فی الحج للحاج مع اداء العبادة (احکام القرآن ج ۱ ص۱۳۶ سورة البقرة)[1]

بسلسلہ مزدوری جدّہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں

سوال:- ایک شخص جدّہ میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے تو کیا اس پر عمرہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- جدّہ چونکہ حرم کعبہ کی حدود سے خارج ہے اور خارج حرم میں جانے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا، لہٰذا جدّہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: اما لو قصد موضعاً من الحل کخليص وجدة حل له مجاوزة بلا احرام۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۲ کتاب الحج، مطلب فی المواقيت)[2]

حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے لیکن اُس نے حج کی بجائے عمرہ

---

[1] قال الشيخ ابن نجيمؒ: وتجريد السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ينقص ثوابه کالغازی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسك، الباب الاول فی تفسير الحج۔

[2] قال العلامة العالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجريد وغيره لحاجته فله ان يدخل مکة بغير احرام۔ (الفتاویٰ التاتارخانية ج ۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع فی ما يحرم علی المحرم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۲۲۱ الباب الثانی فی المواقيت۔

ادا کیا، تو کیا اس سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو خاص وقت میں مخصوص مقامات کی زیارت وافعال کا نام ہے اسلئے عمرہ ادا کر لینے سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والے کو حج کرنا ضروری ورنہ مستحقِ وعید ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زاداً وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیاً اونصرانیاً۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۲۲ کتاب الحج)[1]

دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا ایک دن میں ایک سے زائد عمرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمرہ کی ادائیگی کے لئے شریعتِ مقدسہ نے کسی وقت یا تعداد کا تعین نہیں کیا بلکہ ایک شخص دن میں جتنے عمرے ادا کر سکتا ہے کرلے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

وفی الھندیۃ: ووقتھا جمیع السنۃ الّا فی خمسۃ ایام تکرہ فیھا العمرۃ لغیر قارن واما رکنھا فالطواف واما واجبتھا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ)[2]

شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشہرِ حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر کسی نے عمرہ کر لیا تو کیا اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ایامِ تشریق، عرفہ اور عید کے دن کے علاوہ تمام سال میں عمرہ کرنا جائز ہے چاہے اشہرِ حج ہوں یا غیر اشہرِ حج۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ووقت العمرۃ السنۃ کلھا۔ وفی الھدایۃ والعمرۃ

---

[1] قال ابن الھمامؒ: بشرائط نوعان ولو ملکہ مسلماً فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمتہ دیناً علیہ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۰ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] لما قال الحصکفیؒ: وھی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیرٌ فالاحرام شرط ..... وجازت فی کل سنۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۲،۴۷۳ مطلب فی احکام العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

لاتفوت ولكن تكره في يوم عرفة وايام التشريق۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة) ؎۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا

سوال:۔ کیا رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا فرمایا ہے، اگر ادا فرمایا ہے تو وہ رمضان شریف کی کون سی تاریخ تھی؟

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے، البتہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

قال البراء ابن عازب: اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم عمرتين قبل ان يحج فلم يحتسب لعمرة الحديبية كذا في الصحيحين وكلهن في ذيقعدة على ما هو الحق۔ (فتح القدير ج۳ ص۱۳۷ باب العمرة) ؎۲

زندہ آدمی کیلئے طواف اور عمرہ کرنا

سوال:۔ عمرہ اور طواف کا ثواب اگر کسی زندہ آدمی کو بخشا جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زندہ آدمی کے لیے عمرہ اور طواف کا ثواب بخشنا جائز ہے اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قال ابن عابدين تحت هذه العبارة بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره اى سواء كانت صلوة او صوما او صدقة او قراءة او ذكرا او طوافا او حجا او عمرة او غير ذلك۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب في اهداء ثواب الاعمال للغير) ؎۳

؎۱ قال الحصكفي: (وجازت كل سنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريما يوم عرفة واربعة بعدها۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ مطلب احكام العمرة)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس في العمرة۔

؎۲ قال العلامة ابن عابدين: وندب في رمضان وقد اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم اربع عمرات كلهن بعد الهجرة في ذيقعدة على ما هو الحق وتمام فيه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ مطلب احكام العمرة)

ومثله في التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ كتاب الحج۔ باب العمرة۔

؎۳ قال ابن نجيم: فان من صام او صلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة، كذا في البدائع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغير)

ومثله في الهندية ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير۔

حج بدل کے بعد کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے گیا، حج بدل ادا کرنے کے بعد اُس نے اپنے والد مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کیا، تو کیا اس کا یہ عمرہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کرنے والے پر ادائیگی حج تک اپنے آمر کے فرمان کے مطابق ارکانِ حج ادا کرنے لازمی ہیں تاکہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، صورتِ مسئولہ میں اُس نے چونکہ پہلے حج بدل ادا کیا اور پھر ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کیا اس طرح اس نے آمر کے حکم کی مخالفت نہیں کی اس لیے اس کا یہ عمرہ صحیح ہے۔

قال عالم بن العلا الانصاریؒ: ابن سماعۃ عن محمدؒ لا المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرۃ ینفق من مال نفسہ مادام معتمراً فاذا انصرف من مال آمر۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) [1]

بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا

سوال:۔ کیا صحت مند آدمی کی طرف سے عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بیوی کی طرف سے خاوند کے عمرہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عمرہ اور نفلی حج ہر شخص چاہے صحت مند ہو یا غیر صحت مند، اور بیوی یا کسی اور خاتون کی طرف سے ادا کرتے ہیں کوئی قباحت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادۃ مالہ جعل ثوابہا لغیر (ای سواء کانت صلوٰۃ اوصوماً او صدقۃ او قراءۃ اوذکراً او طوافاً اوعُمرۃ وغیر ذٰلک۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فی اِھْدَاء ثواب الاعمال للغیر) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولو امرہ بالعُمرۃ فاعتمر ثمّ حج عن نفسہ لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حجّ اوّلاً ثمّ اعتمر۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۱ مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۶۳ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: فان من صام اوصلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہٖ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیہم عند اھل السنّۃ والجماعۃ کذا فی البدائع۔

(البحرالرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے بعد کتنی مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیئے، کیا شرعاً اس کے لیے کوئی تعداد مقرر ہے؟

الجواب: عمرہ یا حج کے لیے احرام باندھنے کی نیت کرنے کے بعد ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: ثمّ لبى دبر صلوته ناويًا بها الحج وهى لبّيك اللّٰهم لبّيك، لبّيك لا شريك لك لبّيك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك۔ وزاد فيها ولا تنقص۔ قال شارح التنوير: (ولا تنقص) اى منها فانها مكروه اى تحريما لقولهم انها مرة شرط والزيادة سنة ويكون مسيئا بتركها وبترك رفع الصوت بها۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۸۲ فصل فى الاحرام) [۱]

عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنّت؟

سوال: عُمرہ فی نفسہٖ کیا حکم رکھتا ہے، فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟

الجواب: احناف کے ہاں زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سُنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں۔

قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: المالكية والحنفية قالوا العمرة سُنة مؤكدة فى العمر مرّة لا فرض لقوله صلى الله عليه وسلم الحج مكتوب والعمرة تطوع۔

(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۱ ص۶۸۴ مبحث العمرة) [۲]

---

[۱] لما فى الهندية: وله ركن وشرط (فالركن) ان يوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان احدهما قول) بان يقول لبّيك اللّٰهمّ لبّيك، لبّيك لا شريك لك .... الخ وهى مرّة شرط والزيادة سنّة۔ الخ

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۲۱، ۲۲۲ كتاب المناسك۔ باب الثالث فى الاحرام)

[۲] وفى الهندية: العمرة عندنا سُنة وليست بواجبة ويجوز تكرارها فى السنة الواحدة (ووقتها) جميع السنة الّا خمسة ايّام وتكره فيها العمرة لغير القارن كذا فى فتاوىٰ قاضيخان، وهى يوم عرفة ويوم النحر وايّام التشريق والاظهر من المذهب ما ذكرنا ولكن مع هٰذا لو اداها فى هٰذه الايام صح ويبقى محرما بها فيها كذا فى الهداية۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فى العمرة)

ومثلهٗ فى ردّ المحتار ج ۲ ص۱۵۱ مطلب احكام العمرة۔

کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے؟

سوال:۔ سال کے کون کون سے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ سال بھر میں صرف پانچ دن کرنا مکروہ ہے :(۱) یوم العرفہ (۲) یوم النحر (۳) اور عید الضحیٰ کے بعد تین دن۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ : قال الحنفیۃ :یکرہ الاحرام بالعمرۃ تحریماً فی یوم عرفۃ قبل الزوال وبعدہ علی الراجح وکذلک یکرہ الاحرام بہا فی یوم عید النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔ (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱ ص۶۸۵ کتاب الحج، ارکان العمرۃ) [۱]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کیلئے کیا کیا کرنا ضروری ہے یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ کے لیے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق یا قصر واجبات میں شامل ہیں، عمرہ کرنے والے کے لیے ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ : الحنفیۃ قالوا للعمرۃ رکن واحد ھو معظم الطواف اربعۃ اشواط اما الاحرام فھو شرط لھا واما السعی بین الصفا والمروۃ فھو واجب کما تقدم فی الحج ومثل السعی الحلق او التقصیر فھو واجب۔

(کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج ۱ ص۶۸۵ کتاب الحج۔ ارکان العمرۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ :۔ العمرۃ سنۃ وتصح فی جمیع السنۃ، وتکرہ یوم عرفۃ ویوم النحر وایام التشریق۔
(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۴۰۸ کتاب الحج فی فصل العمرۃ)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۱ ص۲۵ کتاب الحج۔

[۲] لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ :۔ ورکن العمرۃ شیئان الاحرام والطواف بالبیت وواجبھا شیئان السعی بین الصفا والمروۃ والحلق ولیس علیہ ماسوی ذلک من رمی الجمار۔
(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۳۰۱ فصل فی العمرۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ۔

ایامِ تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص ایامِ تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق میں عمرہ کرنا شرعاً ممنوع یعنی مکروہِ تحریمی ہے، تاہم اگر ایامِ تشریق یا یوم النحر میں عمرہ کیا جائے تو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ: تکرہ یوم عرفة والنحر وایّام التشریق.......... ولو اداها فیها جاز مع الکراهیة کصلاة التطوع فی الاوقات الخمسة المکروة۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۵۷ فصل فی العمرة۔) له

ارکانِ عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف اور سعی کے بعد حلق کرنے کی بجائے پہلے زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرے اور پھر حلق کرے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- جس طرح حج کے ارکان وواجبات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آتا ہے، تو اسی طرح عمرہ میں بھی ترتیب کا خیال رکھا جائے اگر کہیں ترتیب ساقط ہو جائے تو دم دینا لازم ہوگا۔

لما قال المفتی عبدالرحیم لاجپوری: ہاں دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئیں، الٹا کرنے سے دم لازم آئے گا، فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔ (سوال) فی رجل اهل بعمرة وطاف وسعی وحلق احد ابطیه ثم حلق رأسه وحلق ابطیه الاخر ماذا یجب علیه افتونا۔ (الجواب) یجب علیه دم والصورة ماشرح۔

(فتاویٰ رحیمیة ج ۲ ص۵۲ کتاب الحج)

له وفی الهندیة: جمیع السنة الآخمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن وهی یوم عرفة والنحر وایّام التشریق والاظهر من المذهب ما ذکرنا ولکن مع هذا لو اداها فی هذه الایّام صح۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)

باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(روضۂ اقدس کی زیارت کے بیان میں)

حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے جانا لازمی ہے

سوال:۔ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا لازمی ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں بعض مندوب کہتے ہیں، بعض واجب اور بعض واجب کے قریب کے قائل ہیں۔ علامہ شامیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہٗ سعۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۲ باب الھدی) [۱]

زیارتِ روضۃ النبیؐ کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ جو شخص روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہو تو مدینہ منورہ داخل ہونے سے قبل اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جو شخص زیارۃِ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ کثرت سے دُرود پڑھے اور جب مدینہ طیبہ کی حدود یعنی شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں تو درود شریف پڑھ کر یہ **دعا مانگے**: اللھم ھٰذا حرم نبیك فاجعلہ وقایۃ لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب، اور مدینہ منوّرہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرکے، اچھا لباس زیب تن کرکے خوشبو لگاکر تواضع اور وقار کے ساتھ داخل ہوکر یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ وعلیٰ ملّۃِ رسول اللّٰہِ

---

[۱] قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیھا وبالغ فی الندب الیھا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ النبی)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۱۶۹ کتاب الحج۔

رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ الخ

لما قال العلامة عبداللہ بن مودود الموصلیؒ: ینبغی لمن قصد زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوٰۃ علیہ فقد جاء فی الحدیث انہ یبلغہ ویصلّ علیہ فاذا عاین حیطان المدینۃ یصلی علیہ ویقول اللّٰہم ھٰذا حرم نبیّکؐ فاجعلہ وقایۃ لی من النار واٗمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہٗ ان اٗمکنہ ویتطیب ویلبس اٗحسن ثیابہ فھو اقرب الی التعظیم ویدخلھا متواضعا علیہ السکینۃ والوقار ویقول بسم اللہ وعلیٰ ملّۃِ رسول اللہ رَبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ .... الیٰ آخر الآیۃ ۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبیؐ) [۱]

زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا

سوال: جو شخص زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو کیا وہ ۲ دو رکعت نماز پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص زیارت کے لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو اُسے چاہیئے کہ پہلے ۲ دو رکعت نماز اگر ممکن ہو تو منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح پڑھے کہ منبر کے ستون اُسکے دائیں طرف آجائیں ورنہ جہاں بھی موقع ملے نماز ادا کرے اور پھر سلام کیلئے روضۂ اطہر پر حاضر ہو۔

لما قال العلامۃ عبداللہ بن مودود الموصلیؒ: ثم یدخل المسجد فیصلی عند منبرہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبہ الایمن فھو موقفہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو بین قبرہ ومنبرہ۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: اذا توجہ الی الزیارۃ یکثر من الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مدۃ الطریق..... واذا عاین حیطان المدینۃ یصلی علیہ ویقول اللھم ھٰذا حرم نبیّک فاجعلہ وقایۃ لی من النار وآمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہ ان امکنہ ویتطیب ویلبس اٗحسن ثیابہ ویدخلھا متواضعاً علیہ السکینۃ والوقار۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

[۲] وفی الھندیۃ: ویصلّی عند منبرہ رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبہ الایمن وھو موقفہ علیہ السلام وھو بین قبرہ ومنبرہ ثم یسجد شکراً للہ تعالیٰ۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

سوال:۔ روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مسجدِ نبوی میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

حرمِ نبوی کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے

الجواب:۔ دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد جب قبر شریف کی زیارت کے لیے جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے قبلہ رُخ مواجہہ شریف سے تین چار ذراع (گز) دُور اس طرح آرام سے کھڑا ہو جیسا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے اور یہ تصوّر کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور اس کے آنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور آپؐ اس کے کلام کو سن رہے ہیں، اور پھر آہستہ سے سلام پیش کرے۔

لما قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: ثمّ ینھض فیتوجّہ الی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقف عند رأسہ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبلاً للقبلۃ ید نومنہ قدر ثلاثۃ أذرع او اربعۃ ولا ید نومنہ اکثر من ذٰلک..... ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ صلی اللہ علیہ وسلم کانہ نائم فی لحدہٖ عالم بہٖ یسمع کلامہ۔ قال النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی عند قبری سمعتہ وفی الخبر انہ وکل بقبرہ ملک یبلغہ سلام من سلم علیہ من اُمتہ..... ویقول السّلام علیک یارسول اللہ۔ الخ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم)[1]

سوال:۔ اگر ملکی قانون کی وجہ سے حج کے ویزے میں وقت کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

قانوناً حجاز میں مدّتِ قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جاسکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] وفی الھندیۃ: ثمّ ینھض فیتوجہ الی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم فیقف عند رأسہ مستقبل القبلۃ ثم ید نومنہ ثلاثۃ اذرع او اربعۃ ولا ید نومنہ اکثر من ذٰلک ولا یضع یدہ علی جدار التربۃ فھو اَھیب واَعظم للحرمۃ ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ البھیۃ کانہ نائم فی لحدہ عالم بہٖ یسمع کلامہ ثمّ یقول اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یا نبی اللہ الخ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۶۵ کتاب الحج خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

الجواب:۔ جس کو روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کی طاقت و قدرت ہو تو اس پر زیارت روضۂ اقدس کے لیے جانا قریب الی الوجوب (حکماً واجب) ہے، البتہ اگر کسی قانونی اور عذر شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ وزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہٗ سعۃ و یبدأ بالحج لو فرضاً ویخیر لو نفلاً مالم یمر بہٖ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۲ باب الهدی) لہ

اُسطوانۃ ابولبابۃ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال:۔ کیا اُسطوانۃ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ اُسطوانۃ ابولبابہ کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جائے اور اپنے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔

قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ: ثم یأتی اُسطوانۃ ابی لبابۃ اَلّتیْ رَبط نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر ویصلی رکعتین ویتوب الی اللہ تعالیٰ ویدعو بما شاء۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۷ فصل زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ؎

لہ قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ:۔ اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیہا وبالغ فی الندب الیہا فقال من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۸۱ مسائل حج۔

؎ وفی الهندیۃ: ثم یأتی اُسطوانۃ ابی لبابۃ التی ربط نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر فیصلی رکعتین ویتوب الی اللہ ویدعو بما شاء۔

[الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۶۶ کتاب الحج
خاتمۃ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم]

روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

سوال :- جب کوئی شخص روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہو تو وہ کن الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب :- اللہ تعالٰی جب کسی کو روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ روضۂ اطہر پر مواجہ شریف کے سامنے نہایت ادب و احترام سے کھڑا ہو جائے اور یہ تصور کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں اور یہ بھی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کر رہا ہے، اس کے بعد درمیانی آواز سے مؤدبانہ لہجے میں ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

السلام علیك ایها النبی ورحمة الله۔ السلام علیك یا خیر خلق الله۔ السلام علیك یا خیرة الله من خلق الله۔ السلام علیك یا حبیب الله۔ السلام علیك یا سید ولد آدم۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔ یا رسول الله انی اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد انك عبده ورسوله۔ اشهد انك بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشفت الغمة فجزاك الله خیرًا جزاك الله عنا افضل ما جزی نبیًا عن امته۔ اللّٰهم اعط سیدنا عبدك ورسولك محمد الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه مقامًا محمودا الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد وانزله المنزل المقرب عندك انك سبحانك ذوالفضل العظیم۔

(قرة العینین الشهیر بفتاوی حرمین ص۳۰۴)

کتاب

النکاح

هو الذى خلقكم من

نفس واحدة وجعل منها

زوجها ليسكن اليها

باب آداب النّکاح وشرائطہ

(نکاح کے آداب وشرائط)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے

سوال: بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے، کیا خطبہ ایجاب وقبول سے قبل پڑھنا چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب: نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۸ کتاب النکاح)[1]

لفظ "نکاح" کے بجائے "بیع" کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال: اگر نکاح کے وقت لفظ نکاح کے بجائے بیچنے وغیرہ کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: خرید وفروخت اور بیچنے وغیرہ کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال کیے جائیں تو نکاح بلا اختلاف صحیح ہے۔

قال ابن نجیمؒ: فینعقد النکاح بلفظ الھبۃ والعطیۃ والصدقۃ والملک والتملیک والجعل والبیع والشراء علی الاصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمہ اللہ: وفی المجتبیٰ یستحب ان یکون النکاح ظاھرًا وأن یکون قبلہ خطبۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)
ومثلہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۷ ص۱۲۲ البحث الخامس مندوبات عقد النکاح)

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ: وکل ما تملک بہ الرقاب) کالجعل والبیع والشراء فانّہ ینعقد بہا ...... ثم قال ھذا حاصل ما فی الفتح وملخصہ أنہ لابد فی کنایات النکاح من النیۃ مع قرینۃ او تصدیق القابل للموجب وفھم الشھود المراد او اعلامھم بہ۔ (رد المحتار ج۳ ص۱۸ کتاب النکاح)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۱ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد بہ)

نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ ایک لڑکی نے بیان دیا کہ میں بالغ ہو چکی ہوں اور اس سے پہلے میرا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے تو کیا اُس کے اِس اقرار پر اُس سے نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کے لئے مفید ہو تو اس کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں اس سے نکاح درست رہے گا بشرطیکہ بالغہ عاقلہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ: قالت ارتدت زوجی بعد النکاح وسعہ أن یعتمد علی خبرھا و یتزوجھا وإن اخبرت بالحرمۃ بأمر عارض بعد النکاح من رضاع طاری اونحو ذلك فان کانت ثقۃ اونحو ذلك فان کانت ثقۃ أولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلا بأس بأن یتزوجھا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۲۹) ؎۱

"رشتہ منظور ہے" سے نکاح کے انعقاد کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے، تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیارِ فسخ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدۂ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطتنیھا فقال أعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(ردالمحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: وحاصلہ أنہ متی أخبرت بأمر محتمل فان ثقۃ أووقع فی قلبہ صدقھا لابأس بتزوجھا وان بأمر مستنکر لا۔ مالم یستفسرھا۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۵ ص۲۹۸)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۱۰۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

؎۲ قال الحصکفی رحمہ اللہ: وینعقد تلبسا بایجاب من احدھما وقبول من الاخر۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

سوال:۔ اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو کیا یہ شرعی نکاح متصوّر ہوگا یا نہیں؟

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے، اس لیے اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہو جائے تو بے سود ہے، شرعاً ایسے معاہدۂ نکاح کو نکاح نہیں کہا جا سکتا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وھو الاشھاد فلم یصح بغیر شھود لحدیث الترمذی البغایا اللاتی ینکحن انفسھن من غیر بینۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح) [۱]

سوال:۔ کیا نکاح کے ثبوت کیلئے ان لوگوں کی گواہی قبول ہو سکتی ہے جو نکاح کے وقت حاضر نہ ہوں بلکہ دوسروں سے نکاح کی خبر سُنکر گواہی دیں؟

اثباتِ نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے

الجواب: اثباتِ نکاح کے لیے جو گواہی دی جاتی ہے اُس کے لیے گواہوں کا مجلس نکاح میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ ثبوتِ نکاح کے لیے شہادت بالتسامع بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنے لوگوں سے نکاح کے انعقاد کی سماعت ہو چکی ہو جن کا جھوٹ بولنے پر اتفاق کرنا متصوّر نہ ہو۔

قال فی الھندیۃ: الشھادۃ بالشھرۃ والتسامع تقبل فی اربعۃ اشیاء بالاجماع وھی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی المحیط السرخسی۔ (الفتاوی الہندیہ ج۳ ص۳۵۷) [۲]

---

[۱] وھو حدیث صحیح روی مرفوعاً وموقوفاً قالہ العثمانیؒ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۷)
قال فی الھندیۃ: ومنھا الشھادۃ۔ قال عامۃ العلماء انھا شرط جواز النکاح ھکذا فی البدائع۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاول فی تفسیرہ شرعاً)
ومثلہ فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۳۱، ۳۳۲ فصل فی شرائط النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: فلا تطلق الشھادۃ بالتسامع إلّا فی اشیاء مخصوصۃ وھی النکاح والنسب والموت فلہ تحمل الشھادۃ فیھا بالتسامع من الناس وان لم یعاین بنفسہ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۶۶)
ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح۔

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے

سوال:۔عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کی موجودگی مستحب ہے البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولا یشترط الاشهاد علی التوکیل۔(البحرالرائق ج ۳ ص۸۹ کتاب النکاح) [۱]

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان کرنا

سوال:۔نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔نکاح کی تشہیر و اعلان سنت ہے پھر دیگر ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

روی عن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم: اعلنوا هٰذا النکاح......الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح) [۲]

جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذرِ شرعی اُن کا نکاح نہ کرنا

سوال:۔کیا جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھنے اور بلا کسی شرعی رکاوٹ کے اُن کے نکاح نہ کرنے سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متاثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔کفو ملنے کی صورت میں جوان بیٹیوں کا نکاح جلد از جلد کر دینا ضروری ہے تاہم

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی أن یشهد علی الوکالة اذا خیف جحد المؤکل إیاها۔ (رد المحتار ج ۳ ص۹۵ باب الاکفاء، مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ومنها العدد۔

[۲] قال الشیخ الطوریؒ: وعن الحسن بن زیاد لا بأس بأن یکون فی العرس دف یضرب به لیشتهر ویعلن النکاح..... وفی الذخیرة لا بأس بضرب الدف فی العرس والولیمة والاعیاد۔(تکملة البحرالرائق ج ۸ ص۱۸۹ کتاب الکراهیة قبل فصل فی اللبس)

موزوں رشتہ کی تلاش میں تاخیر ہوجانا ممنوع نہیں اور اس سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر نہیں ہوتی، البتہ موزوں رشتہ ملنے کی صورت میں سازگار حالات کے باوجود بیٹیوں کو رسمی غیرت کی وجہ سے نکاح سے محروم رکھنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ۔ (سورۃ النور آیت ۳۲)

قال ابن عابدین: ویزوجہا کفوًا فان خطبہا الکفو لا یؤخرہا وھو کل مسلم تقی۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح) [1]

رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز ہے

سوال:۔ ایک بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:۔ بالغہ عورت کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ جب دوسرا کوئی شخص (سرپرست یا والد) اس کا نکاح کسی سے کر دے اور اس کی خبر پہنچنے پر وہ اُسے رَد نہ کرے بلکہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح درست ہے، تاہم رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز اور مستحسن ہے۔

قال فی الھندیۃ: لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من أب وسلطان بغیر إذنہا بکرا کانت او ثیبًا فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتہا فإن اجازتہ جاز۔ وإن ردتہ بطل کذا فی السراج الوھاج ولو ضحکت البکر عند الاستئمار او بعد ما بلغہا الخبر

---

[1] وعلی رضی اللہ عنہ مرفوعًا: ثلاث لا تؤخر: اَلصَّلٰوۃُ إِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ، إِذَا وَجَدْتَ لَہَا کُفْوًا۔ اخرجہ الترمذی والحاکم باسناد ضعیف۔ قلت حسنہ السیوطی فی الجامع الصغیر وصححہ الحاکم والذھبی کلاھما فی المستدرک۔
(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۶۷ فصل فی الکفاءۃ۔ باب مراعاۃ الکفاءۃ وجواز النکاح)
وعن عمر بن الخطابؓ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت إبنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ۔ رواہ البیہقی فی الشعب۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

فهو رضا - (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء) [1]

منگنی ہو جانے کے بعد کسی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرانا

سوال: ایک لڑکی کی باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے جبکہ اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ منگنی کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ فقط وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، لہٰذا اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا مروت کا تقاضا نہیں جسکی وجہ سے گناہ لازم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا الحر ینوا الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح - (ردّ المحتار ج ۳ ص۱۱ کتاب النکاح) [2]

صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال: بعض علاقوں میں منگنی کی رسومات کی ادائیگی پر کافی مالی اخراجات کیے جاتے ہیں لیکن کوئی باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی رسومات کی ادائیگی کو نکاح کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرنے کا، چونکہ منگنی کی جملہ رسومات میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول کا اہتمام نہیں ہوتا صرف رشتہ دینے یا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فإن استاذنها هو أی الولی وهو السنة أو وکیله أو رسوله أو زوّجها ولیها وأخبرها رسوله أو فضولی عدل فسکتت عن ردّه مختارة أو ضحکت غیر مستهزئة أو تبسمت أو بکت بلاصوت .... فهو إذن۔ (ثم قال بعد أسطر) ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لأن الغالب اظهار النفرة عند فجاة السماع - (الدر المختار علی صدر ردالمختار ج ۳ ص۶۰ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۱۱ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وینعقد ملتبسا بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر - (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۳ ص۹ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

لینے کا وعدہ ہوتا ہے اس لیے صرف ان رسومات کے ادا کر لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی ازدواجی احکام جاری ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا لم ینوالاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔
(رد المحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) ^۱^

بالغہ عورت سے زبردستی کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو کیا جبر و اکراہ سے کئے گئے ایجاب وقبول سے شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عاقلہ بالغہ عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو چونکہ اس میں من وجہ اس عورت کی رضامندی شامل ہے اس لیے اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله لیتحقق رضاهما) ای لیصدر منهما ما من شأنه ان یدل علی الرضاء إذ حقیقة الرضاء غیر مشروطة فی النکاح لصحته مع الاکراه والهزل۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۱ کتاب النکاح) ^۲^

بالغہ عورت کو نکاح کیلئے مجبور نہیں کیا جا سکتا

سوال:۔ کیا کسی عاقلہ بالغہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی مرد سے کر دیا جس سے وہ عورت انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح مسلمان مرد وعورت کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اس میں

---

^۱^ قال ابن نجیمؒ: لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیتك ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح، الباب الاول فی تفسیره شرعاً۔ الخ

^۲^ وقال الطوریؒ: وفی المبسوط فکل تصرف یصح مع الهزل کالطلاق والعتاق والنکاح یصح مع الاکراه۔ (البحر الرائق ج۸ ص۷۵ کتاب النکاح)
ومثله فی الفقه الاسلامی وأدلته ج۷ ص۷۹ کتاب النکاح۔

کسی بالغہ عورت کو شرعاً مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ نکاح میں اس کی رضامندی ضروری ہے بغیر اسکی رضامندی کے اگر نکاح کیا جائے تو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قول صاحب الکنز) ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح أی لا ینفذ عقد الولی علیها بغیر رضاها عندنا۔ انتہیٰ (البحرالرائق ج۳ ص۱۱۰ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء) لہ

بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے

سوال:۔ باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے ایک نابالغ لڑکے سے کردیا اور نکاح کے بعد اس نے بیٹی کو خبر دی کہ میں نے تیرا نکاح فلاں لڑکے سے کردیا ہے، اس پر اسکی بیٹی نے صرف یہ کہا کہ کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتے، اسکے بعد وہ خاوند کے گھر چلی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح نافذ ہے، اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بالغہ بیٹی کے نکاح کے لیے باپ کو بیٹی سے اجازت لینا ضروری ہے، اگر لاعلمی میں باپ نے بالغہ بیٹی کا نکاح کردیا اور پھر باپ نے جب اپنی بالغہ بیٹی کو اس نکاح کی خبر دی اور اس نے ردّ نہیں کیا تو یہ نکاح اب لازم اور منعقد ہے اور بالغہ دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی تاہم اگر وہ پہلے سے ردّ کرتی تو اس کو یہ حق حاصل تھا۔

قال صاحب الکنز: فإن استأذنها الولی فسکتت أو ضحکت أو زوّجها فبلغها الخبر فسکتت فهو إذن۔ (کنز الدقائق ج۲ ص۱۱۱ کتاب النکاح)

لہ قال فی الهندیة: لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکراً کانت أو ثیباً۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ کتاب النکاح)

وقال العلامة العثمانی رحمه الله: روی عن ابن عباسؓ ان جاریة بکراً أتت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت أن أباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی الله علیه وسلم۔ رواه الامام أحمد ورجاله ثقات، وقال ابن القطان صحیح۔ (درایة ص۲۲۱)۔ (إعلاء السنن ج۱۱ ص۶۷ کتاب النکاح)

ع قال ابن نجیمؒ: والسنة أن یستأمر البکر ولیها قبل النکاح .... وإن زوجها بغیر استئمار فقد أخطأ السنة وتوقف علی رضاها انتهی فهو محمل النهی فی حدیث مسلم لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یارسول الله وکیف إذنها قال ان تسکت، فهو بیان السنة للاتفاق علی أنها لو صرحت بالرضاء بعد العقد نطقاً فانه یجوز۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۸۳ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء۔

نکاح کا شرعی حکم

سوال:۔ شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرض ہے، واجب ہے یا سُنّت؟

الجواب:۔ نکاح کرنا تمام انبیاء کرام کی سُنّت ہے، جو شخص نکاح کے جملہ حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کو نکاح کر لینا چاہیئے۔ اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو واجب جبکہ خوفِ زنا کے وقت فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون ای النکاح واجب عند التوقان فان تیقن الزناء الا به فرض نهایة وهذا ان ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بترکه، بدائع ویکون سنة مؤکدة فی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۵۷ تا ۳۵۹ کتاب النکاح)[۱]

نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے

سوال:۔ کیا احناف کے ہاں نکاح کرنا افضل ہے یا نفل عبادت کرنا؟

الجواب:۔ حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے ہاں جو شخص بیوی کے نان ونفقہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا نفلی عبادت کرنے سے افضل ہے، البتہ شوافع کے ہاں نفلی عبادت نکاح سے افضل ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قالوا ان الاشتغال به ای بالنکاح افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال به ومایشتمل علیه من القیام بمصالحه واعفاف النفس عن الحرام وتربیة الولد ونحو ذلك۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۵ کتاب النکاح)[۲]

اسلام میں بیک وقت تعدادِ ازواج کا حکم

سوال:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بیک وقت کتنی بیویاں جمع کرنے

---

[۱] وقال فی الهندیة: واما صفة فهو انه فی حالة الاعتدال سُنّة مؤکدة وحالة التوقان واجب وحالة خوف الجور مکروه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، فصل اوّل)

[۲] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: وعلیٰ هذا الاصل بنی اصحابنا من قال منهم ان النکاح فرض او واجب لان الاشتغال به مع اداء الفرائض والسنن اولیٰ من التخلی لنوافل العبادات مع ترك النکاح وهو قول اصحاب الظواهر۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ کتاب النکاح)

کی گنجائش رکھی ہے ؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بشرطِ عدل ومساوات ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فانکحوا ما طاب لکم۔ ای تزوجوا ما بمعنی من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع (ولا تزیدوا علیٰ ذٰلک) ۔ (تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ) ؎۱

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ

سوال:۔ کیا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اسلام میں مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے درمیان عدل ومساوات قائم رکھ سکتا ہو، اس کے علاوہ کسی بھی شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر ۔
(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۲ باب المحرمات) ؎۲

خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے

سوال:۔ اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہوں تو کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں ؟

؎۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بما شاء ما الاماء ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۲ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۷ کتاب النکاح۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانیؒ: وللحر ان یتزوج اربعًا من الحرائر والاماء ولیس له ان یتزوج اکثر من ذٰلک، لقوله تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔
(الھدایۃ ج۲ ص۷ کتاب النکاح)
وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ ۔

الجواب: ہر خطبہ چاہے وہ نکاح کا ہو یا عیدین وجمعہ کا سُننا واجب ہے، اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۷۶۹ کتاب النکاح) [1]

عدالتی نکاح (کورٹ میرج) کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے اپنے ورثاء اور اولیاء کو بتائے بغیر چپکے سے عدالت میں جاکر کورٹ میرج (نکاح) کرلیا، جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب صاحب کے علاوہ صرف دو اور آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نکاح سے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے کہ عقدِ نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے، چپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعتِ مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس نکاح میں لڑکے لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی اور بھی بطور گواہ شریک تھے اس لیے یہ نکاح جائز اور درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں تاہم اس عقدِ نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

كما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: (الجواب) نکاح سرکہ ممنوع و باطل است آن است کہ دو شاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشد و اگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاح سرکہ باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد۔ لان السنة فی النكاح الاعلان ولذا شرع له الدف ونحوه وفی الحديث الفرق بين الحلال والحرام الدف ولان فيه القاء نفسه فی التهمة ويتهمه بالزنا من لم يعلم بالنكاح والحديث اتقوا مواضع التهم۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۳۷)

بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کا یہ فرض ہے کہ

[1] قال العلامۃ ابن الهمام رحمہ اللہ: وهذه فروع تتعلق بالمحل وقد مناها فی باب صفة الصلوٰة ويتعين ان لا يخلى عنها مظنتها يحرم فی الخطبة الكلام وان كان امرًا بمعروف او تسبيحًا والاكل والشرب والكتابة۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۳۷ کتاب النکاح)

جب اولاد بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کریں، کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: ۔ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہوجائے تو والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا انتظام کریں، اور اگر بغیر کسی شرعی عذر کے نہ کیا اور وہ کسی معصیت میں مبتلا ہوگئے تو والدین بھی اس گناہ میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے، اس لیے عوام الناس کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے ۔

عن ابی سعید وابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ ۔

(مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح ۔ باب الولی) [1]

بیوہ کے نکاحِ ثانی کا حکم

سوال: ۔ پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جس بیوہ کا چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لیے نکاحِ ثانی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، تو کیا بیوہ عورت کا چھوٹے بچے کی وجہ سے نکاحِ ثانی نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ۔ نکاح کرنا یا نہ کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے، بیوہ کو عدتِ وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی شرعاً اجازت ہے اس کو رواج یا رسم کی وجہ سے نہ روکا جائے، تاہم اگر کوئی بیوہ عورت اپنی اولاد کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔

ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وثدی لہ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال علیہ السلام انت احق بہ مالم تنکحی ۔ رواہ احمد وابوداؤد

(مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۹۳ کتاب النکاح) [2]

---

[1] وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیہ رواھما البیھقی فی شعب الایمان ۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح ۔ باب الولی)

[2] وفی الھندیۃ: ولو تزوجت الام بزوج آخر وتمسک الصغیرۃ معھا ام الام فی بیت الراب فللاب ان یاخذھا منھا صغیرۃ عند جدۃ تخون حقھا فلعما تھا ان تأخذھا منھا اذا طھرت خیانتھا ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

لڑکیوں کے نکاح میں بلا وجہ تاخیر کرنا گناہ ہے

سوال:- بعض لوگ مالدار داماد نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:- احادیثِ مبارک میں نکاح میں تعجیل کی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ سے بالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جلدی کرنا چاہیئے، محض دنیاوی اغراض اور رسم و رواج کی وجہ سے تاخیر کرنا موجب گناہ ہے۔

قال علیہ السلام: من ولد لہ فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیتزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۷۱ کتاب النکاح) لہ

کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے

سوال:- اگر والدین نے اس بات کی وصیت کی ہو کہ ان کی لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے کر دیا جائے لیکن کسی وجہ سے لڑکی اُس مرد سے نکاح نہیں کرتی تو کیا لڑکی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:- بالغ مرد و عورت اپنے نفس کے خود مختار ہیں، صورتِ مسئولہ میں اگر کسی وجہ سے لڑکی والدین کی وصیت پر عمل نہیں کرتی تو اس کو یہ حق حاصل ہے دوسری جگہ نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ حق اُس کے ورثاء کو حاصل ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوہا فی نفسہا واذنہا صماتہا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) ۲ہ

لہ قال علیہ السلام: من بلغت ابنتہ اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجہا فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیہ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۷۱ کتاب النکاح)

۲ہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرۃ مطلقۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل من تصرف فی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (ولہ اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفء) .... (ویفتی) فی غیر الکفوء (لعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتوٰی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفء الخ

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۲ کتاب النکاح - باب الولی)

ومثلہٗ فی الہدایۃ ج ۲ ص ۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

مجلسِ نکاح میں لڑکی کا نام لینا

سوال:۔ کیا نکاح کے انعقاد کے وقت لڑکی کا نام مجمع کے سامنے لینا ضروری ہے یا کہ بغیر نام لیے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے لڑکی کا امتیاز ضروری ہے، یہ امتیاز چاہے نام سے حاصل ہو یا اشارے سے یا دیگر صفات سے حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی کوئی شبہ نہ رہے، صرف نام لینا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قلتُ وظاهره انها لو جرت المقدمات على معيّنة وتميزت عند الشهود ايضًا يصح العقد وهى واقعة الفتوى لان المقصود نفى الجهالة وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وان لم يصرح باسمها۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۷۴ کتاب النکاح) لہ

نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں

سوال:۔ ہمارے علاقے کے نکاح خوان حضرات نکاح باندھتے وقت ایجاب وقبول کے الفاظ تین مرتبہ دہراتے ہیں، کیا یہ امر مستحب ہے یا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد نفس ایجاب وقبول کے صرف ایک مرتبہ کرنے سے ہو جاتا ہے، تین مرتبہ دہرانا ضروری نہیں اور نہ یہ امر مستحب ہے۔

قال المرغینانیؒ: وينعقد بلفظين يعبر باحدهما عن الماضى وبالآخر عن المستقبل ان يقول زوّجنى فيقول زوجتك ....الخ (الهداية ج۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح) ۲ہ

لہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفى الجهالة فان كانت حاضرة متنقبة كفى الاشارة اليها ------- ان كانت المرأة فى البيت وحدها جاز النكاح لزوال الجهالة۔

(البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)

۲ہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وينعقد بايجاب وقبول وضعًا للمضى او احدهما۔ الخ

(کنز الدقائق علیٰ هامش بحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۲۷ کتاب النکاح۔ الباب الثانى فيما ينعقد به النكاح۔ الخ

ثیبہ (مطلقہ) عورت سے نکاحِ ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا پہلے نکاح ہوچکا ہو پھر شوہر نے اُسے طلاق دیدی ہو تو کیا دوسرے نکاح کے لیے اُس سے اجازت بصورتِ سکوت صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ثیّبہ عورت جب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری ہے اس کا سکوت وغیرہ اجازت کے قائم مقام نہیں، یہ حکم صرف باکرہ لڑکی کے ساتھ مختص ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثّیّب احق بنفسھا من ولیھا والبکر یستاذنھا ابوھا فی نفسھا واذنھا صماتھا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) لـه

زفاف (پہلی ملاقات) کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زفاف کے وقت کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ جب کوئی آدمی شادی کرے تو پہلی ملاقات میں سُنّت یہ ہے کہ بیوی کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا مانگے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر یہ دُعا مانگے: اللّٰھم انّی اسئلك خیرھا وخیرًا جُبلت علیہ واعوذ بك من شرّھا وشرّ ما جبلت علیہ۔ اور جب جماع کا ارادہ ہو تو یہ دُعا پڑھے: بسم اللہ اللّٰھم

لـه قال العلّامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: (فنفذ نکاح حرّۃ مکلفۃ بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل مَنْ تصرف فِی مالہ تصرف فی نفسہ وما لا فلا (وله) ای للولی اذا کان عصبۃً الاعتراض فی غیر الکفء) .... (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازہ اصلاً) وھو المختار للفتویٰ (لفساد الزمان) فلا تحل مطلّقۃ ثلاثاً نکحت غیر کفءٍ الخ۔

(الدر المختار مع ردّ المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

جَنّبنا الشیطٰن وجنب الشّیطٰن ما رزقتنا ۔

عن ابن عباسٍ رضی اللّٰہ عنہما قال قال النّبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اما لو احدھم یقول حین یأتی اھلہ بسم اللّٰہ اللّٰھم جنّبنی الشّیطٰن وجنّب الشّیطٰن ما رزقتنا ثمّ قدر بینھما فی ذٰلک او قضی ولدٌ لم یضرّہٗ شیطٰنٌ ابدًا ۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص۷۷۶ کتاب النکاح ۔ باب ما یقول الرجل اذا اتی اھلہ) لہ

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال:۔ نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب:۔ مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیّز، اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورتِ مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اُسی کے ساتھ ہُوا ہے، اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح للجھالۃ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیھا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبرٰی فغلط فسماھا باسم الصغرٰی صح للصغرٰی خانیہ ۔ (الدر المختار علٰی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۲۵ کتاب النکاح) ؎۲

لہ اخرج امام الترمذی رحمہ اللّٰہ: عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللّٰہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا فان قضی اللّٰہ بینھما ولدًا لم یضرہ الشیطان ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۲۰۷ ابواب النکاح ۔ باب ما جاء فیما یقول اذا دخل علی اھلہ)

؎۲ قال العلامۃ قاضی خانؒ: امرأۃ وکلت رجلا بان یزوّجھا فزوّجھا وغلط فی اسم ابیھا لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبۃ ۔ رجل لہ ابنۃ واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینھما ولو کانت المرأۃ حاضرۃ فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمۃ ھٰذہ واشار الٰی عائشۃ وغلط فی اسمھا وقال الزوج قبلتُ جاز النکاح.

(فتاوٰی قاضیخان علٰی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۳۲۴ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص۲۲۶ کتاب النکاح ۔

بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا

سوال :- جناب مفتی صاحب! میری شادی کو کچھ عرصہ سے سسرال والوں نے میری بیوی کو اپنے پاس روک رکھا ہے اور اُسے میرے گھر آنے نہیں دیتے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- جب ایک مرتبہ کسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو جائے تو وہ لڑکی شوہر کے تابع ہے والدین کو شرعاً یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بلا وجہ روکیں، تاہم شوہر کو بھی بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں لکھتے ہیں :-

"الجواب :- بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنے کا والدین کو کچھ حق نہیں ہے والدین دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اسکے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت زوجہ کو کرنا مقدم ہے۔" فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۸ ص ۳۵۷ کتاب النکاح) [1]

رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال :- ایک لڑکی کا نکاح صغر سنی میں ہوا تھا، اب وہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے لیکن اس کے والدین ابھی تک رخصتی سے انکار کر رہے ہیں، کیا شرعاً اُن کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب :- رخصتی کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں لیکن جب لڑکی جماع کے قابل ہو جائے تو شوہر اس کو اپنے گھر لاسکتا ہے والدین کو منع کرنے کا حق نہیں اور اگر لڑکی جماع کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں رخصتی سے منع کیا جاسکتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وقد صرحوا عندنا بان الزوجة اذا كانت صغيرة لا تطيق الوطئ لا تسلم الى الزوج حتى تطيقه والصحيح انه غير مقدر بالسن بل يفوض الى القاضي بالنظر اليها من سمن او هزال۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۹ باب القسم) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: قالوا للزوج ان يسكنها حيث احب ولكن بين جيران صالحين (رد المحتار ج ۲ ص ۹۱۳ باب النفقة)

[2] وفی الهندية: واذا نقد الزوج المهر وطلب من القاضي ان يأمر ابا المرأة بتسليم المرأة فقال ابوها انها صغيرة لا تصلح للرجال ولا تطيق الجماع وقال الزوج بل هي تصلح وتطيق ينظر ان كانت ممن تخرج اخرجها واقعدها وينظر اليها وان صلحت للرجال امر بدفعها الى الزوج وان لم تصلح لم يأمره۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۲۸۷ الباب الرابع فی الاولياء)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ كتاب النكاح، باب الاولياء والاكفاء۔

بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ! میں بسلسلہ روزگار لندن میں مقیم ہوں، میں نے پاکستان میں ایک جگہ شادی کی، اب میں بیوی کو اپنے ساتھ لندن لے جانا چاہتا ہوں مگر میرے سسرال والے اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دیتے، کیا میں شرعاً اس کو ساتھ لے جا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہو تو اُس کے والدین یا دیگر رشتہ داروں کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر آپ کی بیوی ہی آپ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی ہو تو مفتیٰ بہ رائے کی رُو سے اُسے ساتھ جانے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لکن فی النهر والذی علیه العمل فی دیارنا انه لایسافر بها جبرًا علیها وجزم به البزازی وغیره وفی المختار وعلیه الفتویٰ۔

(الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار ج۲ ص۲۹۵ باب المهر) [1]

مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص کئی سالوں تک غائب رہا، کافی مُدّت کے بعد کسی نے یہ اطلاع دی کہ فلاں شخص فوت ہو چکا ہے اور میں اس کے جنازہ میں بھی شرکت کر چکا ہوں (جبکہ حقیقت میں وہ زندہ تھا) اس اطلاع کے بعد اس کی بیوی نے عدتِ وفات گذار کر دوسری شادی کر لی، اب وہ شخص زندہ واپس آگیا ہے تو یہ عورت کس کی بیوی شمار ہوگی؟

الجواب:۔ کسی آدمی کے زیادہ مدت غائب رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا اور نہ خبرِ وفات کی شہرت سے نکاح ختم ہوتا ہے، اس صورتِ مسئولہ میں یہ عورت بدستور پہلے خاوند کی بیوی ہے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ولوان امرأة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات عنها اوطلقها ثلاثًا اوکان غیر ثقة واتاها بکتاب من زوجها بالطلاق الخ

---

[1] قال المرغینانیؒ: وقیل لایخرجها الی بلد غیر بلدها لان الغریب یوذی وفی قری المصر القریبة لاتتحقق الغربة۔ وقال ابن الهمامؒ: فی شرح هٰذه العبارة، وافتی کثیر من المشائخ بقول الفقیه لان النص مقید بعدم المضارة بقوله تعالیٰ: وَلَا تُضَارُّوهُنَّ، بعد اسکنوهن والنقل الی غیر بلدها مضارة۔ الخ (فتح القدیر ج۳ ص۲۵ باب المهر)

فلا بأس بان تعتد ثم تتزوج۔ (الهداية ج۴ ص۴۵۳ کتاب الکراهیة) ؎۱

نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بوقتِ نکاح یہ شرط لگائے کہ میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہ ہوں گا، کیا شرعاً یہ شرط درست ہے؟ اور اگر اس شرط پر نکاح ہو گیا تو شوہر بیوی کے نان ونفقہ سے مبرّا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ ناقابلِ عمل اور باطل ہے، اور اس شرط پر کیا گیا نکاح فی ذاتہٖ جائز اور درست ہے، اور شرط کالعدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے جملہ حقوق مثلاً نان ونفقہ وغیرہ لازم ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله والنكاح) كتزوجتك على ان لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويبطل الشرط۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۱۶، ۳۱۷ کتاب النکاح) ؎۲

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر مجلسِ نکاح میں ایجاب وقبول ٹیلیفون کے ذریعے ہو جبکہ نکاح کے گواہ اور حاضرینِ مجلسِ نکاح اس ایجاب وقبول کو سُن بھی لیں تو کیا اس سے نکاح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ آجکل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے

؎۱ وفي الهندية: امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدري انه كتابه ام لا الا ان اكبر رائيها انه حق فلا بأس ان تعتد ثم تتزوج۔ كذا في محيط السرخسي: اذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلاثاً او مات عنها فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۱۲ الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات)
وَمِثْلُهٗ في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۸ ص۵۰۶ کتاب النکاح۔

؎۲ قال الشيخ مولانا محمد زكريا الكاندهلويؒ: ما يبطل الشرط ويصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها وان لا ينفق عليها وان لا يطاها او شرط على المرأة ان تنفق عليه او تعطيه شيئاً فهذه الشروط كلها باطلة والعقد صحيح۔ (اوجز المسالك ج۲ ص۲۶۵ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۱ ص۳۳۱ فصل في النكاح على الشرط۔

صرف ایک آدمی آواز سُن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرینِ مجلس بھی سُن سکتے ہیں۔ اوّل الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے کہ گواہوں کے لیے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اور اخیرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہو سکتے ہیں لہٰذا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معًا علی الأصح۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح) [1]

بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے

سوال:- ہمارے پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ باپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:- جب اولاد بالغ ہو جائے اور اسکے کفو کی لڑکی یا لڑکا مل جائے تو یہ باپ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے کہ وہ ان کی شادی کا بندوبست کرے اور اس میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عن ابی سعید وابن عباسٍ قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیزوّجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثمًا فانما اثمه علیٰ ابیه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی) [2]

---

[1] وفی الهندیة: ومنها سماع الشاهدین کلامهما معًا هٰکذا فی فتح القدیر فلاینعقد بشهادة نائمین اذا لم یسمعا کلام العاقدین۔ الخ

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاوّل)

[2] عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك (رضی الله عنهما) عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: فی التوراة مکتوبٌ من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم یزوجها فاصابت اثمًا فاثم ذٰلك علیه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)

قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم

سوال:- کیا قوتِ گویائی سے محروم شخص کا نکاح اشارے سے منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- بہت سارے احکامات میں اشارہ قائم مقام ملفوظ ہوتا ہے، اس لیے اگر نکاح کے معاملے میں فریقین یا ایک فریق بات کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ایجاب وقبول اشارے سے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اشارہ رشتۂ زوجیت کے انسلاک کو واضح کرتا ہو۔

قال العلامة الکاسانیؒ: کما ینعقد النکاح بالعبارة ینعقد بالاشارة من الاخرس اذا کانت اشارته معلومة الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۱ فصل اما رکن النکاح)[1]

وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا مجلسِ نکاح میں فریقین کا حاضر ہونا اور زبانی ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی طرف سے مجلسِ نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریقِ ثانی گواہوں کے سامنے اُس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:- اگرچہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلسِ نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریقِ ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کا اظہار کرے تو نکاح درست ہوگا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولو ارسل الیها رسولاً وکتب الیها بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرة شاهدین سمعا کلام الرسول وقرأة الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیثُ المعنی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۳ فصل اما شرائط النکاح)[2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ، فان کان الاخرس لایکتب وکان له اشارة کعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق)

[2] وفی الهندیة: ولو ارسل الیها رسولاً وکتب الیها بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرة الشاهدین سمعا کلام الرسول وقرأة الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ باب الاوّل)

نکاح کے لیے قاضی کالانا ضروری نہیں

سوال:- کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلسِ نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں یا یہ کہ مرد و عورت کو باہم ایجاب وقبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب:- جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح منعقد ہوجاتا ہے، انعقادِ نکاح کے لیے رجسٹرار یا قاضی کو نکاح پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پُر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بھما عن الماضی...... ولاینعقد نکاح المسلمین الا بحضور الشاھدین حرین عاقلین بالغین مُسلمین رجلین ورجل وامرأتین الخ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۵،۲۸۶ کتاب النکاح)[1]

نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:- آجکل پورے ملک میں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم لازمی پُر کرنا ہوتا ہے، کیا انعقادِ نکاح کے لیے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟

الجواب:- نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، انعقادِ نکاح کے لیے قاضی کے پاس نکاح نامہ فارم پُر کرنا، اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آجکل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح نامہ فارم پُر کرنا مستحسن ضرور ہے۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول یعبر بھما عن الماضی...... ولا ینعقد نکاح المسلمین الّا بحضور شاھدین حرین

---

[1] قال داماد آفندی رحمہ اللہ: وینعقد بایجاب عن الزوج اوعن الزوجۃ وقبولٍ من الاٰخر کلاھما بلفظ الماضی...... وشرط سماع کل واحدٍ من العاقدین..... وحضورُ شاھدین حرین اوحرٍ وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معًا لفظھما۔
(دُرر المنتقٰی علیٰ ھامش مجمع الانھر ج۱ ص۳۱۷ و ۳۲۰ کتاب النکاح)

عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل و امرأتین ۔ الخ (الهداية ج ۲ ص ۲۸۵، ۲۸۶ كتاب النكاح) [1]

ایجاب نامے پر دستخط کردینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے دھوکہ سے اسٹامپ دستخط کرائے جس میں نکاح پر ایجاب وقبول درج ہو، تو کیا نفسِ تحریر سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں جبکہ عورت نے زبان سے قبول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں نکاح دو گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب و قبول کا نام ہے نفسِ تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد بحر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ كتاب النكاح) [2]

ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے

سوال:۔ اگر ایجاب وقبول میں بظاہر مطابقت نہ ہو تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کے اندر مطابقت ضروری ہے، اگر دونوں میں مطابقت نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر نکاح کے ایجاب وقبول میں بھی مطابقت نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

كما قال العلامة الحصكفيؒ: وينعقد النكاح بايجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعا للمضى لان الماضى ادل على التحقيق كزوجت نفسى او بنتى او مؤكلتى منك و يقول الآخر تزوجت الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ كتاب النكاح) [3]

---

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: وينعقد بالايجاب من الزوج او من الزوجة وقبول من الآخر كلاهما بلفظ الماضى .... وشرط سماع كل واحد من العاقدين .... وحضور شاهدين حرين او حر وحرتين عاقلين بالغين مسلمين سامعين معاً لفظهما۔ الخ (درر المنتقى على هامش مجمع الانهر ج ۱ ص ۳۱۶، ۳۲۰ كتاب النكاح)

[2] قال العلامة ابن نجيمؒ: افاد المصنف أن انعقاد النكاح بكتاب احدهما يشترط فيه سماع الشاهدين قرأة الكتاب مع قبول الآخر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۹ كتاب النكاح)

[3] وفى الهندية: ومنها ان لا يخالف القبول الايجاب فاذا قال الآخر زوجتك ابنتى على الف درهم فقال الزوج قبلت النكاح ولا اقبل المهر كان باطلاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۶۹ كتاب النكاح الباب الاول)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی

سوال:۔ اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔ چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں لہٰذا نکاح کے معاملہ میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وشرط فی الشاھد اربعۃ امور الحریۃ والعقل والبلوغ والاسلام۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح) ؎۱

مجلسِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

سوال:۔ کیا مجلس انعقادِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مجلس انعقادِ نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قال العلامۃ صدر الشریعۃ رحؒ: وحضور حرین او حر وحرتین مکلفین مسلمین سامعین معًا لفظھما۔ (شرح الوقایۃ ج۲ ص۹ کتاب النکاح) ؎۲

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں

سوال:۔ اگر بے خبری میں نکاح خوان زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھا دے تو کیا نکاح خوان پر کوئی عتاب ہوگا یا نہیں؟

؎۱ قال العلامۃ المرغینانی رحؒ: ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین اور رجل وامرأتین۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۶ کتاب النکاح)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۲ ص۹ کتاب النکاح۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانی رحؒ: ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاھدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین اور رجل وامرأتین۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۶ کتاب النکاح)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

الجواب: زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وصح نکاح حُبلیٰ من زنا الیٰ قوله وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع الیٰ قوله لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقاً۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج۲ ص۳۱۶ فصل فی المحرمات مطلب فی وطء السراری[1])

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے

سوال: نکاح پڑھتے وقت مولوی صاحب کے اس قول کے جواب میں کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلانہ کو اتنے حق مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیدی تو لڑکے نے جواب میں "قبول ہے" کی بجائے تین بار "آمین" کہا، تو کیا اس سے نکاح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین کا لفظ قبول کا فائدہ دیتا ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا ایجاب کے مقابلے میں آمین کہنے سے نکاح درست ہے اور مہر لازم ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وعبارة الفتح لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع ثبوت الانعقاد ولزوم حكمه جانب الرضاء فعدينا حكمه الیٰ كل لفظ يفيد ذٰلك الخ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح، مطلب التزوّج بارسال کتاب الخ)[2]

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: وان تزوّج حُبلیٰ من زنا جاز النكاح ولا يطأها حتی تضع حملها الخ۔ (الهداية ج۲ ص۲۹۱،۲۹۲ فصل فی بیان المحرمات)۔
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الهندية: امرأةٌ قالت لرجل زوجت نفسی منك فقال الرجل بخدا وندکاری پذیرفتم يصح النكاح ولو لم يقل الرجل ذٰلك لكنّه قال لها شاباش ان لم يقل بطريق الطنز يصح النكاح۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۲ الباب الثانی فیما ینعقد به النكاح وما لا ینعقد)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۳ کتاب النكاح۔ الفصل الاول فی جواز النكاح والاجازة۔

نکاح پر اظہارِ مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد اسلم نے اپنی لڑکی نور جہاں کی منگنی مسمّی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کی، اور اس وقت مظفر اللہ ولد محمود خان، محمد قریش ولد مقدّر، اسرار محمد ولد نوارے، عثمان غنی اور دیگر افراد کی موجودگی میں مسماۃ نور جہاں کے والد حاجی محمد اسلم نے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کی شادی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دی" اور فضل محمد ولد سلطان محمد (جو کہ دولہا کا بھائی ہے) نے اسی وقت گواہوں کے سامنے بطور وکیل یہ الفاظ کہے کہ: "میں نے اپنے بھائی بشیر محمد ولد سلطان محمد کے لیے قبول کیا"، اور سات تولہ سونا حق مہر مقرر کیا گیا، اس کے بعد مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کی گئی لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے یہ کاروائی تحریر میں نہ لائی جاسکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:۔

(۱) قرآن وسنت کی رُو سے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یہ نکاح منعقد ہُوا ہے یا نہیں؟ حالانکہ مذکورہ لڑکی نور جہاں کو اس کاروائی کی خبر کر دی گئی تھی اور وہ راضی بھی تھی، جبکہ پٹھانوں کے رواج کے مطابق سونے کی انگوٹھی بطور نشانی اُسے پہنا دی گئی۔

(۲) اب اتنا عرصہ گذرنے کے بعد چند ماہ پہلے مسماۃ نور جہاں دختر حاجی محمد اسلم نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں حالانکہ اس سات آٹھ سال کے عرصے میں وہ برابر خوشی کا اظہار کرتی رہی اس کے بعد مسماۃ نور جہاں نے اپنے والد کی مرضی اور اسے اطلاع کیے بغیر چوری چھپے مسمّی خالد سے نکاح کر لیا اور سرکاری کاغذات میں بھی نکاح رجسٹرڈ کرا لیا ــــــ اب عرض یہ ہے کہ حاجی محمد اسلم جو کہ دُلہن کا والد ہے (اور اب بھی بقائمی ہوش وحواس ہے) نے عدالت میں یہ گواہی دی ہے کہ میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کا نکاح تقریباً آٹھ سال پہلے مسمّی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دیا تھا۔ تو اس کے باوجود قرآن وسنت کی روشنی میں نور جہاں کا نکاح مسمّی خالد سے منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ لڑکی اس طریقہ سے والد کی مرضی کے بغیر اپنا سابقہ نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) شریعتِ محمدی میں نکاح جانبین کی طرف سے باہمی ایجاب وقبول کو کہا جاتا ہے چاہے یہ ایجاب وقبول عاقدین کے وکلاء کے مابین ہوں یا خود عاقدین ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کر لیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لمافی الدر المختار: وینعقد

ملبسًا بایجاب من احدهما وقبول من الآخر وضعًا للمضی ..... الخ

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب النکاح)

(۲) اور گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کا تقرر بھی نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط حضور شاهدین حرین او حر و حرتین مکلفین الخ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح)

ولقوله تعالیٰ: وابتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ الآیۃ

(۳) اور جب ایک عورت کا نکاح اس کی خوشی اور رضامندی سے کسی مرد سے کر دیا جائے یا بغیر اس کے علم کے کر دیا جائے اور اس کی خبر ہونے کے بعد وہ اُسے ردّ نہ کرے بلکہ اس پر خاموش رہے یا رضامندی کا اظہار کر دے تو اس کے بعد عورت کا نکاح سے انکار ناقابلِ مسموع ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فان استاذنها هو ای الولی او وکیله او رسوله او زوجها ولیها واخبرها رسوله او فضولیٌ عدل فسکتت او ضحکت غیر مستهزأۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فهو اذن۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۹ کتاب النکاح)

ان جملہ مقدمات کے بعد صورتِ مسئولہ کے مطابق حاجی محمد اسلم کی بیٹی نورجہاں کا نکاح بشیر محمد ولد سلطان محمد کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے اور شرعاً یہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے لہٰذا خالد کے ساتھ اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے اور خالد کا نکاح منکوحۃ الغیر کے ساتھ نکاح ہے جو بنصِ قرآنی ممنوع ہے۔

لقوله تعالیٰ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واما النکاح منکوحۃ الغیر ومعتدته..... لانه لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۶۵۹ باب العدۃ)

نکاح کے انعقاد کو صفحۂ قرطاس پر لانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ صرف گواہوں کی موجودگی شرط ہے لہٰذا مسماۃ نورجہاں بنت حاجی محمد اسلم شرعاً بشیر محمد ولد سلطان محمد کی منکوحہ ہے اور مسمی خالد سے اس کا نکاح کالعدم ہے اور اسی طرح مسماۃ نورجہاں کا بشیر محمد ولد سلطان محمد سے نکاح کے لیے اجازت دینے کے بعد نکاح پر عدم رضامندگی کا اظہار کرنا بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔

حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! میں ایک شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، ایک دفعہ مجھے اکیلا دیکھ کر قرآن مجید لے کر وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ڈرا دھمکا کر کہنے لگا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، میں نے خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ہاں کہہ دیا، کیا ایسا کرنے سے میرا اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے یا میں آزاد ہوں؟ میں اب بھی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی، اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا کفارہ بھی بتائیں، میں دعاگو رہوں گی۔ (ایک دکھی بیٹی)

الجواب :۔ سوال میں مذکورہ الفاظ نکاح کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے اور اگر یہ الفاظ نکاح ہوتے تو پھر بھی نکاح نہ ہوتا، کیونکہ مستفتیہ کے بیان کے مطابق یہ بات بغیر گواہوں کے ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ آزاد ہیں، البتہ بظاہر یہ معاملہ حلف وقسم کا ہے اس لیے حنث کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا۔

خطبہ پر خطبہ کا حکم

سوال :۔ ایک شخص کے ساتھ ایک عورت کا رشتہ طے ہو گیا ہے ایسے میں دوسرے لوگوں کا اس عورت کے ساتھ رشتہ کی بات کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب :۔ جب کسی عورت کا ایک جگہ رشتہ طے پا جائے تو جب تک لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار اِس رشتہ سے اعراض نہ کریں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس عورت سے رشتہ کی بات کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے شرع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تباغضوا وکونوا إخوانا ولا یخطب الرجل علیٰ خِطبة أخیہ حتیٰ ینکح او یترک۔

(صحیح البخاریؒ کتاب النکاح ج ۵ ص ۱۹۷۶) [1]

---

[1] قال ابن عابدینؒ : ولا یخطب مخطوبة غیرہ لأنہٗ جفاء وخیانة۔

(ردّ المحتار ج ۳ ص ۹ کتاب النکاح)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۸۱ کتاب النکاح۔

بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے | **سوال:۔** نکاح کے وقت چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے یا کہ حاضرینِ مجلس نکاح میں فرداً فرداً تقسیم کرنا افضل ہے۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح کے شرکاء میں فرداً فرداً چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینکنا سنت ہے۔

ذکر العلامہ ظفر احمد العثمانیؒ: انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (اَی نکاح) فاُتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال ما بالکم لا تأخذون فقالوا لانک نہیت عن النہبیٰ فقال انما نہیتکم عن نہبی العساکر خذوا علی اسم اللہ فجاذبنا وجاذبناہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۱ کتاب النکاح، باب الولیمۃ) [1]

اغواء سے نکاح متاثر نہیں ہوتا | **سوال:۔** ایک عورت کو اغواء کرکے اغواکنندہ نے اس سے دوسرا نکاح کرلیا، تو کیا دوسرے نکاح سے عورت کے پہلے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک مرتبہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے ہوجائے تو یہ عورت اس مرد کی بیوی ہے، اب اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوگا جب تک خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

لما فی الھندیۃ: لا یجوز للرجل ان یتزوّج زوجۃ غیرہ وکذلک المعتدۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۰ الباب الثالث فی بیان المحرمات) [2]

---

[1] لما فی خیر الفتاویٰ: سوال:۔ شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے یا تقسیم کرنا سُنّت ہے؟
الجواب: صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے۔
(خیر الفتاویٰ ج ۴ ص ۵۸۵ کتاب النکاح، باب متفرقات النکاح)

[2] قال عالم بن علاء الانصاریؒ: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر عند الکل۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۲ ص ۲ کتاب النکاح، فی بیان ما یجوز من الانکحۃ وما لا یجوز)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۰۰ فصل فی المحرمات۔

سول میرج کا شرعی حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مسلمان یورپین ممالک میں "سول میرج" کے ذریعے شادی کرتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس نظریہ کو شریعتِ اسلامیہ قبول کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسلامی معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور اس کو کس نظر سے قبول کرتا ہے اگر نہیں کرتا تو ایسے میاں بیوی کا اسلامی معاشرے میں کیا درجہ رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اگر وہ "سول میرج" کے بعد اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق دوبارہ تجدیدِ نکاح کرلیں تو پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں چونکہ "سول میرج" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ "سول میرج" کس طریقہ پر کیا جاتا ہے، تاکہ شرعی نکاح اور سول میرج کا مقابلہ کرکے اس جواز اور عدم جواز پر کچھ اظہارِ خیال کیا جاسکتا۔ تاہم اپنی معلومات کی حد تک شرعی طریقہ کے مطابق ازدواجی سلسلے کے چند اصول قانونی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر سول میرج ان اصولوں کے مطابق ہو تو اس کو نکاح تسلیم کیا جائے اور اس پر تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ شرعی نکاح پر جاری ہوتے ہیں، اور اگر "سول میرج" ان اصولوں کے مخالف ہو تو شریعتِ اسلامی اس کو "نکاح" تسلیم نہیں کرے گی، اور ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولدالزنا شمار کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ یا نابالغ ہونے سے آیا دُنیا کا کام ہے یا دین کا، تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرّف کرنا یہ تصرّف فی الدنیا ہے یا فی الدین! سو اس کا ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو، تو وہ دین کا کام ہے۔ پھر اگر اس کے ترک کرنے پر کوئی وعید یا ناراضگی بھی وارد ہوئی ہو تو وہ فرض ہے یا واجب، اور جس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضگی وارد نہ ہوئی ہو تو وہ مستحب ہے، اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے، اگرچہ اس کے متعلق جو احکام

وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں، اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ تغیر فی الدین ہے ـــــ اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے، کہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک پر مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، وانکحوا الایامیٰ منکم (سورۃ النور ع۱۱) تم میں سے جو بے نکاح عورتیں ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ وغیرھا من الآیات والاحادیث۔

علماء امت اور ائمہ کے اقوال سے بھی اس کے امر دینی ہونے کا اثبات موجود ہے، دُر مختار میں ہے: لیس لنا عبادۃ شرعت عن عہد آدم علیہ السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے، اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اگرچہ اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلّم ہیں ـــــ اور شامی میں لکھا ہے: وقدمہ علی الجہاد الیٰ قولہ وکذا علی العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضاً لانہ اقرب الی الارکان الاربع حتی قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ ومایشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک اھ

دیکھئے اس عبارت میں کس شد و مد کے ساتھ نکاح کی فضیلتِ دینیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ نکاح ایک امر دینی ہے اور ہر ایک دینی کام کے لیے شریعت نے کچھ اسلوب اور طریقے بیان کیے ہیں، نکاح کے لیے بھی ضرور ارکان اور شرائط ہوں گے، جن کے مطابق اگر کیا جائے تو اس کو نکاح کہا جائے گا اور اس پر سب نتائج درست مرتب ہوں گے، اور اگر ان شرائط اور ارکان کے مطابق نہ کیا جائے تو اس کو شرعاً نکاح نہیں کہا جائے گا اور اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور بجائے بہتر نتائج کے بد نتائج اس پر مرتب ہوں گے ـــــ اس مقصد کے حصول اور اس مشکل کے حل

کے لیے جب ہم اپنی شریعتِ اسلامی کی کتابوں کی تتبع اور تلاش کرتے ہیں تو کتابوں میں اس کے متعلق ایک مستقل بحث "کتاب النکاح" کی شکل میں موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شریعتِ اسلامی کے فقہاء کرام نے شرعی نکاح کی تفسیر یوں بیان کی ہے: ھو عقد یفید ملک المتعۃ ای حل استمتاع الرجل من امرأۃ لم یمنع من نکاحہا مانع شرعی۔ ردالمحتار ج۲ ص۲۳ کتاب النکاح، یعنی یہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسا ربط و تعلق قائم کرنا ہے کہ جس سے آدمی کو عورت سے اور عورت کو آدمی سے نفع حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ جن الفاظ سے یہ خاص ربط و تعلق پیدا ہو جاتا ہے وہ نکاح کے ارکان ہیں۔ کسی چیز کا رکن اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز کی ذات کا دار و مدار اسی پر ہو۔ و اما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی۔ والایجاب ما یتلفظ بہ اولاً من ای جانب کان والقبول جوابہ۔ ھکذا فی العنایۃ۔ یعنی شرعی نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، چاہے یہ ایجاب و قبول خود مرد و عورت کرلیں، اگر خوفِ فتنہ نہ ہو یا بذریعہ اولیاء یا وکیل یا فضولی کے ہو جائے۔ اب اس ایجاب و قبول کے معتبر اور مسلّم ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن پر اس ایجاب و قبول کے معتبر ہونے کا توقف ہے۔ و اما شروطہ فمنہا العقل والبلوغ والحریۃ فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل والاخیران شرط النفاذ فان نکاح الصبیّ العاقل یتوقف نفاذہ علی اجازۃ ولیہ ھکذا فی البدائع۔ و فیہا المحل القابل وھی المرأۃ التی احلہا الشرع بالنکاح کذا فی النہایۃ۔ و منہا سماع کل من العاقدین کلام صاحبہ ھکذا فی فتاوی قاضی خان۔ و منہا الشہادۃ قال عامۃ العلماء انہا شرط جواز النکاح ھکذا فی البدائع و منہا سماع الشاہدین کلامہما معاً، ھکذا فی فتح القدیر۔ و منہا رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ بکراً کانت او ثیباً و منہا ان یکون الایجاب والقبول فی مجلس واحد۔ الخ و منہا ان لا یخالف القبول الایجاب و منہا ان یضیف النکاح

الی کلّها او مایعبر من الکل ... الخ - ومنها ان یکون الزوج والزوجة معلومین فلو زوج بنتہ ولہٗ بنتان لایصح الا اذا کانت احداھما متزوجة فینصرف الی الفارغة کذا فی انھما لفائق والکل۔
(الفتاوٰی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۵ تا ص ۲۸۷ کتاب النکاح)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والا عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ اس میں اوّل شرط یعنی عقل شرطِ انعقاد ہے، اس لیے کہ مجنون اور صبی غیر عاقل کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور آخیر دو شرط بلوغ وحریت شرائط ہیں نفاذِ نکاح کے کیونکہ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اجازتِ ولی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ محل صالح ہو یعنی وہ عورت محرماتِ شرعیہ سے نہ ہو بلکہ شریعتِ مطہرہ نے نکاح میں لینا اس کا حلال کیا ہو، اور یہ کہ نکاح کرنے والے متعاقدین ایک دوسرے کی بات سُن لیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ ایجاب وقبول روبروئے گواہان کے ہو جس کو شہادت کہتے ہیں۔

عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہادت جوازِ نکاح کے لیے شرط ہے، اگر ایجاب و قبول ہو جائے مگر روبروئے گواہاں کے نہ ہو تو یہ نکاح ہی نہیں — اور یہ بھی شرط ہے کہ شاہدین (گواہان) دونوں متعاقدین کی بات سُن لیں۔ اگر عورت بالغہ ہو، چاہے باکرہ ہو یا ثیبّہ، تو اس کی رضامندی اور اجازت لینا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوں، اور یہ کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو، اور یہ کہ نکاح کی اضافت اس کے کل بدن کی طرف ہو یا ایسے جزء کی طرف جس کو کل بدن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زوج اور زوجہ دونوں معلوم ہوں، مجہول نہ ہوں۔

ان شرائط اور ارکان کے علاوہ نکاح میں بعض امور ایسے ہیں جو سُنن اور مستحبات کے درجہ میں ہیں جن پر عمل کرنے سے اس ازدواجی سلسلہ میں خیر وبرکت پیدا ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے: ویندب اعلانہٗ وتقدیم

خطبة۔ وفی الشامی: لحدیث الترمذی اعلنوا هذا النکاح وجعلوه فی المساجد۔ (الحدیث) والمراد من تقدیم الخطبة ما یذکر قبل اجراء العقد من الحمد والتشهد وانها لا تتعین بالفاظ مخصوصة وان خطب بما ورد فهو احسن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ نکاح مستحب ہے، اور اسی طرح ایجاب و قبول کرنے سے قبل خطبہ پڑھنا جو حمد و شہادت پر مشتمل ہو مستحب ہے ــــ آگے لکھتے ہیں: وکونه فی المسجد یوم جمعة بعاقد رشید وشهود عدل والاستدانة له والنظر الیها قبله وکونها دونه سناً وحسباً وعزاً ومالاً وفوقه خلقاً وادباً وورعاً وجمالاً ــــ مگر یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے اس ازدواجی سلسلہ میں مزید استحکام اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ امور شرائط اور ارکان نہیں ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ یہ مستحب امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا رکھنے سے بہتر ہے۔

اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھ کر شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "سول میرج" (جو یورپ وغیرہ میں مسلمان لوگ کرتے ہیں) اور "شرعی نکاح" میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں تو فبہا ونعمت، اور اگر جواب اثبات میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہے تو سول میرج کو ہرگز شرعی نکاح نہیں کہا جا سکے گا۔ ہاں اگر بعد میں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تجدیدِ نکاح کر لیں تو درست ہوگا، ورنہ حرام کاری سے جو گندگی معاشرہ میں پھیلتی ہے وہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ عقلِ سلیم، فطرتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامیہ مرد و عورت کے ایسے بے باکانہ اور اصولِ دین کے خلاف ملنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

هذا ما عندی واللہ اعلم وعلمه اتم واحکم

حضرت آدم علیہ السّلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق

سوال :- حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس جگہ ہوا اور کس نے یہ نکاح کیا، نیز اس کے گواہ کون تھے اور حقِ مہر کیا مقرر ہوا ؟

الجواب :- اس مسئلہ کے متعلق وحی (قرآن و حدیث) میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو وحی کے ذریعہ سے اذنِ استمتاع ملا جیساکہ ہمیں گواہوں کے رُوبرو ایجاب وقبول کرنے سے اذن ملتا ہے ۔ البتہ حق مہر کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا حقِ مہر قرار دیا گیا۔ کما فی الصاوی وغیرہ فلیراجع ۔

لما قال العلامة احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ : وقد خلقت بعد دخوله الجنّة نام فلما استیقظ وجدها فاراد ان یمد یده الیها فقالت لهُ الملٰٓئکة مه یا آدم حتٰی تؤدی مهرها وما مهرها فقالوا ثلاث صلوات او عشرون صلاة علٰی سیدنا محمّد صلی اللہ علیه وسلم۔
(الصاوی ج ۱ ص ۲۲ سورة البقرة)

باب من یجوز بہا النکاح ومن لا یجوز

(کن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کن کے ساتھ ناجائز ہے)

خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال: خنثیٰ مشکل سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: نکاح کے لیے محل نکاح ہونا ضروری ہے خنثیٰ مشکل چونکہ محلِ نکاح نہیں اس لیے خنثیٰ مشکل سے نکاح جائز نہیں؟

قال الحصکفیؒ: ای حل استمتاع الرجل من إمرأۃ لم یمنع من نکاحہا مانع شرعی فخرج الذکر والخنثیٰ المشکل۔ (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱ کتاب النکاح) ؎۱

بانجھ عورت سے نکاح کرنا

سوال: بانجھ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: بانجھ عورت سے نکاح کرنے میں چونکہ بعض منافع حاصل ہوتے ہیں اس لیے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم نکاح سے چونکہ اعلیٰ مقصود افزائش نسل ہے اس لیے بانجھ عورت کے علاوہ کسی صحیح اور قابلِ اولاد عورت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

بوب الامام النسائی فی سننہ "کراھیۃ تزویج العظیم" وذکر تحتہ حدیثاً عن معقل بن یسارؓ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصبت إمرأۃ ذات حسب ونسب إلا أنہا لا تلد أفأتزوجہا فنہاہ ثم أتاہ الثانیۃ فنہاہ ثم أتاہ الثالثۃ فنہاہ وقال تزوجوا الولود الودود فإنی مکاثر بکم۔ (سنن النسائی ج۶ ص۵۴) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیم المصریؒ:۔ وفی العنایۃ محلہ إمرأۃ لم یمنع من نکاحہا مانع شرعی فخرج الذکر للذکر والخنثیٰ مطلقاً۔ (البحرالرائق ج۳ ص۸۲ کتاب النکاح)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل فی تفسیرہ شرعاً۔

؎۲ قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ: (تحت حدیث معقل بن یسار جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ) وھذا یدل علیٰ أن النھی ما کانت للتحریم بل کان مبنی النھی المکاثرۃ فی الآخرۃ وھی لا تقتضی التحریم۔ (بذل المجھود ج۱۰ ص۱۵)
ومثلہٗ فی نیل الاوطار ج۶ ص۱۱۰ تا ۱۱۲ وعون المعبود ج۶ ص۴۵

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں

سوال :۔ ملکی قانون کے اعتبار سے دوسری شادی کے لیے خاوند کو اپنی پہلی بیوی سے بذریعہ یونین کونسل اجازت لینا ضروری ہے اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا عائلی قوانین کی رُو سے جرم سمجھا جاتا ہے، کیا ازروئے شرع بھی یہ جرم ہے ؟

الجواب :۔ پہلی بیوی کے جملہ حقوق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کرنا خاوند کا انفرادی حق ہے اس میں پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں اور نہ کسی یونین کونسل کو اس میں واسطہ بنانا ضروری ہے، ایسا کرنا قانونی تقاضا تو ہو سکتا ہے شریعتِ اسلامی کا نہیں۔

قال الله تبارك وتعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (الآیۃ)

قال العلامۃ طاهر البخاریؒ : رجل له امرأة أراد أن يتزوج امرأة أخرىٰ إن خاف أن لا يعدل لا يسعه وإن لم يخف جاز۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج۱ ص۲۴۶ کتاب النکاح)[1]

زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح

سوال :۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

قال ابن نجيم المصری رحمه الله : أما تزوج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الكل ويحل وطؤها عند الكل كما في النهاية۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ کتاب النکاح، فصل في المحرمات)[2]

---

[1] عن ابن عمر رضی الله عنه أن غيلان بن سلمة الثقفی اسلم وله عشر نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبی صلی الله عليه وسلم: أمسك اربعاً وفارق سائرهن۔ رواه احمد والترمذی وابن ماجة۔ (مشکوٰة ج۲ ص۲۷۴ باب المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۵ کتاب النکاح، فصل الجمع في الوطء۔

[2] قال الحصكفی رحمه الله : لو نكحها الزانی حل وطؤها اتفاقاً - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹ کتاب النکاح، فصل في المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح، فصل ان لا يكون بها حمل۔

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت نکاح سے حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر زنا سے حاملہ ہو تو اگرچہ نکاح کرنا جائز ہے لیکن اگر اُسی زانی سے نکاح ہو گیا ہو تو اُس کے لیے جماع بھی جائز ہے اور اگر کسی اور سے نکاح ہو گیا ہو تو اس شخص کے لیے وضع حمل تک جماع ممنوع ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: ومنها ان لا يكون بها حمل ثابت النسب فان كان لا يجوز نكاحها...... وعلى هٰذا يخرج ما اذا تزوج امرأة حاملاً من الزنا انه يجوز في قول ابي حنيفةؒ ومحمدؒ ولكن لا يطؤها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ كتاب النكاح۔فصل ومنها ان لا يكون بها حمل) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سوتیلی ماں کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہو، کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اور کوئی ذریعہ حرمت موجود نہ ہو تو سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا از روئے شرع جائز ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر چونکہ کوئی ایسی صورت نہیں اس لیے سوتیلی ماں کی بیٹی جو اسکے پہلے شوہر سے ہو، سے نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وأما بنت زوجة أبيه أو ابنه فحلال۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱ كتاب النكاح۔فصل في المحرمات) [2]

---

[1] وقال ابن نجيمؒ: اي وحل تزوج الحبلى من الزنا ولا يجوز تزوج الحبلى من غير الزنا..... أما تزوج الزاني فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الكل ويحل وطؤها عند الكل كما في النهاية۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ كتاب النكاح فصل في المحرمات)
ومِثلُهٗ في ردّ المحتار ج۳ ص۴۸ كتاب النكاح۔فصل في المحرمات۔

[2] وقال الشيخ وهبة الزحيلي: والمحرم بهٰذه الاٰية هو زوجة الأب فقط أما بنتها أو أمها فلا تحريم على الابن۔ (الفقه الاسلامي وأدلّتهٗ ج۷ ص۱۳۲ حرمة القرابة الخ)
ومِثلُهٗ في منحة الخالق على هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ كتاب النكاح۔فصل في المحرمات۔

مخطوبۃ الأب سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح نہیں کیا صرف نکاح کا پیغام دیا ہے اب اس شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس شخص کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: اگر اس مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب و قبول نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں اس مرد کے اعراض کرنے یا فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ عورت اس شخص کے باپ کی منکوحہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مصاهرة) وتحرم موطوٰات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنا والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح (ردّ المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۱]

بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال: جو عورت بیوہ ہو جائے اس سے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: جب کوئی دوسری وجہ حرمت موجود نہ ہو تو بیوہ عورت سے نکاح درست ہے، شریعت مقدسہ میں کہیں بھی بیوہ عورت سے نکاح ناجائز ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں، اس لیے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کو منحوس جاننا زیادت علی الشرع ہے۔

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: "وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ الخ" والايامى جمع الأيّم من النساء من لا زوج لها بكرا كانت او مطلقة أو أرملة۔ (معجم لغة الفقهاء ص۹۹) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: أی ينعقد النكاح أى ذلك العقد الخاص ينعقد بالايجاب والقبول حتى يتم حقيقة فى الوجود۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهُ فى البدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹۹ كتاب النكاح۔ فصل ركن النكاح۔

[۲] وعن انس رضى الله عنه قال من السنة إذا تزوج الرجل البكر على امرأته أقام عندها سبعًا وقسم واذا تزوج الثيب على إمرأته اقام عندها ثلاثا۔

(نصب الراية ج۳ ص۲۱۵ كتاب النكاح۔ باب القسمة)

وَمِثْلُهُ فى ردّ المحتار ج۲ ص۴۳۴ كتاب النكاح۔

سوتیلی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ دو رشتہ دار عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا تب حرام ہے جب دونوں میں سے ہر ایک مرد فرض کرکے دوسری اس کے لیے حرام ہے، چونکہ صورت مسئولہ میں صرف ایک جانب سے حُرمت ہے دوسری جانب سے نہیں، اس لیے سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی سوتیلی بیٹی اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فجاز الجمع بين إمرأة وبنت زوجها ..... لأنه لو فرضت المرأة ذكرًا لم يحرم بخلاف عكسه ۔ (الدر المختار على صدر رد المختار ج۳ ص۳۹ كتاب النكاح فصل في المحرمات) ؎۱

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو، اور یہ عورت نہ محرمات علی التابید اور نہ محرمات غیر مؤبد میں شامل ہے، اس لیے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: والمحرمات على التابيد ثلاثة انواع محرمات بالقرابة والمحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۵۶ كتاب النكاح فصل ان تكون المرأة محللة) ؎۲

؎۱ قال في الهندية: ويجوز (الجمع) بين المرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذكرا حلت له تلك البنت بخلاف العكس ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۷ فصل في المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۳ ص۹۸ كتاب النكاح، فصل في المحرمات ۔

؎۲ قال العلامة الحصكفي رحمه الله: أسباب التحريم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك إدخال أمة على حرة فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب وبقي التطليق ثلاثا وتعلق حق الغير بنكاح أو عدة ذكرهما في الرجعة ۔

{ الدر المختار على صدر رد المختار ج۳ ص۲۸ كتاب النكاح، فصل في المحرمات }

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث في المحرمات ۔

بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے ایک یا دو دن بعد وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے بیوی کا سوگ منانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر عدت ہے، اس لیے بیوی کے فوت ہونے کے فوراً بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ :۔ (تحت قوله ولو من طلاق بائن)۔۔۔ (فرع) ماتت امرأة له التزوج باختها بعد یوم من موتها۔ کما فی الخلاصة عن الاصل۔ وکذا فی المبسوط لصدر الاسلام والمحیط السرخسی۔ (رد المحتار ج ۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۱

عدّتِ وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت خاوند کی وفات سے کے بعد چار ماہ کے اندر اندر دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق یا وفات کی عدت میں کیا گیا نکاح کالعدم رہے گا عدت گذرنے کے بعد جو نکاح پڑھایا جائے اس کا اعتبار ہو گا۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله :۔ ومنها ان لا تکون معتدة الغیر لقوله تعالیٰ: "وَلَا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتاب اجله" ای ماکتب علیها من التربص ثم قال وسواء کانت العدة عن طلاق او عن وفات الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح فصل ان لا یکون بها حمل) ؎۲

؎۱ وقال فی الهندیة : ویجوز لزوج المرتدة اذا لحقت بدار الحرب تزوج اختها قبل انقضاء عدتها کما اذا ماتت۔ (الفتاویٰ الهندیه ج ۱ ص۲۷۹ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص۶ الفصل الثانی فیمن یکون محلا للنکاح وفیما لا یکون۔

؎۲ قال فی الهندیة : لا یجوز للرجل ان یتزوّج زوجة غیره وکذالك المعتدة کذا فی السراج الوهاج سواء کانت العدّة عن طلاق او وفات الخ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۲۸۰ کتاب النکاح الباب الاوّل القسم السادس المحرمات التی یتعلق الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۳ ص۴۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ کیا سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے جبکہ والد نے دخول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ جس عورت کے ساتھ باپ کا عقد نکاح ہو جائے چاہے باپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیٹے کا اس عورت سے نکاح کرنا بنص قرآنی حرام ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ مصاهرة) وتحرم موطؤات اٰبائہ واجدادہ وإن علو ولو بزنا والمعقودات لهم علیهن بعقد صحیح۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [1]

ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال:۔ کیا کسی عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق ان عورتوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حُرمتِ اجتماع کا باعث بنے اس لیے اس عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها أو امرأة ابنها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أما حلیلة الأب فبقولہ تعالیٰ: "وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ" فتحرم بمجرد العقد علیها۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۰ کتاب النکاح، فصل الفرقة الرابعة۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فی بحث "لانہٗ لو جاز نکاح إحداهما علی تقدیر مثل المرأة وبنت زوجها أو إمرأة ابنها فانہٗ یجوز الجمع بینهما عند الأئمة الاربعة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:- کیا کوئی شخص ایک عورت اور اس کی نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- نواسی اور نانی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کے لیے فقہاءؒ نے ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مذکر (مرد) فرض کرکے اگر ان کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصكفیؒ: حرم الجمع وطأً بملك يمين بين امرأتين أيتهما فرضت ذكرًا لم تحل للاخریٰ أبدا۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [1]

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال:- کیا سگی پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں شرعاً جمع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مرد فرض کرلیا جائے تو دوسری کا نکاح اس سے جائز نہیں اس لیے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: حرم الجمع بين امرأتين إذا كانتا بحيث لو قدرت إحداهما ذكرًا حرم النكاح بينهما أيتهما كانت المقدرة ذكرًا كالجمع بين المرأة وعمتها..... لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها۔ الخ (البحر الرائق ج۳ ص۹۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [2]

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم

سوال:- ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا ہوا ہے، اب وہ اس عورت کو طلاق

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ:- للاصل الذی بینا ان كل امرأتين لو كانت إحداهما ذكرا والاخرى أنثى لم يجز للذكر ان يتزوج الانثى فانه يحرم الجمع بينهما۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح۔ فصل ان لا يقع نكاح المرأة۔

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وايتهما فرضت) أي اية واحدة منهما فرضت ذكرًا لم يحل للاخرى كالجمع بين المرأة وعمتها الخ۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

ومثله في بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا يقع نكاح المرأة۔

دیئے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک عورت کا کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن سے یہ شخص نکاح نہیں کر سکتا ہے جو کہ بنص قرآنی حرام ہے، ایسا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے گا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: لا خلاف فی أن الجمع بین الاختین فی النکاح حرام — لقوله تعالیٰ: "و أن تجمعوا بین الاختین معطوفاً" علی قوله عزوجل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع النکاح المرأۃ) [۱]

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات

سوال:۔ رات کے وقت بے خبری کی حالت میں زید نے اپنی والدہ کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا زید کی والدہ اس کے والد پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زید نے اپنی والدہ کو شہوت کی حالت میں بلا حجاب ہاتھ لگایا ہو اور زید کے والد کو یہ معاملہ معلوم ہو اور اس کی تصدیق کرتا ہو تو اب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے ورنہ حرام نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع، حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطأ الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۲]

ساس کے ساتھ نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

[۱] قال فی الهندیۃ: فإنہ لا یجمع بین الاختین ولا بوطئ ملك یمین۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[۲] قال فی الهندیۃ: فلو أیقظ زوجتہ لیجامعها فوصلت یدہ إلی بنت منها فقرصها بشهوۃ وھی ممن تشتهی یظن أنها أمها حرمت علیہ الأم حرمۃ مؤبدۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

وقال ایضاً: ثم المس إنما یوجب حرمۃ المصاهرۃ إذا لم یکن بینهما ثوب۔
(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۵ فصل فی المحرمات)

الجواب: ساس کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے اگرچہ بیوی کو طلاق دے دی ہو یا وہ وفات پاگئی ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں بیوی کی ماں کو بھی ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ..... الخ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۳)

قال علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اسباب التحریم انواع قرابۃ مصاھرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: مصاھرۃ کفروع نسائہ المدخول بھنّ او نزلن وامھات الزوجات وجداتھنّ بعقد صحیح وان علون۔ الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) ؎۱

سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال: اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہو تو کیا اس مطلقہ کے پہلے خاوند سے جو بیٹیاں ہیں اُن کے ساتھ دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ نکاح کے لیے مابین جزئیت کا رشتہ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں بظاہر حرمت کی ایسی کوئی خاص وجہ نہیں پائی جاتی جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو سکے بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بھی نسبی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں کیا گیا نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتحل اُخت اُخیہ رضاعًا..... وکذا نسبًا بأن یکون لاخیہ لأبیہ اخت لأم۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱ کتاب النکاح، فصل فی الرضاع) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قول الماتن واُم إمرأتہ بیان لما تثبت بالمصاھرۃ۔ لقولہ تعالیٰ: "واُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ" أطلقہ فلا بین کونہ إمرأتہ مدخولا بھا أو لا وھو المجمع علیہ عند الأئمۃ الاربعۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۸ کتاب النکاح، فصل النوع الثانی فالمحرمات۔

؎۲ قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أی تحل اخت اخیہ نسبًا بان یکون لہ أخ من أب لہ اُخت من اُمہ فانہ یجوز لہ التزوج بھا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کا حکم

سوال: آجکل حکومت کے قائم کردہ فیملی کورٹس سے اگر کوئی عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے جبکہ شوہر اسے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ اس کو رکھنے کا خواہشمند ہو تو کیا اس طرح تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے، اس کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں، اسلئے فیملی کورٹس شرعاً اسکی مجاز نہیں کہ کسی عورت کو بلا عذرِ شرعی خاوند سے جُدا کرے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلا عذرِ شرعی فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلیتی ہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے دوسری جگہ نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ یہ عورت شرعاً پہلے شوہر کی منکوحہ ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِلَّآ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِہٖ عُقۡدَۃُ النِّکَاحِ۔ (البقرہ آیت ۔)

قال العلامۃ شوکانیؒ: (تحت ھٰذہ الآیۃ) فیکون الذی بیدہ عقدۃ النکاح حقیقۃً ھو الزوج لانہ ھو الذی الیہ رفعہ بالطلاق۔ (تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۲۷) [1]

طلاقِ مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کرنے کا حکم

سوال: ہمارے محلے کے ایک آدمی نے تین گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیں، اب چند دنوں کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے بذریعہ جرگہ اس نے تجدیدِ نکاح کرلی ہے، کیا اس طرح میاں بیوی کا تجدیدِ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بغیر حلالہ شرعی کے اس عورت کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا باطل ہے اور یہ دونوں بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، ان کا بذریعہ جرگہ تجدیدِ نکاح کرنا باطل ہے، جب تک عورت حلالہ شرعی نہ کرے

---

[1] قال العلامۃ ابنِ رُشد المالکیؒ: الاصل ان الطلاق لیس بید احدٍ سوی الزوج او من یوکلہ الزوج۔ (بدایۃ المجتھد ج ۲ ص ۸۱ کتاب الطلاق۔

وَمِثۡلُہٗ فی مقدمات ابن رشدؒ ج ۲ ص ۳۸۲ کتاب طلاق السنۃ۔

پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) [1]

مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاحِ ثانی کرنا

سوال :۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دے کہ وہ اس سے دو تین ماہ کی حاملہ ہو اور پھر یہ عورت وضع حمل سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرے تو کیا اس عورت کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ایسی مطلقہ عورت جو کہ حاملہ ہو اور حمل بھی ثابت النسب ہو، کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے ، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے قبل باطل ہے لہٰذا اس عورت کو وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح باندھنا چاہیئے ۔

وفی الہندیۃ : وحبلیٰ ثابت النسب لا یجوز نکاحہا اجماعًا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۸۰، کتاب النکاح ، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر) [2]

مُتعہ کی شرعی حیثیت

سوال : مُتعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ کیا واقعی امام مالکؒ مُتعہ کے جواز کے قائل تھے ؟

الجواب :۔ ابتداء اسلام میں مُتعہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اسلئے اہل السنۃ والجماعت کے ہاں مُتعہ بالاتفاق حرام ہے ۔ اگرچہ ھدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جواز کا قول

---

[1] وفی الہندیۃ : وان کان الطلاق ثلاثًا فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل حتی تنکح زوجًا غیرہ نکاحًا صحیحًا ویدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۴۷۳ ۔ الباب السادس فی الرجعۃ ۔ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۳ باب الرجعۃ ، مطلب فی العقد علی المبانۃ ۔

[2] قال العلامۃ ابو بکر الکاسانیؒ : ومنہا ان لا یکون بہا حمل ثابت النسب من الغیر فان کان لا یجوز نکاحہا وان لم تکن معتدۃ ...... لوجود حمل ثابت النسب..... الخ ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح ۔ فصل ومنہا ان لا یکون بہا حمل)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ اوائل کتاب النکاح ۔

ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، یہاں کاتب یا ناسخ ھدایہ سے غلطی ہوئی ہے۔

قال العلامۃ شیخ زادہؒ: واعلم ان نکاح المتعۃ قد کان مباحا بین ایام خیبر وایام فتح مکۃ الا انہ صار منسوخا باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم حتی لو قضی بجوازہ لم یجز ولو اباحہ صار کافراً۔۔۔۔فعلیٰ ھذا یلزم عدم ثبوت ما نقل من اباحتہ عند مالکؒ۔الخ

(مجمع الانھر ج ۱ ص۳۳۱ کتاب النکاح۔باب المحرمات) [۱]

نکاح مؤقت کی تعریف

سوال:۔ نکاح مؤقت کسے کہتے ہیں؟ اور شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نکاح مؤقت کی تعریف یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے ایک معین مدت مثلاً ایک یا دو ماہ وغیرہ کے لیے نکاح کریں، اس قسم کا نکاح شرعاً باطل ہے، تاہم اگر نکاح ایسی مدت مقرر کردی جائے کہ جہاں تک دونوں یا ایک کا جینا محال ہو تو ایسا نکاح جائز اور صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ شیخ زادہؒ: ولا یصح نکاح المتعۃ والموقت والفرق بینھما ان یذکر فی الموقت لفظ النکاح او التزویج مع التوقیت۔۔۔۔۔ وعن الامام اذا وقتا وقتاً لا یعیشان الیہ کمائۃ سنۃ او اکثر یکون صحیحاً۔ (مجمع الانھر ج ۱ ص۳۳۱ کتاب النکاح، باب المحرمات) [۲]

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح

سوال:۔ کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا اگرچہ

---

[۱] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ونکاح المتعۃ باطل وھو ان یقول لامرأۃ اتمتع بک کذا مدۃ بکذا من المال وقال مالکؒ ھو جائز لانہ کان مباحاً فیبقی الا ان یظھر ناسخہ قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابۃؓ۔الخ (الھدایۃ ج ۲ ص۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص۱۵۰ کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات۔

[۲] قال العلامۃ المرغینانیؒ: والنکاح الموقت باطل مثل ان یتزوج امرأۃ بشھادۃ شاھدین عشرۃ ایامٍ۔الخ (الھدایۃ ج ۲ ص۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۲۰ کتاب النکاح۔

مرخص ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر کسی مسلمان کا عقیدہ اور مذہب متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

كما قال العلامة الحصكفيؒ: وصح نكاح كتابية وان كره تنزيهاً مؤمنة بنبي مرسل مقرة بكتاب منزل وان اعتقدوا المسيح الٰهاً۔ وقال ابن عابدينؒ: ففي الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والاولى ان لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم الا للضرورة وتكره الكتابية الحربية اجماعاً لافتتاح باب الفتنة من امكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب۔ (رد المحتار ج۳ ص۴۵ كتاب النكاح۔ مطلب مهم في وطء السراري الخ) [۱]

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

سوال:۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد کے ساتھ جائز نہیں، خواہ یہ نکاح طوعاً ہو یا کرہاً، خواہ یہ غیر مسلم اہلِ کتاب سے یا غیر اہلِ کتاب سے ہو۔

لقوله تعالى: ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو اعجبكم۔ (سورة البقرة آیت ۲۲۱) [۲]

قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اہلِ کتاب عورت سے تو مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے تو کیا ایک قادیانی عورت

---

[۱] قال ابن نجيمؒ: وحل تزوج الكتابية۔ لقوله تعالى: والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب ...... والاولى ان لا يتزوج كتابية ولا يأكل ذبائحهم الا للضرورة وفي المحيط يكره تزوج الكتابية الحربية لان الانسان لا يأمن ان يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع اهل الحرب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ فصل في المحرمات)۔

وَمِثْلُهٗ في فتح القدير ج۳ ص۱۳۵ فصل في المحرمات۔

[۲] قال العلامة الكاساني رحمه الله: ومنها اسلام الرجل اذا كانت المرأة مسلمة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۱ فصل كتاب النكاح)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۲۸۲ كتاب النكاح۔

سے بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ باجماعِ امت مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لیے کہ قادیانی اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

کما قال شیخ الاسلام برھان الدین المرغیناتیؒ: ان تصرفات المرتد علیٰ اقسام نافذ بالاتفاق کا لاستیلاء والطلاق لانہ لا یفتقر الیٰ حقیقۃ الملك وتمام الولایۃ وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحۃ لانہ یعتمد الملۃ ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۶۰۳ باب المرتد) [1]

خاوند کے مُرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال :- میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اور خوشگوار زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک خاوند قادیانیوں کا شکار ہوکر مُرتد ہوگیا جبکہ عورت دینِ حق یعنی اسلام پر قائم ہے، ایسی حالت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مُرتد کے حکم میں ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں خاوند کے مُرتد ہو جانے سے مسلمان بیوی سے اس کا رشتۂ نکاح ختم ہوگیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: وارتداد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدرالمختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر) [2]

لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم

سوال :- ایک مسلمان عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی قادیانی سے ہوگیا، یعنی نکاح کے وقت مرد نے

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمرتدۃ لا یجوز نکاحھا مع احد وکذلك المرتد لا یجوز نکاحہ مع احد۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۳ ص۸ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الدرالمختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۲۳۰ باب المرتد۔

[2] وقال فی الھندیۃ: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بینھما کذا فی الکافی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی النکاح الکفار)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۴۸ فصل فی النکاح الکافر۔

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لیکن نکاح کے بعد معلوم ہُوا کہ یہ شخص قادیانی ہے، اندریں صورت یہ نکاح منعقد ہُوا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے جس شخص کا قادیانی ہونا قطعی اور یقینی ہو تو اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں اور لاعلمی میں کیا ہُوا نکاح کالعدم رہے گا۔

کما فی الھندیۃ : ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) [1]

شیعہ عورت سے سُنّی مرد کے نکاح کا حکم

سوال :- جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو اور حضرت جبریل سے غلطی صادر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کا منکر ہونے کے ساتھ ساتھ قذفِ عائشہؓ کا قائل ہو اور قرآنِ مجید کو منحرف سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ مرد کے ساتھ سُنّی عورت یا سُنّی مرد کے ساتھ شیعہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جو روافض قطعیاتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر قذف کا قائل ہونا، جو قرآنِ کریم کی نصِ قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبریلؑ سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے گمراہ فرقہ کے لوگوں سے رشتۂ مناکحت سے احتراز و اجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مُرتد کی طرح ہے اور مُرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

کما فی الھندیۃ : ویجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا...... واحکامھم احکام المرتدین۔ (الفتاوٰی الھندیہ ج۲ ص۲۶۴) [2]

---

[1] وقال الحصکفیؒ : وارتد احدھما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار ج۲ ص۲۲۵ کتاب النکاح)
وَ مِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۴۸ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء انصاریؒ : یجب اکفار الروافض فی قولھم لرجع الاموات الی الدنیا..... وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین۔ (فتاوٰی تاتارخانیہ ج۵ ص۵۳۸ کتاب احکام المرتدین)
وَ مِثْلُہٗ فی الفتاوٰی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۱۸ باب المرتد۔

لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کہیں لاعلمی اور غلطی سے رضاعی بہن بھائی کا نکاح غلطی سے ہو جائے اور سال دو سال کے بعد رضاعت کا علم ہو جائے تو دونوں میں جدائی ہو جائے گی یا دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق اگرچہ رضاعی بہن سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر جب نکاحِ فاسد سے دونوں کا ملاپ ہو جائے تو مہر واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا یہ عورت شوہر سے مہر لینے کی حقدار ہو گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لابغیره۔
(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۱، ۳۸۲ باب المہر)[1]

غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا

سوال:۔ افغانستان میں روس کی آمد کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو بعض مجاہدین نے روسی عورتوں کو جبراً مسلمان کرکے اُن کے ساتھ نکاح کیا، کیا ان عورتوں کا اسلام معتبر ہے؟ اور ان کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ لے تو وہ مسلمان متصوّر ہو گا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں روسی عورتوں کا اسلام لانا اور بعض مجاہدین کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دونوں صحیح ہے۔

لما قال العلامة فخر الدین الشهیر بقاضی خانؒ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامه فان ارتد بعد ذٰلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل۔
(فتاویٰ قاضی خان ج۴ ص۴۱۶ باب الاکراہ)

کسی عورت کا جنّ مرد سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی جنّ مرد سے اپنا نکاح کرالے تو کیا یہ نکاح شرعاً جائز

---

[1] وفی الهندیة: ولو تزوج امرأة فقالت امرأة ارضعتکما...... واذا فارقها...... وان کان بعد الدخول بها فالافضل للزوج ان یعطیها کمال المهر والنفقة والسکنیٰ۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۴۷ کتاب الرضاع)

ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کے لیے دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہے، مختلف الاجناس میں نکاح جائز نہیں، اس لیے جن مرد سے اس عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الاشباہ عن السراجیة لاتجوز المناکحة بین بنی ادم والجن وانسان ای لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلة انهٗ لایجوز للجنی ان یتزوج انسیة ایضًا...... عن شرح الملتقی عن زواهر الجواهر الاصح انهٗ لایصح نکاح ادمی جنیة کعکسه لاختلاف الجنس فکانوا کبقیة الحیوانات۔
(ردّ المحتار ج ۲ ص۲۸۱ اوائل کتاب النکاح)[1]

بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات

سوال: اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور وہ اس ناجائز عمل پر رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہو تو کیا اس سے اس کے بھائی کی بیوی کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: دیور سے ناجائز تعلقات قائم کرنے سے شوہر کا نکاح متاثر نہیں ہوگا بلکہ وہ تاحال اس کی منکوحہ ہے، تاہم اگر شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولو زنت امرأة رجل لم تحرم علیه وجاز له وطؤها عقب الزنا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۸۶ فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] قال العلامة علی بن عثمان سراج الدین رحمه الله: لایجوز المناکحة بین بنی ادم والجن الانسان المائی لاختلاف الجنس اذا مسّ بشهوة تثبت حرمة المصاهرة۔ (الفتاوی السراجیة ص۳۷ کتاب النکاح باب نکاح المحارم)

[2] قال الشیخ وهبة الزحیلی: یحل بالاتفاق للزانی ان یتزوج بالمزنیة التی زنی بها فان جاءت بولد۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۱۴۸، کتاب النکاح، المرأة الحامل من الزنا... الخ)

جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جنسی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ شادی کر لیتے ہیں، تو ایسے شخص کے لیے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شادی کرنا ہر اس مسلمان مرد کے لیے سنت ہے جو نان ونفقہ اور حقوقِ زوجیت پورا کر سکتا ہو، لہٰذا جو شخص یہ حقوق ادا نہیں کر سکتا اس کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، کرنے کی صورت میں مرد گنہگار ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون سنة مؤکدة فی الاصح فیأثم بترکه ویثاب ان نوی تحصیناً وولداً حال الاعتدال ای القدرة علی وطء ومهر ونفقة ۔ الخ

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله ای القدرة علی وطء) ای الاعتدال فی التوقان ان لا یکون بالمعنی المار فی الواجب والفرض وهو شدة الاشتیاق وان لا یکون فی غایة الفتور کالعنین ------ بان یکون بین الفتور والشوق وزاد المهر والنفقة لان العجز عنهما یسقط الفرض فیسقط السنیة بالاولیٰ۔ الخ

(الدر المختار مع الرد المحتار ج۳ ص۶ کتاب النکاح (مطلب کثیراً ما تبساهل فی اطلاق المستحب علی السنة) [1]

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر کسی اسلامی ملک میں کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے تو کیا اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گذارنے ہوئے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے تو یہ عورت اولاً عدالت میں اپنے اسلام لانے کا قصہ پیش کرے، اور عدالت اس کے غیر مسلم شوہر پر اسلام پیش کرے گی، اب اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو عدالت عورت کو تنسیخ نکاح

---

[1] وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

کی ڈگری جاری کرے گی اور یہ عورت عدتِ طلاق گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے، اس کے علاوہ بغیر عدالتی فیصلے اور مرورِ عدت کے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمہ اللہ: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض القاضي عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق بينهما وكان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد. (رحمهم الله)

(الهداية ج ۲ ص۳۲۵ باب نكاح اهل الشرك) لہ

ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم

سوال: سگے ماموں کی بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حقیقی ماموں کی بیوہ کے ساتھ بعد از اختتامِ عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اب ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت کا سبب ہو۔

لما قال الله تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴) ۲ لہ

لہ قال ابن الهمام رحمہ اللہ: اذا احد الزوجين اللذين هما مجوسيان او الزوجة عنها مجوسية والزوج كتابي او الزوجة من الكتابيين او الزوجة الكتابية والزوج قائم فان ابى فرق بينهما. (فتح القدير ج ۳ ص۲۸۸ باب نكاح اهل الشرك)

وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج ۱ ص۳۳۷ الباب العاشر فى نكاح الكفار۔

وَمِثْلُهٗ فى الفتاوى التاتارخانية ج ۳ ص۱۸۱ كتاب النكاح. باب نكاح الكفار۔

۲ لہ قال العلامة علاؤ الدين الكاساني رحمہ اللہ: والمحرمات على التابيد ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع، اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامهات والبنات والعمات...... قال الله تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ۔ الآية۔ وفى الصفحة الثانية وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان الله تعالیٰ ذكر المحرمات فى اية التحريم ثم اخبر سبحانه وتعالیٰ انه احل ما وراء ذلك بقوله واُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (الآية) الخ

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها ان تكون المرأة محللة)

وَمِثْلُهٗ فى الهداية ج ۲ ص۲۸۷ فصل فى بيان المحرمات۔

بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم | **سوال**:- زید زینب کا علاتی بھائی ہے، زینب کی بیٹی رقیہ ہے، رقیہ کی بیٹی کلثوم ہے، تو کیا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنے والدین کے کسی بھی فروع (یعنی اولاد جس درجے میں بھی ہو) سے نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفروع ابویه وان نزلن فتحرم بنات الاخوة والاخوات وبنات اولاد الاخوة والاخوات وان نزلن۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۰ فصل فی المحرمات) لہ

بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم | **سوال**:- بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرے کیونکہ اس لڑکی میں اس بھائی کی نسبت حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ ۲ہ

لہ وفی الهندیة: القسم الاول المحرمات بالنسب وهن الامهات والبنات والاخوات ....الیٰ قوله واما الاخوات فالاخت لاب والام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

۲ہ قال العلامة الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامهات والبنات والعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت..... وفی الصفحة الثانیة۔ وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان اللہ تعالیٰ ذکر المحرمات فی اٰیة التحریم ثم اخبر سبحانه وتعالیٰ انه احل ما وراء ذلك بقوله واحل لکم ما وراء ذلکم الاٰیة الخ

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶،۲۵۷ فصل ومنها ان تکون المرءة محللة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا

سوال:- اگر ایک لڑکی کی کسی جگہ منگنی ہو جانے کے بعد اس کے والدین اس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیں، تو کیا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر منگنی کے موقع پر صحیح اور شرعی طریقے سے ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، اور اگر ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں اِس صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے لیکن وعدہ خلافی کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: لو قال هل اعطتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعد وان كان للعقد فنكاح۔ اھ (ردالمحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح)[1]

کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا

سوال:- ایک شخص نے کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو اپنے نکاح میں جمع کیا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- جَمْعَ بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ کی پہچان کے لیے فقہاء کرام نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد تصوّر کر کے دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی کو مرد تصوّر کر کے سوتیلی ماں کا تو منکوحۃ الاب کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں مگر سوتیلی ماں کو مرد تصوّر کرنے کے بعد لڑکی سے نکاح کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ صورت اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ میں داخل نہیں، دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع کی جا سکتی ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: حرم الجمع وطاء بملك يمين بين

---

[1] وفی الهندية: ولو قال تزوجيني نفسك فقبلت العقد، ان لم يقصد به الاستقبال، هكذا في النهر الفائق۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۰ الباب الثانی فيما ينعقد به النكاح)
ومثله فی تبيين الحقائق ج۲ ص۹۶ کتاب النکاح۔

امرأتین ایتهما فرضت ذکرًا لم تحل للأخرٰی ابدًا...... فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها او امرأة ابنها۔ الخ۔ (الدر المختار علٰی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۰۹ فصل فی المحرمات) ؎۱

مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں مذاق ہی مذاق میں گواہوں کے رُوبرو نکاح کے ایجاب وقبول کر لیے، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لیے تم میری بیوی ہو، جبکہ لڑکی کا دعوٰی ہے کہ وہ تو مذاق کر رہی تھی میرا ارادہ نکاح نہ تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذاق ہی مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں چند امور ایسے ہیں کہ جن میں مذاق اور حقیقت دونوں مساوی ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے، اس لیے نکاح خواہ مذاق ہی مذاق میں کیوں نہ کیا جائے منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اب اس لڑکے کی منکوحہ ہے لڑکی کا دعوٰی باطل ہے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الطلاق والعتاق والنکاح۔ (مشکوٰة ص۲۸۴ باب الخلع والطلاق) ؎۲

چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں دیر کے علاقہ میں والدین چھوٹے چھوٹے بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں، کیا ان بچوں کا نکاح جائز ہے؟ کیا یہ چھوٹے بچوں پر ظلم تو نہیں؟

؎۱ فی الهندیة: ویجوز بین امرأة وبنت زوجها۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ الباب الثانی فی بیان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

؎۲ عن ابی هریرةؓ: قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد۔ (ابوداؤد ج۱ ص۱۴۲ باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق) ومثلهٗ فی الترمذی، باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق۔

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب بچے کا ولی اس کا نکاح کر دے تو نکاح صحیح ہے نابالغ کے سمجھنے کی ضرورت نہیں صرف ولی کا سمجھنا ہی کافی ہے اور نہ یہ بچوں پر ظلم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: يجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولی بكرًا كانت الصغيرة او ثيبًا۔

(الهداية ج۲ ص۲۹۵ باب الاولياء) لہ

ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اس عورت کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہے جس کی پرورش اس زوجِ ثانی نے کی، اب اگر یہ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ فوت ہو جائے، تو کیا یہ شخص اپنے ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ربیب یا متبنیٰ حقیقی یا رضاعی بیٹوں کی طرح نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے یہ مربی (منہ بولا باپ) شادی کر سکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: (تحت قوله، واما بنت زوجة ابيه وابنه فحلال) ولا تحرم زوجة الربيب ولا زوجة الرّاب۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۰۳ فصل فی المحرمات) ۲ہ

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت

لہ وفی الهندية: لولیّ الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم يرضيا بذلك سواءً كانت بكرًا او ثيبًا۔ (الفتاوی الهندية ج۱ کتاب النكاح ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولياء)
ومثلہٗ فی الدر المختار ج۳ ص۵۵ کتاب الولی۔

۲ہ وفی الهندية: ولا تحرم حليلة الابن المتبنیٰ علی الاب المتبنّی۔
(الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی بیان المحرمات۔ القسم الثانی المحرمات بالصهرية)
ومثلہٗ فی الهداية ج۲ ص۲۸۸ کتاب النکاح۔ فصل فی بیان المحرمات۔

کے دوران ہی اس کی بہن سے نکاح کرے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب: چونکہ عدّت کے اندر عورت شوہر کے نکاح میں من وجہ داخل ہے اس لیے اس دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر عدّت کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله : والجمع نكاحاً وعدّة ولو من طلاق بائن ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۰۸ فصل فی المحرمات) [۱]

منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال: ایک شخص نے کسی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کیا، اس عورت کی سابقہ خاوند سے ایک جوان بیٹی بھی ہے جبکہ اس شخص نے دخول سے قبل ہی اس کو طلاق دیدی، اور اب وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کا خواہشمند ہے، تو کیا اس شخص کا اپنی مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: منکوحہ کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر یہ حرمت دخول یا خلوتِ صحیحہ کے ساتھ مشروط ہے، اگر یہ شرط پائے جانے سے قبل طلاق واقع ہو جائے تو منکوحہ مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا مرخص ہے ورنہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی صورت میں نکاح ناجائز وحرام ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی شرط مفقود ہے اس لیے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ولا بام امرأته دخل بها اولم يدخل، لقوله تعالىٰ : وامهات نسائكم من غير قيد الدخول ولا ببنت امرأته التي دخل بها لثبوت قيد الدخول بالنص سواءٌ كانت في حجره او في حجر غيره ۔

(الهداية ج ۲ ص۲۸۷ كتاب النكاح ۔ فصل في المحرمات) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله : واذا طلق امرأته طلاقاً بائناً او رجعياً لم يحل له ان يتزوج باختها حتى تنقضي عدتها ۔

(الهداية ج ۲ ص۲۸۹ كتاب النكاح ۔ فصل في بيان المحرمات)

ومثله في الهندية : الباب الثالث في بيان المحرمات ۔ القسم الرابع المحرمات بالجمع ۔

[۲] قال الله تعالیٰ: وربائبكم التي في حجوركم من نسائكم اللتي دخلتم بهن ۔ (سورة البقرة ع ـــ)

باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جبکہ وہ بیٹی اس بیوی کے پہلے خاوند سے ہو نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی جو کہ اس کے پہلے خاوند سے ہو اُس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (واما بنت زوجة ابیه او ابنه فحلال) قال ابن عابدینؒ: وکذا ابنت ابنهما الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۳۰۲، ۳۰۳ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[1]

بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکے کے کسی لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، اب چند دن قبل دونوں رنگے ہاتھوں پکڑے گئے، علاقائی جرگہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا اسی لڑکے سے نکاح کر دیا جائے لیکن لڑکا کسی صورت میں بھی اس سے نکاح کے لئے تیار نہیں، جبکہ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لڑکے (زانی) کے باپ کا نکاح اس لڑکی (مزنیہ) سے جائز ہے یا نہیں ؟ فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے زنا بھی سببِ مصاہرت ہے۔ لہٰذا اگر واقعی لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہو تو یہ لڑکی لڑکے کے باپ کی بمنزلہ بہو (منکوحۃ الابن) کے ہے جبکہ بہو سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں، اسی وجہ سے بیٹے کی مزنیہ سے اس کا باپ نکاح نہیں کر سکتا۔

لما فی الهندیة: کذا تحرم المزنی بها علی اباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر. (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ـــ کتاب النکاح، الباب الثالث)[2]

---

[1] قال العلامة صدرالشهید رحمه الله: وتحل اخت اخیه رضاعاً کما تحل نسبا کاخ من الاب له اخت من امه تحل لاخیه من ابیه۔
(شرح الوقایة ج ۲ ص ۶۸، ۶۹ کتاب النکاح)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: وحرم ایضاً بالصهریة اصل مزنیة۔ قال ابن عابدینؒ: تحته حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا۔
(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب النکاح)

بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا سسر فوت ہو چکا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوہ ساس کا نکاح اپنے باپ سے کردوں تاکہ ہم مشترکہ طور پر ان کی دیکھ بھال کرسکیں، تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دونوں کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہیں جو کہ موجبِ حرمت ہو، اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز ہے، اور اُمید ہے کہ اس کارِ خیر پر آپ کو منجانب اللہ اجر بھی ملے گا۔[1]

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولا تحرم ام زوجۃ الابن۔ (رد المحتار جلد ۲ ص۳۸۳ کتاب النکاح)

نو مسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرلے تو کیا عدت گذارنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلمہ شادی شدہ عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند غیر مسلم ہو تو اس کا نکاح از خود ختم ہو جاتا ہے، اب اگر وہ عورت دار الحرب میں ہو تو صرف تین حیض گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے، اور اگر دار الاسلام میں ہو تو تفریقِ قاضی کے بعد دوبارہ نکاح کیلئے تین حیض گذارنا لازمی ہے، بدون اس کے نکاح جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولو اسلم احدھما ای احد المجوسین او امرأۃ الکتابی ثمۃ ای فی دار الحرب وملحق بھا کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثاً وتمضی ثلاثۃ اشھر قبل اسلام الآخر اقامۃ لشرط الفرقۃ مقام السبب۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص۲۹۰ کتاب النکاح)

---

[1] قال العلامۃ مفتی عبد الرحیم رحمہ اللہ: الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً! زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوشدامن سے نکاح کرسکتا ہے یہ رشتہ حرام نہیں ہے۔ {فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص۱۹۴ کتاب النکاح}

باب المھر

(حق مہر کے احکام ومسائل)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا

سوال:۔ یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہوسکی بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دے دی، اب اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر مسمیٰ لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو متعہ دینا لازمی ہے، تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مسمیٰ کے علاوہ کچھ رقم لڑکی یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دیدیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهرًا عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها اومات عنها -------- وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى ------ قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرًا اوتزوجها على ان لامهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها اومات عنها ------ ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة -

(الهداية ج ۲ ص۳۰۴ باب المهر) [1]

---

[1] قال الله تبارك وتعالىٰ: (لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً). (وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ) وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ) - (سورة البقرة پ۲ آیت ۲۳۶)

وَمِثْلُهٗ فِي الهندية ج ۱ ص۳۰۲ كتاب النكاح، باب المهر-

مہر کی کم از کم مقدار

سوال:۔ شریعتِ اسلامی میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کی وزنی مقدار تقریباً ۳۵ گرام چاندی ہے یا اس کی قیمت رائج الوقت قیمت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الهندیة: اقل المهر عشرة دراهم مضروبة اوغیر مضروبة حتی یجوز وزن عشرة تبراً وان کانت قیمته اقل۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنیٰ مقدار المهر)[۱]

مہر فاطمی کی مقدار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صاحبزادیؓ کا حق مہر ۴۸۰ درہم ہے جو کہ موجودہ نظام اوزان کے مطابق ۱۴۹۶.۰۶۳۲ اکلو چاندی کا وزن بنتا ہے یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نکح شیئاً من نسائه ولا انکح شیئاً من بناته علی اکثر من ثنتی عشرة اوقیة هذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج۱ ص۱۶۵ باب ما جاء فی مهور النساء)[۲]

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے

سوال:۔ جو شخص طلاقِ مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کرکے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے یا کہ سابقہ مہر ہی کفایت کرجائے گا؟

---

[۱] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مهراً فادناه عشرة دراهم اوما قیمته عشرة دراهم۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۵ فصل واما بیان ادنی المقدار)

[۲] وذکر الامام ابوداؤد السجستانیؒ: عن ابی العجفاء قال خطبنا عمرؓ فقال الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا او تقوی عند اللہ کان اولاکم بها النبی صلی اللہ علیه وسلم ما اصدق رسول اللہ امرأة من نسائه ولا اصدقت امرأة من بناته اکثر من ثنتی عشرة اوقیة۔ (ابوداؤد ج۱ ص۲۹۴ باب الصداق)

الجواب:۔ مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا چاہے اپنی مطلقہ سے حلالہ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا ورنہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا یجب مھر المثل فیما اذا لم یسم مھرًا اونفی ان وطئ الزوج او مات عنھا اذا لم یتراضیا علی شئ یصلح مھرًا والا فذلک الشئ ھو الواجب۔
(الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۶۳ باب المھر) [1]

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے، تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گذارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا، اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں بلکہ باہمی رضامندگی کا مسئلہ ہے، اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: یجب علیہ التسویۃ بین الحرتین اوالامتین فی المأکول والمشروب والملبوس والسکنی والبیتوتۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۴ باب القسم) [2]

---

[1] قال العلامۃ قاضی خانؒ: المھر یتکرر بالعقد مرۃ وبالوطئ اخری یتکرر بھما۔
(فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تکرار المھر)

[2] قال العلامۃ قاضیخانؒ: ومایجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینھن فیما یملک وھو البیتوتۃ عندھا للصحبۃ والمؤانسۃ لافیما لایملک۔
(الفتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۳۹ فصل فی القسم)
ومِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنھا وجوب العدل بین النساء۔

حقِ مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ لوگ حقِ مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں، کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیاء دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حقِ مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذاتِ خود مال ہو۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ مذکورہ اشیاء بھی مالِ متقوم ہیں اس لیے ان اشیاء کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ: المھر انما یصح بکل ماھو مال متقوم۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاوّل فی بیان ادنیٰ مقدار المھر و بیان ما یصلح مھرًا ....) لـہ

انعقادِ نکاح کے بعد حقِ مہر میں زیادتی کرنا

سوال: کیا انعقادِ نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اُس زیادتی کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس طرح نکاح سے قبل حقِ مہر میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کرسکتا ہے اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الھندیۃ: الزیادۃ فی المھر صحیحۃ حال قیام النکاح...... فاذا زادھا فی المھر بعد العقد لزمتہ الزیادۃ کذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادۃ فی المھر والحطعنہ وفیما یزید وینقص) ؎۲

لـہ قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: منھا ان یکون المسمی مالاً متقومـًا۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۷ فصل واما بیان ما یصح تسمیۃ مھر)

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: (تحت قولہ وما فرض بعد العقد او زید لا یتنصف).... دل وضع المسئلۃ علیٰ جواز الزیادۃ فی المھر بعد العقد وھی لازمۃ لہٗ بشرط قبولھا فی المجلس علی الاصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المھر)

اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا | **سوال:۔** جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اُس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مدِنظر رکھنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے، اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تغالوا صدقۃ النساء۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۷ باب الصداق) [۱]

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی | **سوال:۔** یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کراتے ہیں، تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی یا سسر سے؟ (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)

الجواب:۔ مہر منفعتِ زوجیت کا عوض ہے جو شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے بصورتِ دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا۔

وفی الہندیۃ: زوج ابنتہ الصغیرۃ او الکبیرۃ وھی بکر او مجنونۃ رجلاً او ضمن عنہ مہرھا صح ضمانہ ثم ھی بالخیار ان شاءت طالبت زوجہا او ولیہا ان کانت اھلاً لذٰلک ویرجع الولی بعد الاداء علی الزوج ان ضمن بامرہ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المہر) [۲]

---

[۱] قال المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۱۲ مسائل و احکام مہر)

[۲] وقال العلامۃ الحصکفیؒ: (وتطالب أیاً شاءت) من زوجہا البالغ او الولی الضامن۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۳۸۷ مطلب فی ضمان المہر)
ومِثلُہٗ فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۴۴ مسائل و احکام مہر۔

عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں

سوال: ۔ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دیور سے ہو گیا، اب وہ عورت وفات پا گئی ہے تو کیا عورت کے ورثاء دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: ۔ نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے جو کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتی ہے چونکہ اس عورت نے دو مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک حقِ مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازمی ہے، اس لیے وفات کے بعد عورت کے ورثاء دونوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: افادانّ المھر وجب بنفس العقد۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۹ باب المھر) ؎۱

مہر عورت کے ورثاء کو دیا جاسکتا ہے

سوال: ۔ اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہو جائے اور اُس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثاء کو دیا جاسکتا ہے یا شوہر ہی اس کا حقدار ہے؟

الجواب: ۔ اگر مہر شوہر کے ذمّے قرض ہو تو بیوی کی وفات کے بعد مہر بطریقہ میراث تقسیم ہوگا جس میں شوہر عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں، اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ، ومنھا الارث من الجانبین جمیعًا لقولہ عزّوجلّ، وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ الیٰ قولہ عزّوجلّ، ولھنّ الثمن ممّا ترکتم من بعد وصیّۃ توصون بھا اودین۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنھا الارث) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ الکاسانیؒ، المھر فی النکاح الصحیح یجب بالعقد لانہٗ احداث الملک والمھر یجب بمقابلۃ احداث الملک۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۷ فصل واَمّا بیان مایجب المھر)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضیخان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تکرار المھر۔

؎۲ قال العلامۃ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: جو مہر ہندہ کا بذمّہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصّہ کا اختیار ہے کہ خیرات کردے، والدین کا حصّہ ان کو دینا چاہیئے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۱۴ فصل اوّل مسائل واحکام مہر)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

سوال: ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کردی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا یا سسر پر؟

الجواب: مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں اس کا تعلق نکاح سے ہے یعنی جس سے نکاح ہوا ہو اُس کے ذمّے مہر دینا واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اگرچہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الهندية: واذا زوّج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر وكان ذلك فی صحته جاز اذا قبلت المرأة الضمان و اذا ادّى الاب ذلك ان كان الاداء فی حالة الصحة لا يرجع على الابن بما ادّى استحسانًا الّا اذا كان بشرط الرجوع فی اصل الضمان۔

(الفتاوى الهندية ج ١ ص٣٢٦ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر) [1]

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں، تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے مہر معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور عورت نے قبول کر کے شوہر سے طلاق لی ہو تو اُسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور اگر طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال ابن عابدينؒ: افادان المهر وجب بنفس العقد ... انما يتاكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه۔ (رد المحتار ج ٢ ص٣٥٨ باب المهر) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفیؒ: (وتطالب ايًّا شاءت) من زوجها البالغ او الولی الضامن۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ٢ ص٣٨٧ مطلب فی ضمان الولی المهر)

[2] وفی الهندية: امرأة قالت لزوجها اخلعنی او قالت خويشتن خريدم فقال الزوج مجيبًا لها انت طالق صار بمنزلة قوله خلعت هكذا ذكر فی النوازل والفتوى على انه اراد به الجواب يكون جوابًا ولو قال فروختم بيك طلاق ويكون جوابًا بدون النيّة وبعد اسطر... وهل يبرأ الزوج عن المهر اختلفوا فيما بينهم قال بعضهم لا يبرأ وهو الاصح۔ (الفتاوى الهندية ج ١ ص٤٩١ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق به)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوى ديوبند ج ٨ ص٢١٥ مسائل واحكام مهر۔

جبراً مہر معاف کرانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت جبر و اکراہ سے یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کر دے تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

الجواب:۔ بتقاضائے نص قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیب نفس کا ہونا ضروری ہے جبر و اکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقوله تعالىٰ: فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا۔

(سورۃ النساء آیت ۴) [1]

مقدارِ مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا

سوال:۔ اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ نکاح کے معاملے میں اصل مہر مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدارِ مہر میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس متنازع صورت میں فیصلہ مہر مثل پر ہوگا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وقالا يقضى بمهر المثل لحال حياة وبه يفتي۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۳ باب المهر) [2]

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقتِ نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کر دیا ہو، تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کو کم کروانا چاہے تو کروا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمه الله: دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لیے بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۸ سورۃ النساء)

[2] وفي الهندية: اذا اختلف الزوجان في قدر المهر حال قيام النكاح عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى يحكم مهر المثل۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۱۹ الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰۵ فصل واما حكم اختلاف الزوجين في المهر۔

جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہو جائے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر عدالت یا کوئی جرگہ وغیرہ تو مہر کم کرا سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے ۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: فالمهر یتاکد باحد معانٍ ثلاثة ..... لایسقط بعد ذلك الّا بالابراء ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹۱ فصل بیان ما یتاکد به المهر) لہ

تاجیل و تعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے

سوال: اگر بوقتِ نکاح مہر کی تاجیل و تعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں ؟

الجواب: جس مہر کی تاجیل و تعجیل کا ذکر بوقت انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حقِ مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے ۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولها منعه عن الوطء والسفر بها ولو بعد وطء وخلوة رضیتهما لاخذ ما بین تعجیله او قدر ما یعجل لمثلها عرفاً وان لم یؤجل قال الحصکفیؒ: به یفتی لان المعروف کالمشروط ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۹ باب المهر) ؎

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے

سوال: اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل وفات پا جائے تو کیا عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں ؟

لہ قال العلّامة ابن عابدینؒ: واما المسمی فانّما قام مقامه للتراضی به ثم عرف المهر فی العنایة بانهٗ اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع اما بالتسمیة او بالعقد ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۷ باب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة ۔

؎ قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اذا کان المهر معجلاً بان تزوجها علی صداق عاجل او کان مسکوتاً عن التعجیل والتاجیل لان حکم المسکوت حکم المعجل لان هٰذا عقد معاوضة فیقتضی المساواة من الجانبین والمرأة لمیت حق الزوج فیجب ان یعین الزوج حقها وانما یتعین بالتسلیم ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل واما بیان ما یجب به المهر و بیان وقت وجوبه)

الجواب:۔ موت ایک ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے مہر متأکد ہوجاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر رخصتی سے قبل کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت بوقتِ نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما۔ الخ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المھر) [1]

بیٹی کے حقِ مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اُس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہوجائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفیھا قبض الاب المھر وھی بالغۃ اولا وجھزھا او قبض مکان المھر عینا لیس لھا ان لا تجیز لان ولایۃ قبض المھر الی الاباء وکذا التصرف فیھا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۸ باب المھر قبیل باب النکاح الرقیق) [2]

جہیز کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے۔ تو کیا واقعی ایک لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک باپ جب اپنی بیٹی کے لیے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سُنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] قال فی الھندیۃ: والمھر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد بہ المھر والمتعۃ)

[2] قال العلامۃ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۳ مسائل و احکامِ مہر)

عن عَلیؓ: انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لما زوّجہ فاطمۃؓ بعث معہا بخمیلۃ ووسادۃ اُدمٍ حشوھا لیف ورحائین وسقائین ...... الحدیث (الاصابۃ ج۴ ص۳۷۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتّے بھرے تھے اور دو چکیاں اور دو مشکیں بھیجی تھیں۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۱۷ باب المھر) لہ

جہیز کے سامان کی ملکیّت کا حکم سوال:۔ لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں، یہ سامان کس کی ملکیت ہے؟ لڑکی کی یا شوہر کی؟

الجواب: یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اُس نے لڑکے کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اسلئے عدم نیّت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا متصوّر ہوگا۔

قال فی الھندیۃ: لو جھز ابنتہ وسلمہ الیھا لیس لہٗ فی الاستحسان استردادہ وعلیہ الفتوٰی..... واذا بعث الزوج الی اھل زوجتہ اشیاء عند زفافھا منھا دیباج فلمّا زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہٗ ذٰلک اذا بعث الیھا علٰی جھۃ التملیک کذا فی الفصول العمادیۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت) ۲ لہ

لہ عن عَلیٍ رضی اللہ عنہ قال: جھّز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃؓ فی خَمِیلٍ وقِربۃٍ ووسادۃ حشوُھا اذخر۔ (سنن النسائی ج۲ ص۹۲ جھاز الرجل ابنتہ)

۲ لہ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: "سُئل" فیما اذا زوّج ابنتہما البالغۃ وجھّزھا بجھاز سلماہ منھا فی صحتھما ثمّ ماتا عنھا وعن ورثۃ غیرھا یریدون قسمۃ الجھاز بینھم مع البنت فھل لیس لہٗ ذٰلک۔ الجواب "نعم"

(تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۲۶ مسائل الجھاز)

وَمِثْلُہٗ فی جامع الفصولین جلد ۱ ص۱۹۲ فی الفصل العشرون فی دعوی النکاح۔

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا تھا، اب کسی گھریلو نا چاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے، تو کیا یہ عورت دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی عورت برضا و رغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کر دے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الھندیۃ:۔ للمرأۃ ان تھب مالھا لزوجھا من صداق دخل بھا زوجھا اولم یدخل ولیس لاحد من اولیائھا اب ولا غیرہ الاعتراض علیھا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۸- الباب السابع فی المھر الفصل العاشر فی ھبۃ المھر ص۳۱۶)[1]

مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا

سوال:۔ کیا عورت اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو کیا معاف کرنے کے بعد عورت کے باپ یا دیگر رشتہ داروں کا اعتراض معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں عورت اپنے مہر کی خود مالکہ ہے وہ اسکو جس طرح استعمال کر سکتی ہے چاہے شوہر کو معاف کرے یا کسی اور کو ہدیہ دیدے، باپ یا کسی اور رشتہ دار کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

وفی الھندیۃ: للمرأۃ ان تھب مالھا لزوجھا من صداق دخل بھا زوجھا اولم یدخل ولیس لاحد من اولیائھا اب ولا غیرہ الاعتراض علیھا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۸- الباب السابع فی المھر الفصل العاشر فی ھبۃ المھر ص۳۱۶)[2]

خلوتِ صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا جبکہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو

---

[1] و [2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: (وصح حطھا) لکلّہ او بعضہ (عنہ) قبل اولا الخ
قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ تحت ھذہ العبارۃ (وصح حطھا) وقید بحطھا لأن حط ابیھا غیر صحیح لو صغیرۃ ولو کبیرۃ توقف علیٰ اجازتھا ولا بد من رضاھا۔ (الدر المختار مع ردّ المحتار ج۳ باب المھر (مطلب فی حط المھر والابراء منہ) ص۱۱۳)
وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۰۵ باب المھر۔

شوہر کے حوالے کر دیا تھا، تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا یا کامل؟

الجواب: مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے اس لیے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندية: وخلوة المجبوب خلوة صحيحة عند ابی حنيفةؒ وخلوة العنين والخصی خلوة صحيحة۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۳۰۵ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر والمتعة) [1]

مجھے خُلع دیا ہے، سے سقوطِ مہر کا حکم

سوال: اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے خلع دیا ہے مگر عوضِ خُلع ذکر نہیں کیا اور عورت اس کو قبول کرلے تو کیا اس سے مہر ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: خلع سے چونکہ میاں بیوی کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں، اب اگر عورت نے اپنا مہر وصول نہ کیا ہو تو خلع قبول کر لینے سے اس کا حقِ مہر شوہر کے ذمّے سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وصول کیا ہو تو اِس خلع کے عوض کچھ لازم نہ ہوا اور نہ عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہے اسلئے کہ سوال میں بدلِ خلع مذکور نہیں۔

وفی الهندية: واذا خالعها علیٰ مالٍ مسمی معروف سوی الصداق فان كانت المرأة مدخولاً بها والمهر مقبوضاً فانها تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا يتبع احدهما صاحبه بعد الطلاق بشیٔ وان كان المهر غير مقبوض فالمرأة تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا ترجع علی الزوج بشیٔ من المهر الخ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۴۸۹ الباب الثامن فی الخلع ...الخ) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلّقها فلها كمال المهر عند ابی حنيفةؒ وقال عليه نصف المهر لانه اعجز من المريض بخلاف العنين....لان الحكم ادير علی سلامة الآلة۔ الخ
(الهداية ج ۲ ص ۳۰۶ باب المهر)
ومثلهٗ فی الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۱۱۸، ۱۱۷ باب المهر۔ مطلب فی احكام الخلوة۔

[2] قال العلامة قاضيخانؒ: واما حكم المهر فان كانت المرأة مدخولة فقد قبضت المهر يلزمها البدل ولا يرجع احدهما علی صاحبه بشیٔ فی قولهم۔ (فتاوی قاضيخان ج ۲ ص ۲۵۶ باب الخلع)
ومثلهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۰۱ الفصل الثالث فی الخلع۔

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا

سوال:۔ بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دینے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے، تاہم اس سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ : ومن اسحت ما یأخذہ الصھر من الختن بسبب بنتہ بطیب نفسہ حتی لو کان بطلبہ یرجع الختن۔

(ردّالمحتار ج ۵ ص۳۰۱ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع) [1]

حق مہر کی قسمیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں حق مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) **مہرمسمیٰ**: یہ وہ مہر ہے جو زوجین یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) **مہرمثل**: یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر مہرِ مثل ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : المھر عند الفقھاء نوعان مھرمسمیٰ ومھرمثل۔ اما المھر المسمیٰ فھو ماسمی فی العقد اوبعد بالتراضی.....اما مھر المثل فقد حددہ الحنفیۃ بانہ مھر امرأۃ تماثل الزوجۃ وقت العقد من جھۃ ابیھا لا امھا ان لم تکن من قوم ابیھا کاختھا وعمتھا وبنت عمھا فی بلدھا وعصرھا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۷ ص۲۶۶ رابعاً انواع المھر)

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: اخذ اھل المرأۃ شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لانہٗ رشوۃ۔
(الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۳۹۶ مطلب انفق علیٰ معتدۃ الغیر)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت۔

حق مہر خاوند کے ذمّہ واجب ہے

سوال: نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حق مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو کیا خاوند کے ذمّے مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صراحتاً یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حق مہر اس کے ذمہ واجب الاداء ہے، حقِ مہر کی ادائیگی کا اصل ذمّہ دار خاوند ہے، تاہم اگر باپ نے بیٹے کی جگہ حقِ مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حق مہر شمار ہوگا خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں، اور اگر باپ وعدہ کرکے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حق مہر ادا کرے۔

قال ابن نجیمؒ: أما ولی الزوج الکبیر فهو وکیل عنه کالاجنبی وولایته علیه وولایة استحباب وحکم ضمان مهره کحکم ضمان الاجنبی فان ضمن عنه باذنه رجع والافلا۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۶۵ باب المهر)[1]

حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم

سوال: نکاح کے انعقاد کے وقت اگر ایجاب وقبول کے دوران حق مہر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حقِ مہر کا تقرر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے رُکن نہیں، لہٰذا اگر مجلسِ نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھا یا گیا ہو تو اگرچہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح درست ہے لیکن خاوند کے ذمّہ دخول کے بعد مہرِ مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قول الماتن) صح النکاح بلا ذکره لأن النکاح عقد انضمام وازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المهر واجب شرعاً إبانة لشرف المحل فلا یحتاج إلی ذکره لصحة النکاح .... وذکر الأکمل والکمال أنه لاخلاف لاحد فی صحته بلا ذکر المهر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۲ باب المهر)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: ویرجع الولی بعد الأداء علی الزوج إن ضمن بأمره هٰکذا فی التبیین۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۲۱ باب المهر مطلب فی ضمان الولی المهر۔

[2] قال العلامة العثمانیؒ: عن علقمة قال أتی عبد الله فی إمرأة تزوجها رجل ثم مات عنها ولم یفرض لها صداقاً ولم یکن دخل قال فاختلفوا إلیه فقال أری لها مثل مهر نسائها ثم ذکر أن معقل بن سنان الأشجعی شهد أن النبی صلی الله علیه وسلم قضی فی واقعة مثل ما قضیت۔ رواه الخمسة وصححه الترمذی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص۸۷) وقال فی الهندیة: وان تزوجها ولم یسم لها مهراً أو تزوجها علی أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۷۴ فصل ان لا یکون مجهولاً جهالة۔

مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے

سوال: اگر خاوند کی طرف سے مقرر شدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہوجائے تو کیا عورت اس اضافے کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب: حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعاً جائز ہیں اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے مقرر شدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کی مالکہ متصور ہوگی۔

قال فی الهندیة: الزیادة فی المهر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة۔ کذا فی المحیط: فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزیادة۔ کذا فی السراج الوهاج: هذا اذا قبلت المرأة الزیادة سواء کانت من جنس المهر أو لا من زوج أو من ولی کذا فی النهر الفائق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادة فی المهر۔ الخ) [1]

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم

سوال: شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ روپیہ وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج أن یسترده لانه رشوة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۵۶ آخر باب المهر) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ودل وضع المسئلة علی جواز الزیادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس علی الأصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المهر)

[2] قال فی الهندیة: ولو اخذ أهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لأنه رشوة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۸۶، ۱۸۷ باب المهر۔

حصولِ مہر کیلئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے

سوال:۔ حق مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خاوند بیوی کو مہر معجل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اُس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے جب تک وہ اُسے مہر ادا نہ کردے۔

قال فی الهندیة: فی کل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأکد کل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستیفاء المعجل لها ذلك عنده خلافاً لهما..... وقبل تسلیم النفس لها ذلك بالاجماع۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) ۱؎

حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو کہ خاوند کیلئے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کیلئے قسط وار ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت تمام مہر یا بعض کا مؤجل یا معجل (یکمشت یا قسط وار) دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ:۔ ان لم یؤجل أو یعجل کله فکما شرط لأن الصریح یفوق الدلالة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۴۴ مطلب زمان الولی) ۲؎

۱؎ قال ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الماتن ولها منعه من الوطء وکذا الولی الصغیرة المنع المذکور حتی یقبض مهرها۔ (رد المحتار ج۳ ص۱۴۳ مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل یجب به المهر۔

۲؎ قال فی الهندیة: وإن بینوا قدر المعجل یعجل ذلك وان لم یبینوا شیئاً ینظر إلی المرأة والی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هٰذه المرأة من مثل هٰذا المهر فیجعل ذلك معجلا ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلاً ویترك العرف۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۱۸ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۷۶ باب المهر۔

تقلیلِ مہر مندوب ہے

سوال: مہر میں کیا معیار ہونا چاہیئے، بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنا بڑائی اور عظمت وشرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ کئی علاقوں میں تقلیلِ مہر ثواب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب: لڑکے کی مالی حالت کو مدِنظر رکھ کر مہر مقرر کرنا چاہیئے، اگر لڑکے کی غربت معلوم ہونے کے باوجود زیادہ مہر مقرر کر دیا جائے تو یہ لڑکے پر بے جا بوجھ لادنے کے مترادف ہے تاہم زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں پھر بھی مہر ایسا ہونا چاہیئے جس کی ادائیگی لڑکے کے دائرہ اختیار میں ہو۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة۔ رواہ احمد (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۸۹ کتاب النکاح)[1]

تحدیدِ مہر جائز نہیں

سوال: کیا حاکمِ وقت یا علاقے کے بڑوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کثیر کی حد مقرر کریں کہ مثلاً کوئی بھی دس ہزار روپے سے زیادہ مہر نہیں باندھ سکتا، اور یہ اسلئے کیا جائے کہ لوگ مغالاۃ فی المہور (مہروں میں زیادتی) سے باز آجائیں؟

الجواب: مہر کی حد اکثر اور تحدید قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ بعض آیاتِ کریمہ سے تکثیر اور بعض دلائل سے اس کا اطلاق معلوم ومفہوم ہوتا ہے، لہٰذا حاکمِ وقت یا اہلِ حل وعقد کیلئے جائز نہیں کہ وہ مہر کی تحدید کریں، تاہم ذرائع ابلاغ بطور علم ووعظ عوام کے اندر اسکی تقلیل کی مسنونیت پر ترغیب دیں اور صاحبِ اقتدار طبقہ، علماء وحکام اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۰ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (سورۃ النساء)[2]

---

[1] وعن عائشة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إن من يمن المرأة تيسر خطبتها وتيسر صداقها وتيسر رحمها، اخرجه الحاکم وغیرہ بسند حسن قاله الالبانی (سلسلة الاحاديث الضعيفة ج ۳ ص ۲۴۳)

وَمِثْلُهُ رواہ احمد واصحاب السنن الاربعة والدارمی عن عمر رضی اللہ عنہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷۷)

[2] قال الشیخ وهبة الزحيلی: وقد نبهت إمرأة إلى هذه الأبنة حينما اراد عمر بن الخطاب تحديد المهور فنهى ان يزاد فى الصداق على اربعمأة درهم وخطب الناس فيه..... فقالت له إمرأة من قريش بعد نزوله من على المنبر ليس ذلك إليك يا عمر فقال ولم؟ قالت لأن اللہ تعالیٰ يقول وآتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا أتأخذونه بهتانا وإثما مبينا، فقال عمر رضی اللہ عنہ إمرأة أصابت ورجل أخطاء۔ ورواہ ابو يعلى فى الكبير فقال اللهم غفرا كل الناس أفقه من عمر ثم رجع فركب المنبر فقال أيها الناس إنى كنت نهيتكم أن تزيدوا النساء فى صدقاتهن على اربعمأة درهم فمن شاء أن يعطى من ماله ما أحب۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج ۷ ص ۲۵۶)

وَمِثْلُهُ فى الفتاوى الاسلامية ج ۲ ص ۳۳۳ وابحاث هيئة كبار العلماء ج ۲ ص ۳۰۹

جہیز کس کا حق ہے؟

سوال:۔ شادی کے وقت جو مال، سامان وغیرہ والدین لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کے گھر بھیجتے ہیں یہ کس کا حق ہے؟ شوہر کا یا بیوی کا؟

الجواب:۔ والدین کی طرف سے شادی کے وقت جو سامان وغیرہ لڑکی کو دیا جاتا ہے اس کی اصل حقدار لڑکی ہی ہے خاوند کا اُس سامان کے ساتھ کچھ تعلق واسطہ نہیں۔

قال فی الھندیۃ: لو جھز ابنتہ وسلمہ الیھا لیس لہ فی الاستحسان استردادہ منھا و علیہ الفتوٰی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت) [1]

مطلّقہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی مدخولہ بیوی کو فاحشہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی، تو کیا یہ عورت اب مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دخول سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لیے بعد ازاں طلاق دینے سے حق مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مطلقہ عورت شرعاً مہر کی حقدار ہے طلاق خواہ کسی بھی وجہ سے دی گئی ہو۔

قال فی الھندیۃ: والمھر یتأکد بأحد معان ثلاثۃ، الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمی اَوْ مھر المثل حتی لا یسقط منہ شئ بعد ذٰلک الّا بالابراء من صاحب الحق۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۰۴ الباب السابع فی المھر) [2]

خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر خاوند مر جائے اور اس کی بیوہ کسی دُوسری جگہ شادی کرے تو اس کو پہلے خاوند سے مہر نہیں دیا جاتا کیا یہ شرعاً درست ہے؟

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: جھز ابنتہ بجھاز وسلمھا ذٰلک لیس لہ الاسترداد ولا لورثتہ بعدہ ان سلمھا ذٰلک فی صحتہ بل تختص بہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۶۵ مطلب انفق علی معتدۃ الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۸۷ باب المھر۔

[2] قال الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطأ او خلوت صحت من الزوج اَو موت اَحدھما۔ (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۲ باب المھر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۴۳ باب المھر۔

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہوجانے سے بیوی کا حق مہر مؤکد ہوجاتا ہے اسلیے بیوہ مہر کی حقدار ہے خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے یا نہ کرے۔

قال فی الھندیۃ: والمھر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت أحد الزوجین سواء کان مسمّی أو مھر المثل حتی لا یسقط منہ شئ بعد ذلک الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۳۰۴ الباب السابع فی المہر) [۱]

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار

سوال:۔ ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حقدار ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوتِ صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقرر شدہ مہر کے نصف کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: و یجب نصفہ بطلاق قبل وطأ أو خلوۃ فلو کان علیٰ ماقیمتہ خمسۃ کان لہا نصفہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۴ باب المہر) [۲]

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کے حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کردے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی یا اُسکے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے ،اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتطالب أیّا شاءت من زوجہا البالغ او الولی الضامن۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۷ باب المھر) [۳]

---

[۱] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطأ او خلوۃ صحت من الزوج او موت أحدھما۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱۰۲ باب المہر۔ وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۴۳ باب المھر۔

[۲] قال النسفیؒ: وبالطلاق قبل الدخول یتنصف۔ (کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج۳ ص۱۴۴ باب المہر)

[۳] قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا ضمن الولی المھر صح ضمانہ ثم المرأۃ بالخیار فی مطالبتھا زوجھا او ولیّھا الخ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۱۳ باب المھر)

باب الاولیاء والاکفاء

(ولایت اور کفو کے مسائل واحکام)

قریشی سادات کے کفو ہیں

سوال:۔ کیا غیر سید قریشی سادات کے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قریش کے جملہ خاندان یعنی شعوب آپس میں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر نکاح کے معاملے میں کوئی فوقیت حاصل نہیں، اس لیے قریشی سادات کا نکاح غیر سید قریشی سے جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قول الحصکفیؒ) وقریش بعضھم اکفاء بعض اشار بہ الی انہ لا تفاضل فیما بینھم من الھاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولھذا زوج علی وھو ھاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی۔ (رد المحتار ج۳ ص۸۶ باب الاکفاء)[۱]

غیر عالم کا عالمِ دین کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال:۔ کسی عالم دین یا پیش امام کی لڑکی سے غیر عالم کا نکاح کرنا کیسا ہے؟ کیا جاہل آدمی عالم دین کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علم یا جہالت کفو بننے کی صفات نہیں، اس لیے اگر کفایت کے دیگر اقسام موجود ہوں تو ولی کی رضامندی سے غیر عالم عالم دین کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔

قال العلامہ الکاسانیؒ:۔ لأن فی الکفاءۃ حقًا للاولیاء لانھم ینتفعون بذٰلک.... ولو کان التزویج برضاھم یلزم حتی لا یکون لھم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءۃ)[۲]

---

[۱] قال فی الھندیۃ: وقریش بعضھم اکفاء لبعض کیف ما کانوا حتی ان القریشی الذی لیس بھاشمی کفاء للھاشمی۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۹۰ الباب الخامس فی الاکفاء)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۳۱ ج۳ ص۱۳۱ فصل فی الاکفاء۔ وبدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ ورضاء البعض کالکل ای ورضاء بعض الاولیاء المستویین فی الدرجۃ کرضاء کلھم حتی لا یتعرض احد منھم بعد ذٰلک۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ باب الاولیاء والاکفاء)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب الاولیاء۔

فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا

سوال:- ایک شخص نے بے دین لڑکے کو صالح سمجھ کر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد لڑکے کا فسق معلوم ہوا، تو اب نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور لڑکی کے خاندان کے اکثر افراد صالح ہوں تو یہ نکاح باطل ہے، دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ : تحت قوله ان عرف لایصح النکاح (زوج بنته الصغیرة ممن ینکر أنه یشرب مُسکرًا فاذا هو مدمن له فقالت لا أرضی بالنکاح ای بعد ما کبرت ان لم یکن یعرفه الأب بشربه وکان غلبة أهل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انما زوج علیٰ ظن أنه کفء اھ - (ردّ المحتار ج۳ ص۶۷ باب الاولیاء) [1]

غیر سیّد کا سیّدزادی سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کسی غیر سیّد کا نکاح سیّدزادی سے ہوسکتا ہے؟

الجواب:- اگر سیّدہ لڑکی کا باپ کسی غیر سیّد لڑکے کو رشتہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتا ہو اور لڑکی بھی راضی ہو تو سیّدزادی کا نکاح غیر سیّد لڑکے سے کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال ابن نجیمؒ : تحت قول النسفیؒ (ورضاء البعض کالکل) أی ورضاء بعض الاولیاء المستوین فی الدرجة کرضاء کلهم حتی لایتعرض احد منهم بعد ذٰلك -

(البحر الرائق ج۳ ص۱۲۹ فصل فی الاکفاء) [2]

---

[1] قال فی الهندیة : رجل زوج إبنته الصغیرة من رجل علیٰ ظن أنه صالح لایشرب الخمر فوجده الأب شریبًا مدمنا وکبرت الابنة فقالت لا أرضی بالنکاح إن لم یعرفه أبوها بشرب الخمر وغلبة اهل بیته الصالحون فالنکاح باطل وهذه المسئلة بالاتفاق کذا فی الذخیرة - (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۹۱ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۳۵ فصل فی الاکفاء -

[2] قال العلامة الکاسانیؒ : لأن فی الکفاءة حقا للاولیاء لأنهم یتضعون بذٰلك ..... ولوکان التزوج برضاهم یلزم حتی لایکون لهم حق الاعتراض - (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فالنکاح الذی الکفاءة فیه شرط)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۸۴ فصل فی الاکفاء -

مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا

سوال:۔ کیا مجنون اور دیوانہ شخص کسی عاقلہ عورت کا کفو ہو سکتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جنون ایسی چیز ہے جو عار بننے کا سبب بنتا ہے اس لیے مجنون اور پاگل مرد راجح قول کے مطابق عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی النھر وقیل یعتبر لأنه یفوت مقاصد النکاح فکان أشد من الفقر ودناءۃ الحرفۃ وینبغی اعتماده لأن الناس یعیرون بتزویج المجنون أکثر من دنیٔ الحرفۃ الدنیئۃ وفی البنایۃ عن المرغینانیؒ لایکون المجنون کفوًا للعاقلۃ وعند بقیۃ الائمۃ ھو من العیوب التی ینفسخ لھا النکاح۔

(منحۃ الخالق علیٰ ھامش البحرالرائق ج ۳ ص۱۳۴ فصل فی الأکفاء)[1]

نکاح میں ولایت کی ترتیب

سوال:۔ نکاح میں ولایت کی ترتیب کیا ہے اور کون کس پر مقدم ہے؟

الجواب:۔ ولایتِ نکاح میں سب سے مقدم ولی ارث وحجب کی ترتیب سے عصبہ ہوتا ہے پھر اگر عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: واما شرط التقدم فشیئان احدھما العصوبۃ عند ابی حنیفۃؒ فتتقدم العصبۃ علیٰ ذوی الرحم سواء کانت العصبۃ أقرب أو أبعد..... وعند عدم العصبات تثبت الولایۃ لذوی الرحم الأقرب منھم یتقدم علی الأبعد۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵ فصل شرط التقدم فشیئان)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فی النھر عن المرغینانیؒ، المجنون لیس بکفٔ للعاقلۃ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۹۳ فصل الأکفاء)

[2] قال فی الھندیۃ: وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملك تزویجھما فی ظاھر الروایۃ...... والاقرب عند ابی حنیفۃؒ الأم ثم البنت ثم بنت الإبن الخ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثلہ فی البحرالرائق ج ۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاکفاء۔

قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم

سوال: باپ کی موجودگی میں ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا چچا کر دے اور باپ اس پر ناراضگی کا اظہار کرے تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نکاح کر دے تو یہ نکاح قریبی رشتہ دار کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں چچا کا کیا ہوا نکاح باپ کی ناراضگی کی وجہ سے درست نہیں۔

قال ابن نجیمؒ: وأما اذا کان احدهما اقرب من الآخر فلا ولایة للابعد مع الاقرب الا اذا غاب غیبة منقطعة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) ۱

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دینے کا حکم

سوال: چچا نے اپنی نابالغ بھتیجی کا نکاح ایک فاسق لڑکے سے کر دیا جبکہ لڑکی صالحہ، نیک سیرت ہے، تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فسق چونکہ عار بننے کا سبب ہے اسلئے صالح عورت کا فاسق مرد کفو نہیں اور باپ دادا کے علاوہ ولیوں کا نابالغ صالحہ عورت کا فاسق اور غیر کفو کے نکاح میں دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ بالغ ہونے پر لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے چاہے تو نکاح ختم کر سکتی ہے

قال العلامة الکاسانیؒ: وأما إنکاح الأب والجد الصغیر والصغیرة فالکفاءة فیه لیست بشرط للزومه عند ابی حنیفةؒ..... بخلاف إنکاح الأخ والعم من غیر الکفء أنه لایجوز بالاجماع لأنه ضرر محض۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۱۸ فصل فالنکاح الذی الکفاءة فیه شرط) ۲

---

۱ قال فی الهندیة: وان زوج الصغیر والصغیرة أبعد الأولیاء فان کان الأقرب حاضر وهو من أهل الولایة توقف نکاح الأبعد علی اجازته۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص۸۱ باب الاولیاء۔

۲ قال النسفیؒ: ولو زوج طفله من غیر کفء أو بغبن فاحش صح ولم یجز ذلك لغیر الأب والجد۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۴ فصل فی الاکفاء) وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص۶۷ باب الاولیاء۔

کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دوسرے اولیاء کا حق ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ اگر کسی عورت کے متعدد اولیاء ہوں اور ان میں سے کسی ایک ولی کا اپنا حق استعمال کرنے سے نکاح کے بعد دوسرے اولیاء کو نکاح کے ردّ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ کسی عورت کے متعدد اولیاء جب مرتبہ میں برابر ہوں تو جس ولی نے پہلا نکاح کرایا تو وہ درست ہے، دوسرے اولیاء کے ردّ کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: ثم إذا اجتمع فی الصغیر والصغیرۃ ولیان فی الدرجۃ علی السواء فزوجہ أحدہما جاز أجاز الآخر او فسخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) [۱]

نابالغہ کا نکاح دادی کے کر دینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے

سوال:۔ دادی نے اپنی نابالغہ پوتی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہونے پر لڑکی کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ باپ یا دادا جب نابالغ کا نکاح کرائیں تو بعد البلوغ اس کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، صورت مسئولہ میں چونکہ نکاح دادی نے کرایا ہے جس کو حق ولایت بھی حاصل نہیں اس لیے لڑکی بلوغ کے بعد خیار بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے تاہم نکاح فسخ کرنے کا حق قاضی/حاکم کے ذریعے ہوگا جس کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

قال النسفیؒ: ولہما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الأب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الاولیاء والأکفاء) [۲]

---

[۱] قال فی الہندیۃ: وإذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فأیہما جاز عندنا۔ کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)
ومثلہ فی الدر المختار علی صدر ردالمختار ج۳ ص۸۱ باب الاولیاء۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: وحاصلہ أنہ اذا کان المزوج للصغیر أو الصغیرۃ غیر الأب والجد فلہما الخیار بالبلوغ او العلم بہ فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ إلا بشرط القضاء۔ (ردالمحتار ج۳ ص۷۰ باب الاولیاء)
ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے عدیم المال بیٹے سے کردیا، تو کیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بناء بر روایت مختار کفائت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے اور جن چیزوں میں کفایت شرط ہے ان میں سے ایک مال بھی ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا مہر معجل اور محترف نہ ہونے کی صورت میں ایک ماہ کے نفقے پر قادر ہو اور لڑکی بھی بلوغ کے بعد راضی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ:۔ تحت قول الحصکفیؒ (الکفاءة معتبرة فی ابتداء النکاح للزومه اولصحته) وھذا بناءً علیٰ ظاھر الروایة من ان العقد صحیح وللولی الاعتراض اما علیٰ روایة الحسن المختارة للفتویٰ من انه لایصح فالمعنی معتبرة فی الصحة۔ انتھیٰ۔ وقال الحصکفیؒ: ومالاً بأن یقدر علی المعجل ونفقة شھر لوغیر محترف۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۸۴ باب الکفاءة)[1]

شریعت میں بلوغ کی حد

سوال:۔ شریعت میں لڑکے اور لڑکی کی حدِ بلوغ کیا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے میں بلوغ کی نشانی احتلام کا ہونا ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت حیض کا آنا ہے، اگر یہ دونوں نشانیاں نہ ہوں تو مفتیٰ بہ قول کی رُو سے پندرہ سال پورے ہوجانے پر بلوغ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

قال فی الھندیة: بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجاریة بالاحتلام او الحیض او الحبل کذا فی المختار: والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة اذا انتھیا الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالیٰ وھو روایة عن ابی حنیفةؒ وعلیه الفتویٰ۔ (الفتاوی الھندیة ج۵ ص۶۱ الباب الثانی فی الحجر الفصل الثانی فی معرفة البلوغ)[2]

---

[1] وقال ابن نجیم المصریؒ: الفقیر لایکون کفؤا للغنیة کبیرة کانت اوصغیرة إلا ان یکون عالمًا او شریفًا۔ (الأشباہ والنظائر ج۲ ص۱۶ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹ فصل ما تعتبر فیه الکفاءة۔

[2] قال النسفیؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال..... والجاریة بالحیض والاحتلام والحبل..... ویفتی بالبلوغ فیھما بخمسة عشرة سنة۔ (البحر الرائق ج۸ ص۸۵ باب الحجر)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۷ ص۱۷۱ کتاب الحجر فصل حکم الحجر اما معرفة البلوغ۔

وکیل کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور وہ ان کی طرف سے ایجاب قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح و انکاح ان امور میں سے ہے جن میں وکالت جائز ہے پس لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح میں ایجاب و قبول کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور اس پر اکتفاء کر کے ان کا نکاح منعقد ہوگا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ثم النکاح کما ینعقد بهذه الالفاظ بطریق الاصالة ینعقد بها بطریق النیابة بالوکالة والرسالة لأن تصرف الوکیل کتصرف الموکل۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۱ فصل رکن النکاح) [1]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال:۔ کیا نکاح میں کسی نابالغ لڑکے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ لڑکا جب عاقل اور ممیز ہو تو نکاح میں اسکی وکالت درست ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: واما البلوغ والحریة فلیسا بشرط لصحة الوکالة فتصح وکالة الصبی العاقل الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۶ ص ۲۰ فصل الشرائط الوکالة) [2]

نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لیے تصریح ضروری ہے

سوال:۔ بالغہ عورت سے اگر کوئی اجنبی شخص نکاح کی اجازت مانگے تو ایسی حالت میں عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت کے مترادف ہے یا صراحتاً اجازت ضروری ہے؟

الجواب:۔ اجنبی شخص کا اجازت طلب کرتے وقت عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت

---

[1] قال فی الهندیة: یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضره الشهود۔ کذا فی التاتارخانیة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۹۴ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص ۹۵ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح۔

[2] قال الشیخ النسفیؒ: صح التوکیل وهو اقامة الغیر مقام نفسه فی التصرف ممن یملکه اذا کان الوکیل یعقل العقد ولو صبیاً الخ۔ (البحر الرائق ج ۷ ص ۱۴۲ کتاب الوکالة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۳ ص ۵۶۳ کتاب الوکالة۔ الباب الاوّل

شمار نہیں ہوگی بلکہ اس میں تصریح بالقول (واضح الفاظ میں اجازت دینا) ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: فان استاذنها غیر الاقرب کأجنبی أو ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب البالغة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۶۲ کتاب النکاح۔ باب الولی) ؎۱

نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا

سوال:۔ ایک عورت نے ایک مرد کو اختیار دیا کہ تم میری طرف سے وکیل ہو تم میرا نکاح اپنے نفس کے ساتھ باندھ لو، اس شخص نے دو گواہوں کے رو برو ایسا ہی کیا تو کیا اس طریقہ سے نکاح کا شرعاً انعقاد ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ عقد نکاح میں جیسا کہ ایک آدمی مرد عورت دونوں کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، ایسا ہی کوئی مرد ایک طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے وکیل ہو کر نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت نے جب اس مرد کو وکیل بنایا کہ اپنے نفس کے ساتھ میرا نکاح باندھ لو تو جب اس شخص نے رو برو گواہان نکاح باندھ لیا تو یہ نکاح درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: کما للوکیل الذی وکلته أن یزوجها من نفسه فان له ذلك فیکون اصیلاً من جانب وکیلاً من آخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح۔ باب الکفاءۃ) ؎۲

خیارِ بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکی جس کا نکاح بچپن میں اس کی ماں نے کسی سے کر دیا تھا بلوغ کے بعد عدالت سے فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ

؎۱ قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول المتن: وإن إستاذنها غیر الولی فلا بد من القول کالثیب أی فلا یکفی لقلة الالتفات أی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۱۵ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۲۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

؎۲ قال ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قول الماتن، وللوکیل أن یزوج موکلته من نفسه والمراد بالوکیل الوکیل فی أن یزوجها من نفسه لما فی المحیط لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۶ کتاب النکاح۔ فصل لابن العم ان یزوج الخ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۹۵ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها۔

نکاح کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب: جس لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہو بالغ ہونے کے بعد باقاعدہ عدالت سے فسخِ نکاح کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کا اختیار درست نہیں، تنسیخِ نکاح کے لیے عدالت کا سہارا لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت بشرط القضاء للفسخ) وحاصلہ أنہ اذا کانت المزوج للصغیر او لصغیرۃ غیر الأب والجد فلہا الخیار بالبلوغ أو العلم بہ فإن اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۳ ص۷۰ کتاب النکاح، باب الولی، مطلب مہم هل للعصبۃ تزویج الصغیر الخ) [1]

وکیلِ نکاح کی شرائط

سوال: جو نکاح وکیل کے ذریعے باندھا جائے تو اس کے انعقاد کے لیے وکیل میں کون کون سی شرائط ہونی چاہئیں؟

الجواب: نکاح کا انعقاد وکلاء کے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکلاء عاقل و بالغ ہوں ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، تاہم اگر وکیل نابالغ ہو مگر اچھے برے اور نفع نقصان میں تمیز کر سکتا ہو تو ایسی صورت حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامۃ داماد افندیؒ: فیصح توکیل الحر البالغ العاقل بقرینۃ الاتی او المأذون الصبی او البالغ من جہۃ الولی او المولی حرًا بالغًا او مأذونًا۔ (در المنتقی علی ہامش مجمع الانہر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالۃ)

وفی مجمع الانہر: الصبی العاقل الذی اذن لہ الولی والعبد الذی اذن لہ المولی ای یصح توکیل کل منہما۔ (مجمع الانہر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالۃ) [2]

---

[1] قال النسفیؒ: ولہما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الأب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء)
ومِثلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ثم ذکر شرط التوکیل فقال اذا کان الوکیل یعقل ولو صبیًا او عبدًا محجورًا لا یخفی ان الکلام الآن فی صحۃ الوکالۃ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالۃ)
ومِثلُہٗ فی رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالۃ۔

ولایت میں قریب وبعید کے ورثاء کا اعتبار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک یتیم بچی ہے جس کے اولیاء میں دادا اور دو چچے ہیں، بچی کے بالغ ہونے پر چھوٹے چچا نے باپ اور بڑے بھائی کی اجازت کے بغیر بچی کا ایک جگہ نکاح کر دیا، جب بچی کے دادا کو پتہ چلا تو اس نے یہ نکاح نامنظور کر دیا، تو کیا اس بچی کا نکاح صحیح ہے یا کہ دادا کے انکار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اولیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) قریب (۲) بعید۔ اگر کسی بچی کا نکاح اس کا ولیٔ بعید بغیر اجازت ولیٔ قریب کے کسی جگہ کر دے تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ نافذ کر دے تو فبہا ونعما ورنہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دادا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: فان زوجھا الابعد والاقرب حاضرٌ توقف علی اجازۃ الاقرب لان الابعد کالاجنبی عند حضرۃ الاقرب فیتوقف عقدہ علی اجازۃ الولی۔ الخ

(المبسوط ج۴ ص۲۲۰ کتاب النکاح۔ باب نکاح الصغیر والصغیرۃ)[1]

مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نابالغ لڑکی کا باپ فوت ہو جائے اور اس کے اولیاء میں تین چچا ہوں اور ان میں سے ایک چچا اس بچی کا نکاح کرا دے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے تینوں چچا رشتے میں مساوی ہیں اور قرابت میں تجزیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ تینوں چچاؤں میں سے کوئی ایک چچا بھی لڑکی کا نکاح کرا دے تو جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ السرخسیؒ: واذا اجتمع فی الصغیرۃ اخوان لابٍ وأمٍ فایھما زوجھا جاز عندنا۔۔۔۔۔۔ علی ان کل واحد منھما ینفرد بالعقد والمعنی فیہ ان سبب الولایۃ

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (قولہ والا) ای وان لم یستویا فی الدرجۃ وقد رضی الابعد فللاقرب الاعتراض۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۲۳ کتاب النکاح۔ باب الولی)

ومثلہ فی درر المنتقی شرح الملتقی ج۱ ص۳۳۹ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء۔

هو القرابة وهو غير محتمل للوصف بالتجزی۔الخ (المبسوط ج ۴ ص۲۱۸ کتاب النکاح ، باب نکاح الصغیر والصغیرۃ) ۱

عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم

سوال :۔ ایک لڑکی نے ازخود غیر کفو میں نکاح کرلیا اور ورثاء نے بذریعہ عدالت نکاح ختم کرالیا، تو کیا لڑکی اب مہر کی مالکہ ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں غیر کفو میں نکاح کے بعد اگر دخول ہوا ہو تو حقِ مہر شوہر کے ذمے لازم ہے اور عدم دخول کی صورت میں تفریق ہوجانے سے بیوی حق مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

وفی الهندية :ولو تزوجت المرأة ونقصت من مهر مثلها فللولی الاعتراض علیها حتی یتم لها مهرها او یفارقها واذا فارقها قبل الدخول فلا مهر لها وان فارقها بعده فلها المسمی الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۹۳، ۲۹۴ الباب الخامس فی الاکفاء) ۲

عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کردینے کا حکم

سوال :۔ ایک لڑکی نے ورثاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا، بعدازاں ورثاء اُسے اپنے گھر لے آئے اور اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کردیا جبکہ انہوں نے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں لی ہے، تو کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا عدالت سے تفریق کرانا لازمی ہے ؟

الجواب : بعض تفاریق ایسے ہیں کہ جن میں قضاءِ قاضی (یعنی بذریعہ عدالت تفریق کرانا) لازمی

---

۱ قال العلامة ابن عابدینؒ : (قوله لثبوته لکل کملا) لانه حق واحدٌ لا یتجزأ لانهٗ ثبت بسبب لا یتجزأ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۲۳ کتاب النکاح ، باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۲۸۴ کتاب النکاح ، الباب الرابع فی الاولیاء ۔

۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : واذا فسخ القاضی بینهما تکون هٰذه فرقة بغیر طلاق حتی لو لم یکن الزوج دخل بها فلا شئ لها من المهر وان کان قد دخل بها فلها ما سمی من المهر وعلیها العدۃ ۔(الفتاوی التاتارخانية ج ۳ ص۶۲ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الکفاءۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۵۲ باب الکفاءۃ۔

ہے ان میں سے ایک صورت مسئولہ بھی ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا دوسرا نکاح اُس وقت تک صحیح نہیں جب تک عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہ لی جائے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم الفرقة التی تختص بقضاء القاضی، ھی الفرقة بالجب واللعنة واللعان واباء الزوج الاسلام ـ ھو طلاقٌ وبخیار البلوغ وعدم الکفاءة ونقصانٌ فی المھر فسخٌ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء) لـہ

کفاءت ایک جانب سے ہوتی ضروری ہے

سوال:۔ کیا کفوت جانبین سے ہونی چاہیئے یا کہ صرف مرد کے لیے عورت کا کفو ہونا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ائمہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نکاح میں صرف مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، باقی عورت کے لیے یہ شرط لازمی نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد بیوی شوہر کا کفو بن جاتی ہے۔

قال العلامة الجزریؒ: انّ الکفاءة معتبرةٌ فی جانب الرجل لا فی جانب المرأة فللرجل ان یتزوج من یشاء ولو امةً او خادمةً الخ۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج۴ ص۵۷، کتاب النکاح، مبحث الکفاءة فی الزواج) ۲ـہ

کفوت کی شرائط

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کفاءت کے اندر کون سے امور داخل ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے مرد عورت کے

لـہ قال العلامة الحصکفیؒ: (وله) ای للولی (اذا کان عصبة) ... (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح، باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۹۲ کتاب النکاح - الباب الخامس فی الاکفاء۔

۲ـہ قال العلامة وھبة الزحیلی: یری جمھور الفقھاء ان الکفاءة تطلب للنساء لا للرجال بمعنیٰ اَن الکفاءة تعتبر فی جانب الرجال للنساء، فھو حق فی صالح المرأة لا فی صالح الرجل ۔ الخ

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج ۔ المبحث الرابع من تطلب الکفاءة فی جانبہ)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة ص۱۴۱ ۱۱۷ ۔ الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة ۔

کفو بننے سے نکل جاتا ہے؟

الجواب: ۔ کفاءت کے بارے میں ائمہ اربعہؒ نے مختلف امور ذکر کئے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال جیسے امور کفوت میں داخل ہیں۔

قال العلامة الجزریؒ: انّ الکفاءة هی مساواة الرجل للمرأة فی امور مخصوصة وهی ستٌّ: النسب، والاسلام، والحرفة، والحریة، والدیانة، والمال۔ الخ

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص۵۴ کتاب النکاح، مبحث الکفاءة فی الزواج) [1]

تفریقِ قاضی طلاق ہے یا فسخ؟ سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے استاذ سے سبق میں پڑھا ہے کہ عدم کفو کی بناء پر قاضی تفریق کر سکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ تفریق بمنزلۂ طلاق ہوگی یا فسخ؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب: ۔ عدم کفاءت کی وجہ سے عدالت جو تفریق بین الزوجین کراتی ہے وہ بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی بمنزلہ طلاق نہیں۔

وفی الهندیة: ولا یکون التفریق بذلك الّا عند القاضی، امّا بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینهما وتکون هذه فرقةً بغیر طلاق حتّٰی لولم یکن الزوج دخل بها فلا شئ لها من المهر۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء) [2]

---

[1] قال الدکتور وهبة الزحیلیؒ: وفی اصطلاح الفقهاء: المماثلة بین الزوجین دفعاً للعار فی امور مخصوصة هی عند المالکیة: الدین والحال (ای السلامة من العیوب التی توجب لها الخیار) وعند الجمهور: الدین والنسب والحریة والحرفة (او الصناعة) وزاد الحنفیة والحنابلة الیسار (او المال)

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیّة ص۳۵ الکتاب النکاح۔ الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

[2] قال ابن عابدین رحمه الله: تحت هذه العبارة (قوله اویفرق القاضی) ولاتکون هذه الفرقة الّا عند القاضی ومالم یقض القاضی بالفرقة بینهما فحکم الطلاق والظهار والایلاء والمیراث باق..... وبعد اسطر، قال تحت قوله فلا مهر لها) لان الفرقة جائت من قبل من له الحق وهی فسخ۔ الخ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص۳۵۲ کتاب النکاح، باب الکفاءة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی قاضیخان ج ۲ ص۱۶۴ کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة۔

کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور لڑکا پیشے کے اعتبار سے لڑکی کا کفو نہ ہو یعنی اس کا پیشہ قابلِ عار ہو، جبکہ لڑکی کے رشتہ داروں کو اس نکاح کا علم اُس وقت ہوا جب لڑکی کے ہاں اُس لڑکے سے ایک بچہ پیدا ہوا، تو کیا لڑکی کے ورثاء اب اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدم کفوئت کی وجہ سے مرورِ زمانہ سے اولیاء کا حق ساقط نہیں ہوتا، اِلّا یہ کہ اولیاء رضامندی ظاہر کر دیں، یا اُس مرد کا عورت سے بچہ پیدا ہو جائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بچے کی پیدائش کے بعد اولیاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رہنا۔

قال العلامۃ الدکتور وھبۃ الزحیلی: ویثبت ھٰذا الحق عند الحنفیۃ للاقرب من الاولیاء العصبۃ فالاقرب، فاذا لم یرضوا فلھم ان یفرقوا بین المرأۃ وزوجھا مالم تلد اوتحمل حملاً ظاھرًا فی ظاھر الروایۃ الخ ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۲۳۷ الفصل الخامس الکفاءۃ فی الزواج ۔ المبحث الثالث صاحب الحق فی الکفاءۃ) [1]

کفوۃ میں وقت کا اعتبار ہے

سوال:۔ ایک شخص جو کہ نیک، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت تھا، اُس نے ایک مالدار گھرانے میں شادی کی، چند سال بعد وہ آدمی دیوالیہ ہو گیا اور اب وہ ایک ایک پائی کا محتاج ہے اور اس کے سسرال والے اپنی بیٹی کو اُس سے چھڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے کفو نہیں رہے، یہ ہمارے لیے عار کا سبب ہے۔ کیا اتنی مُدت گذرنے کے بعد اُس بہانے وہ لوگ بذریعہ عدالت اپنی بیٹی کو آزاد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے لیے اگرچہ کفو کا اعتبار کیا ہے مگر

---

[1] قال العلامۃ عبد الرحمٰن الجزریؒ: انّ الکفاءۃ فی الامور المذکورۃ من حق الولی بشرط ان یکون عصبۃ ولوکان غیر محرم کابن عمّ یحل لہ زواجھا.... ثمّ اذا سکت الولی عن الاعتراض حتٰی ولدت المرأۃ فان حقہ یسقط فی الکفاءۃ۔ الخ۔

(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج۴ ص۵۶ کتاب النکاح مبحث الکفاءۃ فی الزوج)

وَمِثْلُہٗ فی الاحوال الشخصیّۃ للامام محمد ابوزھرۃ ص۱۴۲ وامّن لہ حق الکفاءۃ۔

یہ یاد رہے کہ اس کا اعتبار ایک خاص وقت میں کیا جائے گا اور جب وہ مُدت ختم ہو جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اتنی مُدت کے بعد یہ حق حاصل نہیں اور نہ ہی عدالت میاں بیوی میں تفریق کرنے کی مجاز ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ :۔ والكفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا يضر زوالها بعده فلو كان وقته كفوأ ثم فجر لم يفسخ ۔ الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۲۵ كتاب النكاح ۔ باب الكفاءة)[۱]

گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا

سوال :۔ اگر کوئی گونگا آدمی اپنی بیٹی کا نکاح مجلسِ نکاح میں مخصوص اشارے سے کرائے تو کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب :۔ گونگے شخص کا اپنے مخصوص اشاروں سے (جو صرف نکاح کیلئے مخصوص ہوں اور حاضرینِ مجلسِ نکاح بھی ان اشاروں سے نکاح مراد لیتے ہوں) بیٹی کا نکاح کرانا صحیح اور درست ہے ۔

قال ابن نجيمؒ :الاشارة من الاخرس معتبرة قائمة مقام العبارة في كل شئ الى ان قال الا في الحدود ..... ولابد في اشارة الاخرس ان تكون معهودة والا لا تعتبره ۔ (الاشباه والنظائر ج ۳ ص۴۵۴ في بيان احكام الاشارة)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : ولا يخفى ان اعتبار هذه الكفاءة بين الزوج وأبيها وان الظاهر اعتبارها وقت الزوج ۔ الخ

(البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۳ كتاب النكاح ۔ فصل في الاكفاء)

وَمِثْلُهٗ في الفتاوى قاضي خان ج ۲ ص۱۶۳ فصل في الكفاءة ۔

[۲] قال العلامة ابن الهمامؒ :(تحت قول صاحب الهداية) وطلاق الاخرس واقع بالاشارة لانها صارت مفهومة فكانت كالعبارة في الدلالة استحسانًا فيصح بها نكاحه وطلاقه وعتاقه وبيعه وشراؤه سواء قدر على الكتابة أو لا وهذا استحسانًا بالضرورة ۔ الخ

(فتح القدير ج ۳ ص۳۴۸ كتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۳ ص۲۴۸ كتاب الطلاق ۔

بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا

سوال: ۔ بعض علاقوں میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین اُن کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرا سکتا ہے؟

الجواب: ۔ شریعتِ اسلامیہ نے بالغہ حرہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (سئل) فی بکر بالغۃ عاقلۃ رشیدۃ زوجھا ابوھا رجلاً بلا اذنھا ولا وکالۃ عنھا فردّت النکاح حین بلغھا فوراً فھل یرتدّ بردّھا والحالۃ ھٰذہ (الجواب) نعم۔ (تنقیح الحامدیۃ ج ۱ ص ۳۰ کتاب النکاح، فی مسائل منثورۃ من ابواب النکاح) [1]

بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے

سوال: ۔ جناب مفتی صاحب! شرعاً بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے دینا چاہیئے؟ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو سالہا سال والدین کے گھر نہ جانے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ۔ شریعتِ مقدسہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہفتے میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے یہ اس کا شرعی حق ہے، جو شخص ظلم و تعدی کے ساتھ اپنی بیوی کو والدین کی زیارت کے لیے جانے سے روکتا ہو تو وہ گنہگار ہے، تاہم اگر والدین کے گھر جانے سے فتنے کا اندیشہ ہو تو والدین کو چاہیئے کہ وہ خود بیٹی کو دیکھنے کے لیے آیا کریں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: ولا یمنعھا من الخروج الی الوالدین فی کل جمعۃ ان لم یقدرا علی اتیانھا علی ما اختیارہ فی الاختیار (فی ھامشہ

---

[1] قال العلامۃ فخر الدین المعروف بقاضی خانؒ: ولا یزوج البکر البالغۃ أبوھا علی کرہ منھا خلافاً للشافعیؒ۔ (فتاویٰ قاضیخان علی ھامش الھندیۃ ج ۱ ص ۳۵۸ فی الفصل الاولیاء) ومِثلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۲۴ کتاب النکاح، معرفۃ الاولیاء۔

ھٰکذا نعم ماذکروالشارح ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۴ کتاب النکاح) [1]

سورہ کی رسم کا شرعی حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں ایک رسم زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی جھگڑے کے سلسلہ میں راضی نامہ کرتے ہیں تو اُس میں فریقِ مخالف کو لڑکی نکاح میں دی جاتی ہے جس کو عرف میں سورہ کہا جاتا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے میں اگر باپ اپنی نابالغ بیٹی دے دے تو کیا اس لڑکی کو بعد البلوغ خیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ایک جاہلانہ رسم ہے، اس میں لوگ انتقام اس مظلوم لڑکی سے لیتے ہیں، گھر میں اس کو زرخرید باندی کی طرح رکھا جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں بھی یہ معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی مظلوم لڑکی کو باپ کے سوءِ اختیار کی وجہ سے خیارِ بلوغ حاصل ہے اگر وہ چاہے تو خیار استعمال کرکے الگ ہوسکتی ہے ۔

عن خنساء بنت خذام الانصاریۃؓ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذٰلک فاتت رسول اللّٰہ فَرَدَّ نِکاحہ ۔ (مختصر صحیح البخاری ج۲ ص۴۳۱ باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردودٌ) [2]

---

[1] قال قاضی خان: ویجوز للزوج ان یأذن لھا بالخروج ولا یصیر عاصیًا بالاذن ومنھا الخروج الی زیارۃ الوالدین وتعزیتھما وعیادتھما وزیارۃ المحارم۔ (الفتاویٰ الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۴۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۰۹ کتاب النکاح ۔

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح۔ وبعد اسطر ولنا انھا حرۃ فلا یکون للغیر علیھا ولایۃ الاجبار۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۰ کتاب النکاح)

وقال ایضًا: واذا زوج الاب ابنتہ الصغیرۃ ونقص من مھرھا اوابنہ الصغیر وزاد فی مھر امرأتہ جاز ذٰلک علیھما ولا یجوز ذٰلک لغیر الاب والجد وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ وقال لایجوز الحط والزیادۃ الا بما یتغابن الناس فیہ ومعنی ھٰذا الکلام انہ لایجوز العقد عندھما لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر فعند فواتہ یبطل العقد۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۷ کتاب النکاح ۔ فصل فی الکفاءۃ)

بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا

سوال:۔ اگر باپ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دیتا ہے جبکہ لڑکی بھی اس پر راضی ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب:۔ غیر کفو میں نکاح عیب و رسوائی کی وجہ سے قابلِ اعتراض ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اگر لڑکی بالغہ ہو اور وہ باپ کے اس فیصلے پر راضی ہو تو نکاح درست ہے۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: اگر لڑکی بالغہ اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے، غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح)[۱]

غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض

سوال:۔ آجکل بعض لڑکیاں کسی غیر کفو والے لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر نکاح کر لیتی ہیں، کیا ایسی لڑکی کے اولیاء کو نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی لڑکی از خود غیر کفو میں شادی کرے جو خاندان کیلئے ذلت و رسوائی کا باعث ہو تو لڑکی کے ورثاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا زوجت المرأۃ نفسہا من غیر کفو فلا ولیاء ان یفرّقوا بینہما دفعًا للضرر العار عن انفسہم۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب النکاح۔ باب الاکفاء والاولیاء)[۲]

---

[۱] قال الکاسانیؒ: واما انکاح الاب والجدّ الصغیر والصغیرۃ فالکفاءۃ فیہ لیست بشرط للزوم عند ابی حنیفۃؒ کما انّہا لیست بشرط الجواز عندہٗ فیجوز ذٰلک ویلزم لصدورہٖ ممن لہٗ کمال النظر لکمال الشفقۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ فصل واما الثانی فالنکاح الذی) ومثلہٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: حتی لو زوجت نفسہا من غیر کفو عن غیر رضاء الاولیاء لا یلزم وللاولیاء حق الاعتراض لان فی الکفاءۃ حقًا للاولیاء لانہم ینتفعون بذٰلک الا تری انّہم یتفاخرون بعلو نسب الختن ویتعیرون بدناءۃ نسبہ فیتضررون بذٰلک فکان لہم ان یدفعوا الضرر عن انفسہم بالاعتراض۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ کتاب النکاح۔ فصل واما الثانی)

فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں

سوال:۔ ایک نیک اور دیندار خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی نے معاشرہ میں کسی فاسق وفاجر اور بے دین لڑکے کے ساتھ بلا رضا اولیاء کے از خود شادی کر لی، تو کیا اس شادی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو نکہ شادی لڑکی کے خاندان والوں کے لیے عار کا باعث بنتی ہو تو اس پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ چونکہ فسق وفجور اور بے دینی بھی ایک عیب ہے جو نیک اور دیندار خاندان کے لیے باعثِ عار ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں فسق سے مراد وہ فسق ہے جو عار کا باعث بنے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله: حتیٰ لو ان امرأة من بنات الصالحین اذا زوجت نفسها من فاسق کان للاولیاء حق الاعتراض...... لان التفاخر بالدین احق من التفاخر بالنسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۱ کتاب النکاح۔ الفصل الثانی)[1]

ولایت میں ماں دادی سے مقدّم ہے

سوال:۔ اگر کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو کیا ولایت کا حق لڑکی کی دادی کو حاصل ہوگا یا اس کی ماں کو؟

الجواب:۔ جب کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو ولایت کا حق اس لڑکی کی ماں کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان لم تکن عصبة فالولایة للأم ثم لأم الاب۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۷۸ باب الاولیاء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والظاهر ان الصلاح لو منها او من ابائهم کاف لعدم کون الفاسق کفأً لهم۔ (البحر الرائق ج۲ ص۱۳۲ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء والاولیاء)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم عصبة مولی العتاقة ثم الأم ثم ذوو الارحام الأقرب فالأقرب وهذا قول ابی حنیفةؒ وانه استحسان۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۱۹ الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء)

ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا کسی بالغ مرد اور بالغ عورت کا نکاح بلا اجازت ولی کے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک بالغ مرد اور عورت اپنے نفس کے خود مختار ہیں اس لیے دونوں ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرا سکتے ہیں اور ایسا نکاح شرعاً صحیح اور درست ہوگا، لیکن موجودہ دور کے نازک حالات کو سامنے رکھ کر ولی سے اجازت لینا فتنہ وفساد ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یرض علیها ولی بکراً کانت او ثیباً عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله فی ظاهر الروایة۔
(الهدایة ج۲ ص۲۷۴ باب فی الاولیاء والاکفاء) [1]

بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک بالغہ لڑکی والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرلے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے ؟

الجواب:۔ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کے لیے والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرنا احناف کے ہاں درست ہے اس لیے کہ بالغہ لڑکی اپنے اختیار کی حقدار ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد ولی ۔۔۔ للولی الاعتراض فی غیر الکفو وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ انه لایجوز فی غیر الکفو الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۹۴ باب فی الاولیاء والاکفاء) [2]

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: نفذ ای صح نکاح حرة احترازاً عن الامة لان نکاحها موقوف علی إذنِ مولاها کتوقف نکاح الصغیرة والمجنونة والمعتوهة علی اذن المولیٰ ولذا قال مکلفه بکراً کان او ثیباً بلا ولی ای ولو کان النکاح بلا اذن ولی وحضوره عند الشیخینؒ فی ظاهر الروایة لانها تصرف فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلةً بالغةً۔ الخ (درر المنتقی شرح ملتقی ج۲ ص۳۳۲ باب الاولیاء والاکفاء)

[2] وفی الهندیة: ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة ۔۔۔۔ ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان النکاح لاینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن الخ۔ (الفتاوی الهندیة جلد۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۱۱ باب الاولیاء والاکفاء۔

باب الرّضاع

(رضاعت کے مسائل)

رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ زید نے بکر کی ماں کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، اب بکر زید کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بکر کی ماں زید کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد زید کے رضاعی بھائی بہن ہیں جن سے زید کا نکاح جائز نہیں، البتہ زید کی ماں کا اگر بکر کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے اس لیے بکر کا نکاح زید کی حقیقی ماں سے جائز ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: تحت قوله (وحرم به وإن قل فی ثلاثین شهرا ما حرم منه النسب إلا أم أخته وأخت ابنه) یعنی فانهما یحلان من الرضاع دون النسب، أطلق المضاف والمضاف إلیه ففی أم اخته ثلاث صور، الأولی الأم رضاعاً والاخت نسباً بأن أرضعت أجنبیة أخته نسبا ولم ترضعه الثانیة عکسه ان یکون لاخته رضاعاً أم من النسب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع) [1]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ رشیدہ نے خالد کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، کیا خالد کے بھائی بکر کا نکاح رشیدہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں رشیدہ خالد کے بھائی (بکر) کی رضاعی بھتیجی ہے تو

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (وأم اخت) صادق بأن یکون کل منهما من الرضاع کأن یکون لك أخت من الرضاع لها أم أخری من الرضاع أرضعتها وحدها وبأن تکون الأخت فقط من الرضاع لها أم نسبیة۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۱۴ کتاب الرضاع)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جیسے نسبی (حقیقی) بھتیجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی رضاعی چچا کا نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تزوج ابنۃ حمزۃؓ قال انہا ابنۃ اخی من الرضاعۃ۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۶۴ کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)[۱]

منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر قصداً یا سہواً دودھ پی لیا تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت (دو سال) کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے اور جو دودھ مدتِ رضاعت کے بعد پیا جائے اگرچہ حرام ہے مگر اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، صورتِ مسئولہ میں خاوند کی عمر اگر دو سال سے زیادہ ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ ایسا کرنا حرام ضرور ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ قید بہ احترازاً عما اذا کان الزوج صغیراً فی مدۃ الرضاع فانہا تحرم علیہ۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرّضاع)[۲]

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید اور بکر رضاعی بھائی ہیں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے، اب بکر زید کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زید کی بہن اور بکر کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو حرمت کا سبب بنے اس لیے بکر اپنے رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح کرسکتا ہے، البتہ زید

---

[۱] قال الشیخ النسفیؒ: زوج مرضعۃ لبنہا منہ اب للرضیع وابنہ اخ وبنتہ اخت واخوہ عم واختہ عمۃ۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[۲] قال فی الہندیۃ: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء وفی شرب لبن المرأۃ للبالغ من غیر ضرورۃ اختلاف المتأخرین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی الخ)

بکر کی نسبی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اس لیے کہ یہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے ۔

قال العلامة الحصكفيؒ : وتحل أخت أخيه رضاعًا يصح إتصاله بالمضاف كان يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية و بالمضاف إليه كان يكون لأخيه رضاعًا اخت نسبًا وبهما وهو ظاهر ۔ (الدر المختار علیٰ صدر المحتار ج ۳ ص۲۱۷ کتاب الرضاع) ؎۱

نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم

سوال :۔ نکاح ہوجانے کے بعد اگر لڑکی کا والد کبھی رضاعت کا دعویٰ کردے تو کیا اس دعویٰ کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ ثبوتِ رضاعت کے لیے حجتِ کاملہ ضروری ہے دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں) صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کا قول دعویٰ رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں، تاہم نکاح سے پہلے اگر ایک عورت کا بیان جو موجب ظنِ غالب ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کو اعتبار دے کر نکاح سے اجتناب کیا جائے، البتہ جہاں زوجین کسی عورت کے بیان پر اعتماد کرکے یقین کریں تو ایسی حالت میں انکی تصدیق گواہوں یا کسی گواہی کی محتاج نہیں ۔

قال طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ : ولا تجوز شهادة إمرأة واحدة على الرضاع اجنبية كانت أو أم أحد الزوجين، فان وقع في قلبه صدق المخبر فالأفضل أن يتنزه قبل العقد وبعد العقد يسعها المقام معه حتى يشهد على ذلك رجلان أو رجل و إمرأتان عدول ولا يقبل شهادة النساء وحدهن ۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۲ ص۱۱ الفصل الرابع في الرضاع) ؎۲

؎۱ قال ابن نجيمؒ : تحت قول النسفيؒ (وتحل أخت أخيه رضاعًا) يصح إتصاله بكل من المضاف والمضاف إليه وبهما كما قدمناه ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۷ كتاب الرضاع)

وَمِثْلُهُ في الهندية ج ۱ ص۳۴۳ كتاب الرضاع ۔

؎۲ قال ابن نجيمؒ : تحت قول النسفيؒ (ويثبت بما يثبت به المال) وهو شهادة رجلين عدلين أو رجل و إمرأتين عدول ..... وان كان الخبر بعد النكاح وهما كبيران فالأحوط أن يفارقها روى ذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه أمر بالمفارقة ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۲ كتاب الرضاع)

وَمِثْلُهُ في ردّ المحتار ج ۳ ص۲۲۴ كتاب الرضاع ۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک بار پستان چُوسنا کافی ہے | **سوال:۔** کیا رضاعت کے اثبات کے لیے پانچ مرتبہ پستان چُوسنا ضروری ہے یا صرف ایک بار چوسنے سے رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک دودھ حلق کے اندر اُترنے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے، چاہے وہ ایک مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، البتہ شوافع کے ہاں پانچ مرتبہ چوسنا ضروری ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواءٌ اذا حصل فی مدت الرضاع یتعلق بہ التحریم قال الشافعی لا یثبت التحریم الا بخمس رضعات۔

(الهداية ج۱ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[1]

رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے | **سوال:۔** کیا رضیعہ کی نسبی بہن سے مرضعہ کا شوہر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں رضیعہ کی طرف سے مرضعہ اور اس کے شوہر پر صرف رضیعہ اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد حرام ہوتی ہے باقی کے ساتھ مرضعہ اور اس کے شوہر کا کوئی حُرمت والا رشتہ نہیں اس لیے مرضعہ کا شوہر رضیعہ کی نسبی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: وتجوز تزوج أخت ابنه من الرضاع ولا یجوز ذلك من النسب۔ (الهداية ج۱ ص۳۳۰ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: یثبت بمصة فی حولین ونصف لا بعدہ ...... عند الشافعی یثبت بخمس مصاتٍ۔ (شرح الوقایة ج۲ ص۶۴ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ویحرم منه ما یحرم من النسب ....الا ام اخیه واخته..... وقس علیه اخت ابنه وبنته۔ قال ابن عابدینؒ: تحت قوله اخت ابنه انما حرمت علیه اخت ابنه وبنته نسبًا لکونه بنته او بنت امرأته وهذا المعنی مفقود فی الرضاع۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۰۶ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع۔

رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول وفروع حرام ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضیعہ یعنی دودھ پینے والے بچے پر مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے کون کون سے رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر کی طرف سے رضیعہ پر اصول اور فروع دونوں حرام ہیں، یعنی مرضعہ کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد اور اسی طرح شوہر کے آباؤ اجداد مع اس کی اولاد کے حرام ہوں گے۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب لحدیث الذی رویناہ۔ (الھدایة ج۱ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) [1]

رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا مرضعہ عورت رضاعت پر رضیعہ کے باپ یا ولی سے اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت ایسا عمل ہے کہ اُس کے کرنے کی اُجرت کے جواز پر سب علماء کا اتفاق ہے اس لیے مرضعہ رضاعت پر اجرت لے سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الھندیة: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین باجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لایجبر ویجبر فی الحولین۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
ومِثلُهُ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة فخر الدین قاضی خانؒ: واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع علی الاب مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین اجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر و یجبر فی الحولین۔
(فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۴۱۷ باب الرضاع)

عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں

سوال:۔ اگر کسی بچے نے انتہائی بوڑھی عورت (جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہے) کے پستان سے سفید پانی پیا ہو، تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کسی بوڑھی عورت کے پستان سے سفید پانی نکل آئے جو دودھ جیسا نہ ہو تو اس کے پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی بچے نے سفید پانی پیا ہو تو حرمت نہیں ورنہ ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ولبن بكر بنت تسع سنين فاكثر محرم والا لا جوهرة ـ
قال ابن عابدينؒ: تحت هٰذا القول اى وان لم تبلغ تسع سنين فنزل لها لبن لا تحرم جوهرة لانهم نصبوا على ان اللبن لا يتصور الا ممن تتصور منه الولادة فيحكم بانه ليس لبنًا كما لو نزل للبكر ماء اصفر لا يثبت من ارضاعه تحريم كما فى شرح الوهبانية ـ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۳۳ باب الرضاع)

صرف دعویٰ کرنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہو گی

سوال:۔ اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) یہ دعویٰ کرے کہ فلاں لڑکے کو میں نے دودھ پلایا ہے مگر اس پر گواہ نہیں، تو کیا صرف مرضعہ کے اس دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو کر لڑکے کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ رضاعت کے اثبات کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے، اس لیے صرف مرضعہ کے دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہو گی، البتہ اگر مرضعہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو تو جتنا ہو سکے اجتناب بہتر ہے اگرچہ نکاح صحیح ہو گا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: وحجته حجة المال وهى شهادة عدلين او عدل وعدلتين ـ
قال ابن عابدينؒ: ولو واحدا هما المرضعة ـ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الرضاع) لہ

لہ قال العلامة المرغينانىؒ: ولا يقبل فى الرضاع شهادة النساء منفردات وانما يثبت بشهادة رجلين اورجل وامرأتين ـ (الهداية ج۲ ص۳۳۳ كتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۳ ص۲۳۲ كتاب الرضاع ـ

شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال :۔ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر شوہر بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر اس کا دودھ چوس لے جو اُس کے حلق سے اُتر جائے تو اس شخص کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی بمنزلہ ماں کے ہو جائے گی شرعاً اس کی حقیقت کیا ہے ؟

الجواب :۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر دودھ پینا لازمی ہے، اگر مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے عوام الناس کی یہ بات غلط ہے اور شوہر کا بیوی کا دودھ پینے سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ بیوی اس کی ماں بن سکتی ہے، تاہم مرد کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ضرور ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ : ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفةؒ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ ..... قال النبی علیه السلام لا رضاع بعد حولین۔ (الهدایة ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [له]

رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے

سوال :۔ ایک بچی نے کسی عورت مثلاً ہندہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، ظاہر ہے کہ اس بچی کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر سے (جس کی وجہ سے اُسے یہ دودھ آیا ہے) تو جائز نہیں لیکن کیا یہ لڑکی ہندہ کے سابقہ شوہر کے لیے بھی حرام ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ رضیعہ (بچی) پر مرضعہ کا وہ شوہر حرام ہے جس کی وجہ سے اُسے موجودہ دودھ آیا ہو، یہ شخص اب اس بچی کا رضاعی باپ ہے، اس کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی سابقہ خاوند ہو اور اُس کے ساتھ اِس بچی کا کوئی رشتہ نہیں جو سببِ حرمت کا بنے اس لیے ان دونوں کا نکاح صحیح ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ : لبن الفحل یتعلق به التحریم وهو ان ترضع المرأة صبیة

[له] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله : وحولان و نصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح و به یفتی کما فی تصحیح القدوری۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

فتحرم هٰذہ الصبیۃ علیٰ زوجہا وعلیٰ ابائہ وابنائہ ویصیر الزوج الذی نزل لہا منہ اللبن ابا للمرضعۃ ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) لہ

رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ زید نے بچپن میں زینب کا دودھ پیا ہے، اب جبکہ زید کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا زید کا رضاعی باپ اس کی بیوہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس عورت کا شوہر جس سے یہ دودھ ہے اُس بچے کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، جس طرح سگے بیٹے کی بیوہ سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، اس لیے زینب کا شوہر زید کی بیوہ سے نکاح نہیں کرسکتا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: لاإحلال حلیلۃ الابن رضاعًا فانہا تحرم کالنسب بحر وغیرہ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۳ فصل فی المحرمات) ۲ہ

نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ زید نے ہندہ کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کا دودھ پیا ہے، کیا ہندہ کا نکاح زید کے دوسرے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں وہ رشتہ دار حرام ہو جاتا ہے جس میں جزئیت ثابت ہوتی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا زید کے ساتھ جزئیت کا رشتہ ثابت ہوا ہے اُسکے

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: (زوج مرضعۃ لبنہا منہ ابٌ للرضیع) بیان لان لبن الفحل یتعلق بہ التحریم لعموم الحدیث المشہور واذا ثبت کونہ ابا لہ لایحل لکل منہما موطؤۃ الآخر۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرّضاع۔

۲ہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع تعتبر بحرمۃ النسب فتشمل حلیلۃ الابن والابّ من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

بھائی بکر کے ساتھ نہیں، اس لیے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل اخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۶۱ باب الرضاع) [1]

رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکے نے کسی شخص کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا تھا، اب وہ بالغ ہو چکا ہے اور اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ لڑکا اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ شخص اس لڑکے کا رضاعی باپ ہے، تو جس طرح اپنے نسبی باپ کی موطوءہ سے نکاح کرنا جائز نہیں تو اسی طرح رضاعی باپ کی موطوءہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ مایحرم من النسب) معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع معتبرۃ بحرمۃ النسب فشمل زوجۃ الابن والاب من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع وھو قول اکثر اھل العلم کذا فی المبسوط بحر۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۵۷ باب الرضاع) [2]

غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

سوال:۔ اگر کوئی بچہ غلطی سے یا دھوکہ سے کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟

---

[1] قال المرغینانیؒ: ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیہ من الرضاع لانہ یجوز ان یتزوج باخت اخیہ من النسب۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۲ ص۶۷ کتاب الرضاع۔

[2] قال المرغینانیؒ: وامرأۃ ابیہ وامرأۃ ابنہ من الرضاع لایجوز ان یتزوجہا کما لایجوز ذلک من النسب۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

الجواب:- مدتِ شیرخواری میں جب بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجائے گی چاہے بچہ نے غلطی سے پیا ہو یا دھوکہ اور قصد وارادہ سے۔

قال فخرالدین قاضی خانؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواء عندنا...... کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۴۱۶، ۴۱۷ باب الرضاع) ۱؎

سوال:- اگر کسی بچے کو چمچہ کے ذریعے کسی عورت کا دودھ پلایا جائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

چمچہ سے بچہ کو دودھ دینا موجبِ رضاعت ہے

الجواب:- جب دودھ بچے کے حلق کے نیچے چلا جائے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دودھ حالتِ صغر میں بچے کے بدن میں پہنچ چکا ہے اس لیے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگئی ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحریم وان غلب الماء لم یتعلق التحریم۔ (الهدایة ج ۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع) ۲؎

سوال:- اگر ایک عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی ایسے مرد سے ہوجائے جس نے بچپن میں اس کے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا تھا، کیا اب حقیقتِ حال کا علم ہونے کے بعد ان کے درمیان تفریق کرانی ضروری ہے یا نہیں؟

رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے

الجواب:- چونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اسلیے ان دونوں کا نکاح شرعًا

۱؎ قال العلامة ابن نجیمؒ: هو مص الرضیع من ثدی الآدمیة فی وقت مخصوص ای وصول اللبن من ثدی المرأة الی جوف الصغیر من فمه او انفه فی مدة الرضاع۔ (البحرالرائق ج ۳ ص۲۲۱ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۲ کتاب الرضاع۔

۲؎ قال العلامة ابن نجیمؒ: لو اختلط اللبن لما ذکر یعتبر الغالب فان کان الغالب الماء لا یثبت التحریم۔ (البحرالرائق ج ۳ ص۲۲۸ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۴ کتاب الرضاع۔

جائز نہیں ہے اور دونوں کے درمیان تفریق لازمی ہے جو نفس متارکت سے ثابت ہو سکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (ولا) حل (بین الرضیعة وولد مرضعتها) ای التی ارضعتها (وولد ولدها) لانه ولد الاخ ... الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۴۳ باب الرضاع)

وقال ایضًا: (فیحرم منه) ای بسببه (ما یحرم من النسب) ... الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۳۹ باب الرضاع) لـه

بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں

سوال:۔ کسی عورت کے ساتھ ایک لڑکے نے زنا کے دوران اس کے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پیا، کیا اب اس مزنیہ اور زانی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے دو اڑھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے، اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس زانی لڑکے کا نکاح مزنیہ سے جائز ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: مدت الرضاع ثلثون شهرًا عند ابی حنیفةؒ۔ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ ..... وقال النبی علیه السلام لا رضاع بعد حولین۔
(الهدایة ج ۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) ؎ٰ

شک کی بنا پر رضاعت ثابت نہیں

سوال:۔ رات کے وقت ایک شیرخوار بچی نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں لیا

لـه وفی الهندیة: یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب ...... فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته الخ۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

؎ٰ قال العلامة الحصکفیؒ: هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری ...... ولا یصح الارضاع بعد مدته۔
(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۰۳/۴۰۴ باب الرضاع)
ومثله فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

مگر اس بات کا یقین نہیں کہ آیا بچی نے دودھ پیا ہے یا نہیں، تو کیا اب اس بچی کا نکاح مذکورہ عورت کے لڑکے سے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے یقینِ محکم کا ہونا ضروری ہے محض شک کی بناء پر حرمت ثابت نہ ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ بچی کا نکاح اس عورت کے کسی بھی بیٹے کے ساتھ نہ کیا جائے۔

قال الشیخ ابن الہمامؒ: بان ادخلت الحلمۃ فی فم الصغیر وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمۃ بالشك۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۴ کتاب الرضاع) [1]

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: اگر کوئی عورت کسی کے بچے کو دو سال کے بعد اپنا دودھ پلائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں ؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ پینا یا پلانا ضروری ہے جو بنصِ قرآن دو سال ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت کسی غیر کے بچے کو دو سال کے بعد دودھ پلائے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

قال النبیؐ علیہ السلام: لارضاع بعد حولین۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ

سوال: ایک لڑکے نے دو سال کی عمر سے پہلے اپنی دادی کا دودھ پیا تھا، اب وہ اپنے چچا کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ لڑکی اس کے لیے حلال

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لالم یحرم لان فی المانع شکًا۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۶ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال الحصکفیؒ:- فی وقت مخصوصٍ ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری...... ولم یصح الارضاع بعد مدتہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۳ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الرضاع۔

ہو گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی مذکورہ لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے، اور بھتیجی سے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں لہٰذا یہ لڑکا چچا کی بیٹی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله : ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی روینا ۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳ کتاب الرضاع) [1]

مدتِ رضاعت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مدتِ رضاعت کے اثبات کے لیے کتنا وقت مقرر ہے؟ یا یہ کہ جب بھی کوئی کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے جمہور علماء کے نزدیک دو سال کی مدت مقرر ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال مقرر ہے، لہٰذا اس مدت کے اندر اندر جب بھی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا جائے تو رضاعت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله :۔ مُدّة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفةؒ وقالا سنتان وهو قول الشافعیؒ ۔ (الهدایة ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اگر ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو اور اس عورت کی بیٹی نے کسی اور لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھانجی سے چاہے وہ حقیقی ہو یا رضاعی دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله :۔ ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع ۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله :۔ هو حولان ونصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه یفتی کما فی تصحیح القدوری ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع ۔

چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اِس لڑکے کی رضاعی بھانجی لگتی ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناه۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) [۱]

حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا حرمتِ رضاعت اسلام کے علاوہ دوسرے شرائع میں بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام دیگر منفردات کے علاوہ اس مسئلہ میں بھی منفرد مذہب ہے جس میں رضاعت کی وجہ سے بھی نسبی رشتہ جیسی حرمت بیان فرمائی گئی، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ حکم نہ تھا۔

قال الشیخ ابوزهرةؒ: انفردت الشریعة الاسلامیة من بین الشرائع السماویة القائمة الان یجعل الرضاع سبباً من اسباب التحریم۔
(الاحوال الشخصیة ص۸۳ التحریم بالرضاع)

اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم

سوال:۔ میرے بڑے بھائی اور ایک بہن نے اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی بھائی کا نکاح اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے کرنا چاہیں تو وہ شریعتِ مقدسہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح ماموں اور خالہ کی اولاد سے حرام ہے اور جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ نہ پیا ہو تو اس کا نکاح خالہ اور ماموں کی اس اولاد سے درست ہوگا جس نے نہ نانی کا دودھ پیا ہو اور نہ اس بھائی اور بہن کی والدہ کا دودھ پیا ہو۔

---

[۱] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

قال العلامة الحصكفیؒ: فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب الا ام اخیه واخته واخت ابنه وبنته وجدة ابنه وبنته وام عمه وعمته الخ

(الدر المختار علی هامش رد المختار ج۲ ص۴۳۹ کتاب النکاح۔ باب الرضاع) ۱؎

رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک لڑکے نے صغرسنی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب اُس کے والدین اُس عورت کی چھوٹی بہن سے اِس لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً اِن دونوں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قانونِ شریعت کی رُو سے جس عورت سے نکاح نسبی رشتے کے حوالے سے حرام ہے تو رضاعی رشتے کے حوالے سے بھی اس عورت سے نکاح جائز نہیں، صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی چونکہ اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے اس لیے نسبی خالہ کی طرح رضاعی خالہ سے بھی نکاح ناجائز و حرام ہے، لڑکے کے والدین کو چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو ترک کردیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔

(الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) ۲؎

۱؎ وفی الهندیة: وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتی ان امرأة الرجل حرام علی الرضیع وامرأة الرضیع حرام علی الرجل وعلی هذا القیاس الا فی المسئلتین احدهما ان لا یجوز للرجل ان یتزوج اخت ابنه من النسب و یجوز فی الرضاع۔ والمسئلة الثانیة لا یجوز لرجل ان یتزوج ام اُخته من النسب و یجوز فی الرضاع۔ الخ

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

۲؎ قال العلامة الحصکفیؒ: و یحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۰۵ باب الرضاع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

باب فی حرمت المصاہرت

(حُرمت مُصاہرت کے احکام ومسائل)

ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص کا اپنی بیوی کو جگاتے وقت بیوی کے بجائے ساس کو ہاتھ لگ گیا اور دل میں جماع کا خیال تھا لیکن شہوت نہیں تھی، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لمس (چھونا) ضروری ہے جو کہ شہوت سے ہو اور جس لمس (چھونے) میں شہوت نہ ہو اُس سے حُرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشھوۃ لان الاصل فی التقبیل الشھوۃ بخلاف اللمس۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[۱]

ساس کو شہوت سے دیکھنا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر فرج داخل کو شہوت کی نظر سے دیکھا ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی ورنہ مطلق نظر شہوت سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ والمنظور الیٰ فرجھا) قید بالفرج لأن ظاھر الذخیرۃ وغیرھا أنھم اتفقوا علیٰ أن النظر بشھوۃ إلیٰ سائر اعضائھا لاعبرۃ بہ ماعدا الفرج۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۳ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)[۲]

---

[۱] قال ابوالبرکات النسفیؒ: والزنا واللمس والنظر بشھوۃ یوجب حرمۃ المصاھرۃ۔ (کنزالدقائق علیٰ ھامش البحرالرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ــــ قال ابن نجیمؒ: وقید بکون اللمس عن غیر شھوۃ لم یوجب الحرمۃ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۰ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[۲] قال فی الھندیۃ: لاتثبت بالنظر الیٰ سائر الاعضاء لابشھوۃ ولا بمس سائر الاعضاء لاعن شھوۃ بلاخلاف۔ کذا فی البدائع والمعتبر النظر الیٰ الفرج الداخل، ھکذا فی الھدایۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم

سوال:۔ اپنی ساس سے زنا کا ارتکاب کرنے والے شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی حلال رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ مس یا تقبیل کرے تو اس سے اُس عورت کی بیٹی ہمیشہ کے لیے زنا کے مرتکب داماد پر حرام ہو جاتی ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علیٰ أصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمۃ أصولھا وفروعھا علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ کما فی الوطئ الحلال۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات)[1]

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو اس عمل سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا حلال رہے گی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص نے بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو اور درمیان میں کوئی ایسی چیز بھی حائل نہ ہو جو بیٹی کے بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہو اور نہ بیٹی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو کر لڑکی کی ماں اس شخص پر حرام ہو جائے گی، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو پھر حُرمت ثابت نہیں۔

قال فی الھندیۃ: فلو أیقظ زوجتہ لیجامعھا فوصلت یدہ إلیٰ بنتہ منھا فقرصھا بشھوۃ وھی ممن تشتھی یظن أنھا أمھا حرمت علیہ الأم حرمۃ مؤبدۃ کذا فی فتح القدیر..... ثمّ لا فرق فی ثبوت الحرمۃ بین کونہ عامدًا أو ناسیًا..... ثمّ المس إنّما یوجب حرمۃ المصاھرۃ إذا لم یکن بینھما ثوب أما إذا کان بینھما ثوب فإن کان رقیقا بحیث تصل حرارۃ الممسوس الی یدہ تثبت کذا فی الذخیرۃ..... والفتوٰی

---

[1] وفی الھندیۃ: فمن زنی بإمرأۃ حرمت علیہ أمھا وإن علت وإبنتھا وإن سفلت۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات۔
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۳۲ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات۔

علیٰ أن بنت تسع محل الشہوة لا ما دونہا۔ کذا فی معراج الدرایة ۔ انتہیٰ
(الفتاوی الہندیة ج ۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات) [1]

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے زنا سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات چار گروہ میں کیا ہے جن میں صورتِ مسئولہ شامل نہیں ہے اس لیے زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے ۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : وأراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة أصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا کما فی الوطء الحلال ویحل لأصول الزانی وفروعه أصول المزنی بها وفروعها ۔
(البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [2]

نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی نابالغ لڑکا کسی بالغہ عورت سے زنا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشهوة بین عمدٍ ونسیان وخطاءٍ وإکراه فلو ایقظ زوجته أو أیقظته هی لجماعها فمست یده بنتها المشتهاة أو یدها إبنه حرمت الأم أبدًا ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۔

[2] قال ابن عابدینؒ : (تحت قوله حرم ایضًا بالصهریة اصل مزنیته) ....ومثله ما قدمناه قریبًا عن القهستانی عن النظم وغیره ۔ قوله ویحل الخ ای کما یحل ذلك بالوطء الحلال وتقییده بالحرمات الاربع مخرج لما عداها وتقدم آنفا الکلام علیه ۔ (رد المحتار ج ۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)
وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات ۔

کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا سے حرمتِ مصاہرت کے لیے لڑکے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے یا کم از کم دونوں کا مراہق ہونا شرط ہے، اس لیے وہ نابالغ لڑکا جو مراہق نہیں کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وكذا تشترط الشهوة في الذكر حتى لو جامع أربع سنين زوجة أبيه لا تثبت الحرمة. وفي الذخيرة خلافه وظاهر الأول أنه يعتبر فيه السن المذكور لها وهو تسع سنين۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۹۹)

وقال ایضاً: المراهق كالبالغ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۰ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۱]

بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ ایک لڑکے نے نکاح کیا لیکن وہ جماع کرنے پر قادر نہیں، اب اگر لڑکے کا باپ اُس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں جب کوئی عورت ایک مرتبہ کسی شخص کے نکاح میں آجائے تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس شخص کے باپ پر حرام ہوجاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کرسکتا۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ (سورۃ النساء ۲۳) [۲]

سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہوجاتی ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے زنا کرائے تو کیا یہ عورت اب اپنے شوہر کے لیے حلال ہے یا حرام؟

---

[۱] قال ابن عابدین: (تحت قول كبالغ)...... وفي الفتح لو مس المراهق وأقر أنه بشهوة ثبتت الحرمة۔ (رد المحتار ج ۳ ص۳۷ کتاب النکاح، فصل في المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۷۵ الباب الثالث في المحرمات۔

[۲] وفي الهندية: وحليلة الابن وابن الابن وابن البنت وإن سفلوا دخل بها الابن أم لا۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۷۴ القسم الثاني في المحرمات بالصهرية)

وَمِثْلُهٗ في الهداية ج ۲ ص۲۸۸ كتاب النكاح۔

الجواب: جب کوئی عورت اپنے یا شوہر کے بالغ یا مراہق بیٹے سے جماع کرائے تو اس زنا کی وجہ سے اب یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاهرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرءۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولہا وفروعہا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) لہ

نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: ایک عورت نے شدتِ شہوت کی وجہ سے ایک نابالغ لڑکے سے زنا کرایا، اب یہ عورت اس لڑکے کو اپنی بیٹی نکاح میں دینا چاہتی ہے، کیا ان دونوں کا نکاح جائز ہے؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں وہ زنا قابلِ اعتبار ہے جس میں دونوں افراد بالغ یا مراہق ہوں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکا مراہق بھی نہیں ہے لہٰذا حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں اس لیے دونوں لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو جامع غیر مراهق زوجۃ ابیہ لم تحرم۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) ۲ـہ

فرج داخل کو دیکھنا موجب حرمتِ مصاہرت ہے

سوال: کتب فقہ میں مذکور ہے کہ شہوۃ کی نظر سے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے، جبکہ آجکل تو بازاروں میں اکثر اوباش قسم کے لڑکے

لہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والمحرمین واراد بحرمۃ المصاهرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولہا وفروعہا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

۲ـہ وفی الھندیۃ: وکذا تشترط الشھوۃ فی الذکر حتی لو جامع ابن اربع سنین زوجۃ ابیہ لا تثبت بہ حرمۃ المصاھرۃ کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوٰی الھندیہ ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔

لڑکیوں کو شہوت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: مطلقاً شہوت کی نظر سے دیکھنا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں بلکہ کسی عورت کے داخلِ فرج کو بنظرِ شہوت دیکھنا سببِ حرمت ہے باقی دیگر اعضاء کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والمنظور الی فرجها الداخل۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المختار ج۲ ص۳۸۶ باب المحرمات) [1]

کم سن بچی کو شہوت کیساتھ چھونا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: اگر کسی مرد نے ۸/۷ سال سے کم عمر کی بچی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لڑکی کا مشتہات ہونا ضروری ہے چونکہ ۸/۷ سال کی بچی مشتہات نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبنت سنها دون تسع لیست بمشتهاة۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المختار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وفی الهندیة: والمعتبر النظر الی الفرج الداخل هٰکذا فی الهدایة وعلیه الفتوٰی هٰکذا فی الظهیریة۔ الخ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۷۹ کتاب النکاح۔

[2] وفی الهندیة: الفتوٰی علیٰ بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها۔ کذا فی معراج الدرایة۔ قال الفقیه ابو اللیثؒ: ما دون تسع سنین لا تکون مشتهاة وعلیه الفتوٰی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات الصهریة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔ کتاب النکاح۔

ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقائی جرگہ کے سامنے ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب وہ اس بات سے منکر ہے، تو کیا اس عورت کی بیٹی اس شخص کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد اب اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں، اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے جرگہ اس کے انکار کی تصدیق نہ کرے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فی الخلاصۃ قیل لہٗ ما فعلت بام امرأتک فقال جامعتُھا تثبت الحرمۃ ولا یصدق انہ کذب ولو ھازلا۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ ولا یصدق انہ کذب الخ) ای عند القاضی اما بینہ وبین اللہ تعالیٰ وان کان کاذبًا فیما اقر لم تثبت الحرمۃ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۹ فصل فی المحرمات) [1]

مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ یہاں لندن میں ایک مسلمان مرد کے ایک کافرہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اب وہ شخص توبہ کرکے اُس عورت کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا یا اُس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے، عورت چاہے مسلمان ہو یا کافرہ اِس حرمت کی وجہ سے ممسوسہ کے اصول وفروع چھونے والے پر حرام ہوجاتے ہیں، اِس لیے صورتِ مسئولہ میں مسلمان مرد کا نکاح اس ممسوسہ کافرہ کی مسلمان بیٹی سے جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو لشعر علی الرأس ..... وفروعھن مطلقاً۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۵ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قیل لرجل ما فعلت بأم امرأتک قال جامعتُھا تثبت الحرمۃ ولا یصدق انہ کذب وان کان ھازلین والاصرار لیس بشرط فی الاقرار لحرمۃ المصاھرۃ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

[2] وفی الھندیۃ: فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ اُمھا وان علت وابنتھا وان سفلت وکذا تحرم المزنی بھا علیٰ اباء الزانی واجداده وان علو وابنائہ وان سفلوا کذا فی فتح القدیر..... کما تثبت ھٰذه الحرمۃ بالوطء تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کذا فی الذخیرۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ) وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۸۹ کتاب النکاح۔

ساس کے پستانوں کو پکڑنے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر داماد ساس کے پستانوں کو ہاتھوں سے پکڑ لے تو اس پر بیوی حرام ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر داماد نے بنظرِ شہوت ساس کے پستانوں کو بلاحائل ہاتھ لگایا یا حائل تھا مگر بہت باریک تھا جس کے ہوتے ہوئے بھی لذّت حاصل ہو سکتی تھی تو اس شخص پر بیوی حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وحرم اصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو لشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ...... وفروعھن مطلقاً والعبرۃ للشھوۃ عند المس ۔ قال ابن عابدینؒ: تحت (قولہ بشھوۃ) ای ولو من احدھما (قولہ بحائل) ای لو بحائل..... فلوکان مانعاً لا تثبت الحرمۃ ۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۳۸۵ فصل فی المحرمات) ؎۱

حُرمتِ مصاہرت کے اثبات کیلئے گواہوں کی تعداد

سوال: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے کتنے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ جس کی وجہ سے بوقتِ انکار دعویٰ ثابت کیا جا سکے؟

الجواب: زنا کے علاوہ دیگر حقوق اور دعاوی کے اثبات کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے، لہٰذا حرمتِ مصاہرت بھی مذکورہ گواہوں کی گواہی سے ثابت کی جا سکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالاً او غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ... الخ ۔ رجلان أو رجل وامرتان ۔ (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۴ ص۵۱۴ کتاب الشہادۃ) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: فما علی الرأس کالبدن بخلاف المسترسل وانصرف اللمس الی أی موضع من البدن بغیر حائل واما اذا کان بحائل فان وصلت حرارۃ البدن الی یدہٖ تثبت الحرمۃ والا فلا۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۰ فصل فی المحرمات)

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولغیرھا رجلان اورجل وامرأتان للآیۃ اطلقہ فشمل المال وغیرہ کالنکاح والطلاق والوکالۃ والوصیّۃ والنسب۔ (البحرالرائق ج۷ ص۶۲ کتاب الشھادۃ)

مزنیہ کی بیٹی کا نکاح زانی کے بیٹے سے جائز ہے

سوال:۔ ایک شخص اپنے ناجائز تعلقات والی عورت کی بیٹی کے ساتھ اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے جبکہ مزنیہ کی یہ بیٹی اپنے شوہر سے ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت میں جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں، یہ حکم دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا، صورتِ مرقومہ میں چونکہ زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کے درمیان حرمت کا کوئی رشتہ نہیں اس لیے اِن دونوں کا نکاح زانی اور مزنیہ کے ناجائز تعلقات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوگا۔

وفی الهندية: لا بأس بان يتزوّج الرّجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها اوامها كذا في محيط السرخسی۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۷ القسم الثانی فی المحرمات بالصهرية) [1]

مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے نکاح کرنا جائز نہیں

سوال:۔ کیا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی سے زانی کا نکاح کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زنا چونکہ حرمتِ مصاہرت کا سبب ہے اور اس کی وجہ سے جانبین پر ایک دوسرے کے اصول وفروع حرام ہو جاتے ہیں چاہے وہ نسبی ہوں یا رضاعی! اسلئے زانی کا مزنیہ کی رضاعی بیٹی یا نواسی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

قال الحصکفیؒ: حرمت المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمت اصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ (الدر المختار علی ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال المرغينانیؒ: ويجوز ان يتزوج الرجل باخت اخيه من الرضاع لانه يجوز ان يتزوج باخت اخيه من النسب۔ (الهداية ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) ومثله فی

[2] قال العلامة ابوالبرکات النسفی رحمه الله: حرم تزوّج أمّه وبنته وان بعدتا وأخته وبنتها وبنت اخيه وعمّته وخالته وام امرأته وبنتها ان دخل بها وامرأة ابيه وابنه وان بعدا والكل رضاعًا۔
(کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات)
ومثله فی الهندية ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

مزنیہ کی پوتی سے زانی کا نکاح جائز نہیں

سوال:۔ ایک شخص کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جس میں لمس وتقبیل کے علاوہ زنا کا ارتکاب بھی ہوچکا ہے، اب یہ شخص اس عورت کی پوتی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ لمس وتقبیل اور زنا کے ارتکاب سے مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر اور زانی کے اصول وفروع مزنیہ پر حرام ہوجاتے ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مزنیہ کی پوتی زانی کے لیے حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمت اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [۱]

منکوحہ کی ربیبہ بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے منکوحہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کی بیٹی (جو کہ اُسکے پہلے شوہر سے ہے) کے ساتھ زنا کیا، تو کیا اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوجائیگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شوہر کا اپنی منکوحہ کی ربیبہ بیٹی سے زنا کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے اس لیے اس شخص پر اُس کی بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع حرمت المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمت اصولھا وفروعھا علی الزانی نسباً ورضاعاً۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) [۲]

---

[۱] وفی الھندیۃ: فمن زنا بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت الخ
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)
ومثلہٗ فی کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

[۲] وفی الھندیۃ: فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت۔ الخ
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)
ومثلہٗ فی کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۹۲ فصل فی المحرمات۔

منکوحہ غیر مدخول بہا کی بیٹی کے ساتھ نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی تک دخول نہیں ہوا ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ اس عورت کی بیٹی جو کہ اسکے پہلے شوہر سے ہے کے ساتھ نکاح کرلے، تو کیا یہ جائز ہے ؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں منکوحہ عورت کی بیٹی اگرچہ محرمات میں داخل ہے مگر اس کی حرمت بشرط دخول کے ساتھ معلق ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دخول نہیں ہوا ہے اس لیے یہ شخص اس عورت کو طلاق دینے اور عدت گذر جانے کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی ان دخلتم بھن۔ (النساء ۲۳)[1]

بیٹے کی منکوحہ غیر مدخول بہا سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کی ایک جگہ منگنی کی جس میں باقاعدہ طور پر نکاح بھی باندھا گیا، ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ وہ ایک حادثے میں انتقال کرگیا، اب اگر اس لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ نہیں ؟

الجواب:۔ جب گواہان شرعی کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب وقبول بصورتِ نکاح صحیح ہوجائے تو یہ لڑکی اب شخص مذکور کے بیٹے کی منکوحہ ہے باپ کا اس کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے چاہے بیٹے نے دخول کیا ہو یا نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال المرغینانیؒ: ولا بامرأة ابنہ وبنی اولادہ ـــ لقولہ تعالیٰ، وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۸۸ فصل فی بیان المحرمات) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: وحرم بالمصاھرۃ بنت زوجۃ الموطوئۃ وام زوجتہ وجداتھا مطلقاً بمجرد العقد الصحیح۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۳۸۲ فصل فی المحرمات)۔ ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۸۶ فصل فی بیان المحرمات ــ

[2] قال ابن نجیمؒ: اما حلیلۃ الابن فبقولہ تعالیٰ: وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ فاعتبرت الحلیلۃ من حلول الفراش وحل الازار تنا ولت الموطوأۃ بملک الیمین اوشبھۃ اوزنی فیحرم الکل علی الاباء..... والفرض انھا بمجرد العقد تحرم علی الاباء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۴ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی ھامش ردالمحتار ج۲ ص۲۶۸ فصل فی المحرمات۔

خُسر پر فقط دعویٰ زنا سے بیٹے پر اسکی بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ میرے ساتھ میرے خُسر نے زنا کیا ہے جبکہ خُسر اس سے انکاری ہو تو کیا یہ عورت اس کے بیٹے کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں عورت کا دعویٰ بغیر شہادتِ معتبرہ یا خُسر کے اقرار کے ثابت نہ ہوگا اور نہ صرف دعویٰ کرنے سے میاں بیوی کے درمیان حرمت ثابت ہوگی جب تک کہ شوہر اس امر کو قبول نہ کرے، بغیر تسلیم الزوج اقرار کی صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں، تاہم واقعتاً عورت کے ساتھ ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو کسی مناسب طریقے سے جدائی اختیار کی جاسکتی ہے۔

وفی الہندیۃ: رجل تزوج امرأۃ علی انہا عذراء فلما اراد وقاعہا وجدہا قد افتضت فقال لہا من افتضک فقالت ابوک ان صدقہا الزوج بانت منہ ولامہر لہا وان کذبہا فھی امرأتہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۷۶ القسم الثانی المحرمات بالصھریۃ)

مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہوجاتے ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک مطلقہ سے عدتِ طلاق ختم ہونے سے پہلے ہی نکاح کر لیتا ہے، پھر اپنی فاسد منکوحہ سے جماع کے کچھ عرصہ بعد اپنی ساس سے زنا کا مرتکب ہوجاتا ہے، مطلقہ منکوحہ سے زید کے بچے بھی ہیں اور اب بھی اس کا زید سے حمل ہے، تو دونوں کے نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا دوبارہ کسی طریقہ سے وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زید اور موصوفہ کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، کوئی حیلہ یا طریقہ اس نکاح کے جواز کا نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وحرم بالصھریۃ اصل مزنیتہ واصل ممسوسۃ بشھوۃ واصل ماستہ وناظرۃ الی ذکرہ ـــ الی قولہ وفروعھن مطلقاً۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۳۰۲،۳۰۳ فصل فی المحرمات) [۱]

---

[۱] قال العلامۃ المرغینانیؒ: ومن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا..... فیصیر اصولھا وفروعھا کاصولہ وفروعہ الخ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بیان المحرمات)

وَ مِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ فصل فی المحرمات۔

خون دینے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم | **سوال:-** اگر خاوند اور بیوی کے خون کا گروپ ایک ہو تو خاوند کا خون بیوی کو چڑھانے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- خاوند کا بیوی کو خون دینے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی جیسے کوئی شخص کسی عورت کا دودھ پی لے تو باوجود اس فعل کے حرام ہونے کے ان کے درمیان حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی حالانکہ وہ دودھ جزوِ بدن بنے گا۔

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا | **سوال:-** اگر زید اپنی بیوی کی بہن سے زبردستی زنا کرے تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سالی سے زبردستی زنا کرنے پر زید کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی، البتہ سخت گنہگار ہوگا۔

قال العلامة طاهر بن عبدالرشيد البخاريؒ: وفی الفتاوی النسفی رجلٌ وطئ اُخت امرأته لاتحرم عليه امرأته اھ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۔ کتاب النکاح الفصل الثانی فيمن يکون محلاً للنکاح وفيما لا يکون) [1]

---

[1] قال العلامة علاؤالدين الحصکفیؒ: وفی الخلاصة وطئ اخت امرأته لاتحرم عليه امرأته۔ قال ابن عابدينؒ (قوله فی الخلاصة) هذا محترز التقييد بالاصول والفروع وقوله لاتحرم ای لاتثبت حرمة المصاهرة فالمعنیٰ لا تحرم حرمة مؤبدة والا فتحرم الی انقضاء عدة الموطوءة لوبشبهة۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۴ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی دارالعلوم ديوبند ج۷ ص۳۴۴ کتاب النکاح۔ فصل فی حرمت مصاهرة۔

باب الحضانۃ

(چھوٹے بچوں کی پرورش کے مسائل)

چھوٹے بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

سوال: ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اس کے چھوٹے بچوں پر دادا اور دادی نے قبضہ کیا ہوا ہے جو بچوں کو والدہ کے پاس جانے نہیں دیتے، ایسی حالت میں تربیت کا حق ماں کو حاصل ہے یا دادا دادی کو؟

الجواب: از روئے شرع مرقومہ صورت میں بچوں کی تربیت کا حق والدہ کو حاصل ہے خواہ والدہ نکاح میں ہو یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو گئی ہو، صورتِ مذکورہ میں جب بچوں کی والدہ اُنکی تربیت کے لیے بیتاب ہے تو باپ کے ورثاء کا بچوں کو اپنے پاس رکھ کر والدہ کے پاس نہ چھوڑنا ظلم و زیادتی کے مترادف ہے۔

لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ: تثبت للأمّ ولو بعد الفرقۃ الا ان تکون مُرتدّۃ۔

(تنویر الابصار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۸۷ باب الحضانۃ) [1]

والدہ کے بعد تربیت کا حق نانی کو ہے

سوال: ایک عورت کی وفات کے بعد اس کی چھوٹی بچی کی تربیت و پرورش کے بارے میں نانی اور دادی کے مابین تنازع پیدا ہو گیا ہے، ہر ایک بچی کی تربیت کرنے کا دعویدار ہے، ایسی حالت میں از روئے شرع کس کو تربیت کا حق پہنچتا ہے؟

الجواب: از روئے شرع بچی کی پرورش کا حق ماں کے بعد اس کی نانی کو حاصل ہے، بالغہ ہونے تک بچی نانی کے پاس رہے گی، بالغہ ہونے کے بعد اس کی مرضی ہے کہ چاہے تو باپ کے گھر رہے یا نانی کے گھر، بشرطیکہ نانی کے گھر میں اس وقت اسکی عصمت

---

[1] وقال فی الھندیۃ:۔ احق الناس بحضانۃ الصغیر حال قیام النکاح او بعد الفرقۃ الأمّ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۶۷ باب الحضانۃ)

کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

لما قال فی الهندیة : وان لم یکن له اُم تستحق الحضانة بان کانت غیر اهل للحضانة او متزوجة بغیر محرم او ماتت فاُم الاُم اولیٰ من کل واحدة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة) ۱

والد کی بجائے نانی پرورش کی زیادہ حقدار ہے

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاقِ ثلاثہ دے دی، مطلقہ کے بطن سے ایک بچی ہے جو طلاق کے بعد اس کے پاس رہی اور باپ اس بچی کا خرچہ دیتا رہا، کچھ عرصہ بعد مطلقہ مذکورہ نے نکاح ثانی کر لیا، اب نانی کہتی ہے کہ بچی کی پرورش کا مجھے حق ہے جبکہ باپ کہتا ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی۔ از روئے شرع بچی کی پرورش کا کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق مطلقہ کا نکاح ثانی کر لینے سے اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لیکن والد کی بجائے بچی کی تربیت کی نانی زیادہ حق دار ہے تاہم بچی کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ ہوں گے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ : ثم ای بعد الاُمّ اُم الاُمّ۔

(تنویر الابصار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۹۲ باب الحضانة) ۲

لڑکی کے حقِ پرورش کی مُدّت

سوال :۔ اگر ایک بچی کی تربیت اس کی والدہ کے ذمہ ہو تو والدہ کو کتنی مُدت تک یہ حق حاصل ہے؟ کیا والد کو بچی اپنے ساتھ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

---

۱ وقال العلامة الحصکفیؒ : (ثم) ای بعد الاُمّ بان ماتت او لم تقبل او سقطت حقها او تزوجت باجنبی (اُمّ الاُمّ)۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۹۲ باب الحضانة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۶۷ باب الحضانة

۲ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : ثمّ اُم الام ای بعد الام۔

(البحر الرائق ج ۴ ص۱۶۷ باب الحضانة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة۔

الجواب:۔ بچی کے بالغ ہونے تک والدہ اُسے اپنے پاس رکھ سکتی ہے اور اس دوران اس کو بچی کی تربیت کا حق حاصل ہے، جب تک حقِ تربیت کے اسقاط کے اسباب موجود نہ ہوں تو والد اس بچی کو والدہ سے نہیں لے جا سکتا، البتہ بالغ ہونے کے بعد بچی اپنی مرضی سے والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے رہ سکتی ہے۔

لما ذکر علاؤ الدین الحصکفیؒ: والأم والجدة احق بها حتی تحیض وغیرها احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع وبه یفتی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۹۵ باب الحضانۃ) [1]

بیوہ کا نکاحِ ثانی کرنے سے شیر خوار بچی کی تربیت کا مسئلہ

سوال:۔ ایک بیوہ عورت نے جب نکاحِ ثانی کیا تو اس کی گود میں چار ماہ کی شیر خوار بچی بھی تھی، نکاح کے وقت طرفین میں سے کسی نے بھی بچی کی تربیت کے استحقاق کا مسئلہ نہیں چھیڑا تھا، اب جبکہ بچی سات سال کی ہو گئی ہے تو اس کے عصبہ (ورثاء) واپسی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بچی کو عصبہ واپس لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ بچی کا سوتیلا باپ اس کی تربیت اور اخراجات کے تکفل کے لیے تیار ہے؟

الجواب:۔ جب خاوند ربیبہ کے اخراجات اور تربیت کی تبرعاً ذمہ داری قبول کرتا ہو تو ظاہر ہے کہ ماں کے پاس رہنے سے بچی کو جو سکون و اطمینان حاصل ہوگا وہ عصبہ (یعنی ورثاء) کے پاس ممکن نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ بچی والدہ کے پاس رہے اور ورثاء کے پاس نہ جائے۔

قال الحصکفیؒ: وفی الحاوی تزوجت باجنبی وطلبت تربیته بنفقته والتزمه ابن عمه مجاناً ولا حاضنة له فله ذلك۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۹۰ باب الحضانۃ) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وقدره ابو اللیث بتسع سنین وعلیه الفتوی۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۷۰ باب الحضانۃ)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۴۲ الباب السادس عشر فی الحضانة۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: والصحیح انه یقال للوالدة اما ان تمسکی الولد بغیر اجر واما ان تدفعیه الی العمة۔ (البحر الرائق ج۴ ص۲۰۴ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۴۳ الباب السادس عشر فی الحضانة۔

بیوہ کا کسی غیر محرم سے نکاح کرنے سے حق تربیت کا ساقط ہونا

سوال:۔ ایک بیوہ نے عدّت گذارنے کے بعد کسی ایسے شخص سے نکاح کر لیا جو اس کے سابقہ خاوند کی بچی کا رشتہ دار نہیں بلکہ اجنبی ہے اور وہ بیوہ کی بچی کو اپنے پاس رکھنے اور تربیت کرنے پر کبیدۂ خاطر بھی ہے لیکن عورت استحقاقِ تربیت کا دعویٰ کر کے اس پر مُصر ہے کہ بچی میرے پاس رہے گی، کیا یہ عورت بچی کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بچی کے غیر محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے والدہ کا حقِ حضانت ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں حقِ حضانت بچی کی نانی کو حاصل ہے۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: یسقط حقها بنكاح غیر محرمه۔

(تنویر الابصار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۹۴ باب الحضانة) لہ

اخلاقی حالت اور کردار متاثر ہونے کی صورت میں والدہ کا حقِ تربیت ساقط ہو جاتا ہے

سوال:۔ ایک بچی ماں کی گود میں پل رہی ہے، اگرچہ شرعًا اور عرفًا والدہ کو تربیت کا حق زیادہ حاصل ہے اور والدہ اپنی بچی کی جو تربیت کر سکتی ہے وہ کسی دُوسرے کے ہاں مشکل ہے لیکن اسکے باوجود والدہ کی اخلاقی حالت اور کردار مخدوش ہے اب اگر بچی کو والدہ کے پاس رہنے دیا جائے تو ڈر ہے کہ وہ والدہ کی تربیت سے متاثر ہو کر بے راہروی کا شکار نہ ہو جائے، تو کیا اس حالت میں والدہ کا حقِ تربیت ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازرُوئے شرع بچی کی دینی تربیت اور کردار کے تحفظ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن جب والدہ کے فسق وفجور کی وجہ سے بچی کے بے دین اور بے راہروی کا شکار ہونے کا خدشہ ہو اور اخلاقی تربیت کے تحفظ کے سقوط کا قوی احتمال ہو تو اصحابِ تربیت کو چاہیئے کہ جہاں کہیں اسکی زندگی، اخلاق اور عصمت وعفت کے تحفظ کی ضمانت پائی جاتی ہو وہاں اس کی تربیت کا انتظام کریں۔

لما قال التمرتاشیؒ: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الّا ان تكون مرتدة اوفاجرة اوغیر مأمونة۔ (تنویر الابصار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۸۶ باب الحضانة) ؎ ۲

لہ وقال الشیخ ابی البرکات عبد الله بن احمد النسفیؒ: ومن نكحت غیر محرم سقط حقها۔ (كنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج ۴ ص۱۶۸ باب الحضانة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۴ ص۱۸۵ باب الولد من احق به۔

؎ ۲ وفی الهندیة: احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النكاح او بعد الفرقة الأم الا ان تكون مرتدة او فاجرة غیر مأمونة۔ (الفتاوی الهندیه ج ۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانة) ـــــ وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۶۸ باب الحضانة۔

ولدالزنا کی حضانت (پرورش) کس کے ذمّہ ہے

سوال:۔ جو بچہ ناجائز حمل سے پیدا ہوا اس کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ زانی یا مزنیہ (بچے کی ماں)؟

الجواب:۔ جس بچے کا باپ معلوم نہ ہو اس کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے، لہٰذا اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی ماں پر ہی ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللّٰہ : الحضانة تثبت للأمّ النسبية ۔

(الدرّ المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۸ باب الحضانۃ) [1]

عورت کو بچہ دارالحرب لے جانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص یہاں سے جاپان چلا گیا اور وہاں اس نے ایک عورت سے شادی کر لی، کئی سال کے بعد واپس پاکستان آگیا اور یہیں رہنے لگا اور کچھ عرصہ بعد گھریلو ناچاکی کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچ گئی اور اس نے بیوی کو طلاق دے دی، اس شخص کا اُس عورت سے ایک چھوٹا سا بچہ بھی ہے جسے اب وہ عورت اپنے ساتھ جاپان لے جانا چاہتی ہے جبکہ یہ شخص بچے کو اُس کے ساتھ جاپان نہیں دیتا، تو کیا اس عورت کو بچہ لے جانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضانت میں یہ ضروری ہے کہ بچہ زوجین میں سے کسی ایک کے گھر میں پرورش پائے مگر دارالحرب اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ عورت اس بچے کو شرعاً اپنے ساتھ جاپان نہیں لے جاسکتی بلکہ بچے کی تربیت پاکستان میں رہ کر ہی کرے گی۔

لما فی الھندیة : لیس للمرأة ان تنقل ولدہ الی دار الحرب وان کان تزوّجھا ھناك وکانت حربیة بعد ان یکون زوجھا مسلما او ذمیا ۔

(الفتاوی الھندیة ج۱ ص۵۴۵ الباب السادس عشر فی الحضانة)

---

[1] قال العلامة برھان الدین المرغینانی رحمہ اللّٰہ : اذا وقعت الفرقة بین الزّوجین فالأمّ احق بالولد ۔

(الھدایة ج ۲ ص۴۱۳ باب حضانة الولد ومن احقّ بہ)

ومثلہٗ فی فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۱۱ ص۹۱ باب الحضانة ۔

باب الولیمة

(ولیمہ کے مسائل واحکام)

ولیمہ کی شرعی حیثیت

سوال: جناب مفتی صاحب! شریعتِ مقدسہ میں ولیمہ کی حیثیت واجب کی ہے یا سنت کی؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کرنا سنت ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول وفعل اس پر دال ہے تاہم واجب نہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

فخرج إلى السوق فباع واشترى فاصاب شيئًا من أقط وسمن فتزوج فقال النبي صلى الله عليه وسلم أولم ولو بشاة۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۷۷ باب من اولم على بعض نسائه)

وعن انسؓ وعنه قال ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على أحد من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة۔ (مشكوة ج۲ ص۲۷۸ باب الوليمة)[1]

دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت

سوال: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟ شادی کے بعد یا پہلے؟

الجواب: دعوتِ ولیمہ کا مسنون وقت دُلہن کو گھر لانے کے بعد کا ہے، خلوتِ صحیحہ اور دخول کے بعد دعوت کھلانا مسنون ولیمہ ہے، تاہم دُلہن کو گھر لانے سے قبل کھلایا جانے والا طعام مسنون ولیمہ نہیں بلکہ عام دعوت کی حیثیت رکھتا ہے، جیسے قربانی کے جانور کو قربانی کے وقت سے پہلے ذبح کیا جائے تو قربانی نہیں ہوگی تاہم اس کا کھانا جائز ہے۔

قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة وهي إذا بنى الرجل بامرأته ينبغي أن يدعوا الجيران والأقرباء والأصدقاء ويذبح

---

[1] قال في الهندية: ووليمة العرس سنة وفيها مثوبة عظيمة۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۴۳ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات)
ومثله في اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۰ باب استحباب الوليمة۔

لهم وليصنع لهم طعاماً ۔ (الفتاویٰ الهنديہ ج۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات) [1]

دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کے ارتکاب کی وجہ سے شرکت نہ کرنا

سوال:۔ جس دعوتِ ولیمہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جارہا ہو اُس میں شرکت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس دعوتِ ولیمہ وغیرہ میں غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جارہا ہو اور یہ بات پہلے سے معلوم ہو تو اس میں شرکت جائز نہیں اور اگر چلے جانے کے بعد معلوم ہوا تو اگر دسترخوان کے پاس نہ ہو عالم اور مقتدا ہونے کی صورت میں واپس آجائے اور اگر عوام الناس میں سے ہے تو ٹھہر جانے میں بھی گنجائش ہے، اور اگر غیر شرعی امور کا ارتکاب دسترخوان کے قریب ہو رہا ہو تو پھر واپس ہوجانا ضروری ہے چاہے عوام الناس میں سے کیوں نہ ہو۔

قال المرغينانیؒ: ومن دعی الی وليمة او طعام فوجد ثمه لعبًا او غناء فلا بأس بأن يقعد ويأكل ۔ قال ابوحنيفةؒ ابتليت بهذا مرة فصبرت وهذا لأن اجابة الدعوة سنة۔ قال عليه السلام من لم يجب الدعوة فقد عصى ابا القاسم فلا يتركها لما اقترنت به من البدعة من غيره كصلوٰة الجنازة واجبة الإقامة وإن حضرتها نياحة فان قدر على المنع منعهم وان لم يقدر يصبر وهذا إذا لم يكن مقتدى فان كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد لأن فی ذلك شين الدين وفتح باب المعصية على المسلمين والمحكی عن ابی حنيفةؒ فی الكتاب كان قبل أن يصير مقتدى ولو كان ذلك على المائدة لا ينبغی أن يقعد وإن لم يكن مقتدى لقوله تعالیٰ: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ هذا كله بعد الحضور، ولو علم قبل الحضور لا يحضر لأنه لم يلزمه حق الدعوة بخلاف ما إذا هجم عليه لأنه قد لزمه ۔ (الهداية ج۴ ص۴۵۵ كتاب الكراهية) [2]

---

[1] عن انس رضی الله عنه قال اصبح النبیؐ صلی الله عليه وسلم بها بزينب ابنة جحشؓ عروسًا فدعا القوم فاصابوا من الطعام ثم خرجوا وبقی رهط ۔ (الصحيح البخاری ج۲ ص۷۷۶) ۔ وقال الشيخ العثمانیؒ: نقلاً عن فتح الباری وحديث انس فی هذا الباب صريح انها ای الوليمة بعد الدخول لقوله فيه اصبح عروسًا بزينبؓ فدعا القوم ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۱)

[2] قال الطوریؒ: وان كان ذلك على المائدة فلا يقعد وان كان هناك لعب وغناء قبل ان يحضر فلا يحضر لانه لا يلزمه الاجابة اذا كان هناك منكر لما روی عن علیؓ قال صنعت للنبی صلی الله عليه وسلم طعامًا فدعوته له فحضر فرأی فی البيت تصاوير فرجع ۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۸ كتاب الكراهية)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۲۸ كتاب الاستحسان ۔

لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا ولیمہ شمار نہیں ہوگا

سوال:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو جو کھانا کھلایا جاتا ہے کیا وہ ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ لڑکی والوں کی طرف سے رخصتی سے پہلے مہمانوں (برات) کو کھانا کھلانا ولیمہ میں داخل نہیں، ولیمہ اس طعام کو کہتے ہیں جو شادی کے بعد خاوند کی طرف سے کھلایا جاتا ہے۔

قال فی الھندیۃ: وولیمۃ العرس سنۃ وفیہا مثوبۃ عظیمۃ وھی اذا بنی الرجل بامرأتہ أن یدعوا الجیران والاقرباء والاصدقاء ویذبح لھم ویصنع لھم طعاماً۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات) [1]

ولیمہ کئی دن تک کرنا جائز ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ولیمہ صرف ایک دن ہی ہونا چاہیئے یا ایک دن سے زیادہ بھی کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ولیمہ اُس دعوت کو کہا جاتا ہے جو شادی کے بعد دی جاتی ہے، شریعت نے اس کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ اس دعوت کو شادی کرنے والے کی استطاعت پر چھوڑا گیا ہے، اگر وہ ایک دن سے زیادہ یہ دعوت کرنا چاہتا ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

لما فی الحدیث: عن انس رضی اللہ عنہ قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃؓ وجعل عتقہا صداقہا وجعل الولیمۃ ثلاثۃ ایام۔

(اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۳ باب جواز الولیمۃ الی ایام ان لم یکن فخراً) [2]

---

[1] عن انس رضی اللہ عنہ: قال ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولم علی احد من نساءہ ما أولم علی زینب أولم بشاۃ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۲۷۸ باب الولیمۃ۔

وَمِثْلُہٗ فی اعلاء السنن ج۱ ص۱ باب استحباب الولیمۃ۔

[2] عن حفصۃ بنت سیرین قالت لما تزوج ابی دعا الصحابۃ سبعۃ ایام فلما کان یوم الانصار دعا ابی بن کعب وزید بن ثابت وغیرھما فکان ابی صائما فلما طعموا دعا ابی واثنی۔

(اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۳ باب جواز الولیمۃ الی ایام ان لم یکن فخراً)

منگنی کے موقعہ پر مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ تقریب نکاح میں جس کو عرف میں (کوجلان) کہتے ہیں، سوائے کھجور یا مٹھائی کے دیگر خوردنی اشیاء کھانا ناجائز ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور یا مٹھائی ہیں ہے، اور دلیل میں یہ آیات کریمہ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ( ) وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ( ) جبکہ عمرو کہتا ہے کہ چونکہ کھجور یا مٹھائی بھی ایک نوع خوراک ہے اس لیے کھانا پینا ہر قسم خوراک کا عقدِ خطبہ کے بعد جائز ہے اور دلیل میں آیتِ کریمہ ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ( ) پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حرمت کے لیے اس پر دلیل ہونی چاہیئے، نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کھانے پینے سے منع نہیں فرمایا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ؟

الجواب:۔ مجلسِ نکاح میں اشیاءِ خوردنی کی تقسیم خواہ وہ اشیاء از قسم کھجور یا مٹھائی ہوں یا دوسری چیزیں، نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ صحیح روایات میں بوقتِ نکاح ان چیزوں کی تقسیم کا ذکر نہیں آیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مواظبت فرمائی ہے نہ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے اس پر مواظبت کے طور پر عمل فرمایا ہے، لہٰذا اگر اس عمل کو لازم یا سنت سمجھ کر اگر کیا جائے تو ناجائز ہوگا لیکن اگر بوقتِ نکاح اشیاءِ خوردنی کی تقسیم اس غرض سے کی جائے کہ چونکہ یہ ایک مبارک مجلس اور نیک تقریب ہے جس میں مسلمان مرد اور عورت کے درمیان عقدِ نکاح کیا گیا ہے جو ایک عبادت بھی ہے اور خدا کی طرف سے ایک نعمت بھی، لہٰذا اس موقعہ پر شکرانے کے طور پر یا فریقین میں سے ایک فریق اس نیت سے کھانا کھلانے کا انتظام کردے کہ آپس میں محبت بڑھے اور دوستی مضبوط ہوجائے تو ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور کچھ بعید نہیں کہ تالیفِ قلوب کی نیت سے کیا گیا یہ عمل اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائے، کیونکہ شریعت نے ہر اس عمل کی ہمیں ترغیب دی ہے جس کی وجہ سے آپس میں باہمی محبت بڑھتی ہو اور دینی تعلّقات مضبوط ہوتے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: اطعموا الطعام وافشوا السلام الخ اور فرمایا کہ تحابوا تہادوا۔ (الحدیث) اس کے علاوہ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بعض دفعہ اشیاءِ خوردنی مجالس نکاح میں کھائی بھی گئی ہیں۔ چنانچہ بیہقی، اوسط اور معجم میں مروی

مروی ہے: ان النبی علیہ السلام حضر فی املاك ای عقد نکاح فاتی باطباق علیها جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال رسول اللہ صلعم مالکم لا تأخذون فقالوا انك نهيت عن النهبیٰ فقال انما نهیتکم عن فهی العساکر خذ واعلی اسم اللہ الخ (مجموعة الفتاوی ج ۱ ص ۴۴۶)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا واقعہ (جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شاہ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ہو چکا تھا) طبقات ابن سعد سے نقل کر کے لکھتے ہیں: ثم بعد الفراغ من النکاح ارادوا ان یقوموا فقال اجلسوا فان سنة الانبیاء اذا تزوجوا ان یؤکل طعام علی التزویج ندعیٰ بطعام فاکلوا ثم تفرقوا۔ انتہیٰ (مجموعة الفتاوی ج ۱ ص ۴۴۶)

چونکہ ان دونوں روایتوں کی سندیں ضعیف ہیں لہٰذا ان سے سنیت، وجوب یا فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی، البتہ اباحت وجواز ثابت ہو سکتا ہے۔

بہر حال اگر ان چیزوں کا ثبوت عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہؓ میں صحیح احادیث اور معتبر روایات سے نہ بھی ملتا ہو تب بھی اس کو ناجائز اور حرام نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ عمل امورِ مباح میں شمار ہوگا بشرطیکہ اس میں کسی ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ مثلاً کھانے کی یہ چیزیں یا طعام لڑکے یا لڑکی والوں نے بطیبِ خاطر تیار کیا ہو اور ان پر کسی قسم کا جبر نہ کیا گیا ہو، نہ وہ اس پر ناراض ہوں اور اس کو لازم اور سنت بھی نہ سمجھا جاتا ہو بلکہ ایسا صرف باہمی محبت ومودت کے استحکام کے لیے کیا گیا ہو تو ایسی حالت میں یہ ایک قسم کی ضیافت ہوگی جس کو کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (فقط واللہ اعلم)

باب حقوق الزوجین

(خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بیان میں)

میاں بیوی کے ایکدوسرے پر حقوق کا حکم

سوال:۔ از روئے شرع بیوی پر خاوند کے اور خاوند پر بیوی کے کیا کیا حقوق ہیں؟

الجواب:۔ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اور پورا کرنا از روئے شریعتِ مطہرہ لازمی ہے، ان میں بعض حقوق مشترکہ ہیں اور بعض خاص ہیں، مثلاً مہر، نان نفقہ، کسوہ، مکان، اعفاف الزوجہ، عدل وانصاف وغیرہ بیوی کے حقوق منفردہ ہیں اور جائز امور میں خاوند کی اطاعت، اس کی امانت کی حفاظت (مثل عصمت کا تحفظ، مال و اولاد وغیرہ کی حفاظت) خاوند کا حق تادیب اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونے پر جنابت کے لیے غسل کرنا اور دیگر خاوند کے حقوق منفردہ ہیں۔ اور ایک دوسرے سے حسن معاشرت، نرمی کا مظاہرہ اور ایک دوسرے کی تکلیف برداشت کرنا وغیرہ حقوق مشترکہ ہیں، لیکن خاوند کی ذمہ داریوں کی کثرت کیوجہ سے اس کا حق عورت پر زیادہ ہے۔ ویدل علیہ ما یأتی۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (سورۃ النساء آیت ۳۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

وَقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وان لزوجك علیك حقاً۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۹۵ کتاب النکاح)

واستوصوا بالنساء خیراً۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۸۷ کتاب النکاح) [1]

بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو کیا اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنا حق اس کی اجازت کے بغیر وصول کرے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کا بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کسی ایسی وجہ سے ہو جس میں عورت کے کسی جرم کا دخل نہ ہو تو نفقہ بوجہ لزوم عورت کا حق ہے اور وہ کسی بہانے سے خاوند کے مال سے

---

[1] وَانْظُرْ لِلتَّفْصِیْل: (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۷ کتاب النکاح، و الفقہ الاسلامی وأدلتہ ج ۷ ص ۳۲۷ الی ۳۴۳ الفصل السابع حقوق الزواج وواجباتہ)

اپنا حق وصول کرسکتی ہے؛ تاہم اگر کہیں عورت کی نافرمانی کی وجہ سے خاوند نے اس کو نفقہ سے محروم کررکھا ہو تو پھر عورت کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا یہ حق باقی نہیں رہتا۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت إن هندًا بنت عُتبۃ قالت یارسول اللہ إنّ أباسفیان رجل شحیح ولیس یعطینی مایکفینی وولدی إلّا ما أخذت منه وهو لا یعلم فقال خذی ما یکفیك وولدك بالمعروف ۔متفقٌ علیه ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۹۰ کتاب النکاح)[1]

ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کی تین یا چار بیویاں ہوں اور ان میں کسی ایک کی طرف اس کا قلبی میلان اور اس کے ساتھ محبت زیادہ ہو تو کیا اس سے دوسری بیویوں کی حق تلفی لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تین یا چار بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وجہ سے قلبی محبت زیادہ ہو اور دیگر حقوق میں سب کے ساتھ برابری اور عدل کرتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، شریعتِ مطہرہ کی نظر میں خاوند ایسے حقوق کا مکلف ہے جو اس کے دائرۂ اختیار میں ہوں جبکہ ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قلبی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔

قال فی الهندیة: ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینهن فیما یملکه والبیتوتة عندها للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملك وهو الحب والجماع۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۴۲ الباب السابع عشر فی النفقات)[2]

---

[1] قال فی الهندیة: فی کل موضع کان للقاضی أن یقضی لها بالنفقة فلها ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیها بالمعروف بغیر قضاء۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۵ الباب السابع عشر فی النفقات)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۴ ص۱۷۷ـ۱۹۶ باب النفقة۔

[2] قال الشیخ الکاسانی رحمه اللہ: وروی عن ابی قلابة أنّ النبیّ صلی اللہ علیه وسلم کان یعدل بین نساءہ فی القسمة ویقول اللهم هٰذہ قسمتی فیما أملك فلا تؤاخذنی فیما تملك ولا أملك۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۳۲ باب النفقات)

وَمِثْلُهٗ فی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۲ کتاب النکاح۔ باب النفقات۔

بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے

سوال: اگر بیوی خاوند کے اقارب (ماں باپ) کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنے رہنے کے لیے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے تو کیا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرے؟

الجواب: اگر بیوی کسی وجہ سے خاوند کے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام کرے یہ ضروری نہیں کہ کسی علیحدہ جگہ میں مکان بنانے کی تکلیف کرے بلکہ گھر کے اندر ہی اگر کوئی ایسا کمرہ بیوی کے لیے ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو تو پھر بھی اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: وکذا تجب لھا السکنی فی بیت خالٍ عن أھلہ سوی طفلہ الذی لایفھم الجماع وأمتہ وأم ولدھا من غیرہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۷۱۹) [1]

خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جا سکتا

سوال: ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہو گیا ہے، لڑکا کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کے والدین یہ نہیں چاہتے کہ لڑکی اس کے ساتھ دوسرے ملک چلی جائے، تو کیا خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے طاقت استعمال کرے؟

الجواب: اگر لڑکی اور اس کے والدین راضی نہ ہوں تو لڑکا لڑکی کو جبراً اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک نہیں لے جا سکتا۔

قال فی الھندیۃ، وکثیر من المشائخ علیٰ أنہ لیس للزوج أن یسافر بھا فی زماننا

---

[1] قال ابن نجیمؒ: أی الإسکان للزوجۃ علیٰ زوجھا لان من کفایتھا فتجب لھا کالنفقۃ وقد أوجبھا اللہ تعالیٰ کما أوجب النفقۃ۔ بقولہٖ تعالیٰ: أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ۔ ای من طاقتکم مما تطیقونہ مِلکاً أَوْ إِجَارَۃً او عاریۃ اجماعًا واذا وجبت حقًا لھا لیس لہٗ أن یشترک غیرھا لِأنّھا تتضرر بہٖ...... ولو کان الخلاء مشترکا بعد أن غلقہ یخصہ ولیس لھا أن تطالبہ بمسکن آخر۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۹۳، ۱۹۴ باب النفقۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۵۶ الباب السابع فی النفقات۔

وإن أوفاها المهر ولكن بنقلها إلى القرى أين أحبّ وعليه الفتوىٰ ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) [۱]

بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں

سوال :۔ کیا بیوی سے جماع کے لیے کچھ ممنوعہ اوقات ہیں؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز ظہر کے بعد، عید کے دن، شب برات وغیرہ اوقات و مواضع میں جماع کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب :۔ شرعی موانع (حیض ونفاس کی حالت) کے علاوہ جماع کے لیے مخصوص اوقات کے تعین اور بعض سے ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ : نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (البقرہ آیت ۲۲۳)

قال الرازی رحمہ اللہ : اختلف المفسرون فی تفسیر قولہ أنّٰی شِئْتُمْ : والمشهور ما ذکرناہ أنہ یجوز للزوج أن یأتیها من قُبلها ومن دُبرها فی قُبلها والثانی أن المعنی أی وقت شئتم من أوقات الحل یعنی إذا لم تکن أجنبیة أو محرمة أو صائمة أو حائضا ... والخامس متی شئتم من لیل او نهار۔ (تفسیر کبیر للرازی ج ۶ ص۶۸ سورۃ البقرۃ) [۲]

مباشرت کا طریقہ

سوال :۔ مباشرت کا صحیح طریقہ شرعاً کس طرح ہے؟

الجواب :۔ منہ اور دُبر سے اجتناب کیا جائے اور حیض ونفاس کی حالت میں ناف سے لیکر زانو تک بلاحائل نفع نہ لیا جائے، باقی تمام کیفیات جائز ہیں ۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ : نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ۔ (البقرہ ص۲۲۳)

---

[۱] قال ابن عابدینؒ : ثم ذکر عن الفقیهین أبی القاسم الصفارؒ وأبی اللیثؒ أنہ لیس لہ السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لأنها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فکیف إذا خرجت وأنہ صرح فی المختار بأن علیہ الفتوی وفی المحیط أنہ المختار وفی الولوالجیة أن جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم أما فی زماننا فلا ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۹۱ باب النفقة)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۹ باب النفقة ۔

[۲] قال الکاسانیؒ : وللزوج أن یطالبها متی شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعة من الوطء کالحیض والنفاس والظهار والاحرام وغیر ذلک ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۳۱ النفقات)

ومثلہ فی نیل الاوطار ج ۶ ص۲۲۵ باب النفقات ۔

وقال الله عزّ وجل: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ۔ (البقرہ ۲۲۲) ؎۱

جماع کے آداب

سوال:۔ جماع کے کیا کیا آداب ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ جماع سے مقصود اولاد اور تحصین الفرج ہو شہوت رانی مقصود نہ ہو، پردے کا اہتمام ہو، بالکل برہنہ نہ ہو، قبلہ رخ نہ ہو، جماع سے قبل ماثورہ دعائیں پڑھی جائیں، حالت جماع میں زیادہ باتیں نہ کی جائیں، جماع سے قبل ملاعبت وضم وتقبیل کی جائے، مرد عورت کے انزال کے بعد اٹھے۔ ؎۲

قال الله عزّ وجل: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔ (النساء)

وقال النبيّ صلى الله عليه وسلم: لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ إِذَا أَتٰى أَهْلَه قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا فقضي بينهما ولد لم يضره۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۶ کتاب الوضوء)

؎۱ عن ابن عباسؓ قال جاء عمرؓ الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله هلكت قال وما الذي اهلكك قال حولت رحلي البارحة فلم يرد عليه شئ قال فاوحى الله إلى رسوله هذه الآية: نساءكم حرث لكم فأتوا حرثكم أنّى شئتم۔ أقبل وأدبر واتقوا الدبر والحيضة۔ رواه احمد والترمذي وقال حديث حسن غريب۔ (نيل الاوطار ج۶ ص۲۱۷) وذكر الشوكاني حديث اخر۔ فلما قدم المهاجرون المدينة تزوج رجل إمرأة من الانصار فذهب يصنع بها ذلك فأنكرته عليه وقالت إنما كنا نؤتي على حرف فاصنع ذلك وإلّا فاجتنبني فسرى أمرهما حتى بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزل الله عزوجل: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ يعني مقبلات ومدبرات ومستقليات يعني بذلك موضع الولد۔ (المرجع السابق)۔ وَمِثْلُهٗ في تفسير القرطبي ج۳ ص۹۳ سورة البقرة۔

؎۲ قال النبي صلى الله عليه وسلم: اذا أتى أحدكم أهله فليستتر ولا يتجردا تجرد العيرين۔ رواه ابن ماجه۔ (نيل الاوطار ج۶ ص۳۴۴ كتاب النكاح، باب التسمية والستر عند الجماع)

وَمِثْلُهٗ في اعلاء السنن ج۱۷ ص۴۰۸ كتاب الحظر والاباحة۔

قال الدكتور وهبة الزحيليؒ: للجماع آداب كثيرة ثابتة في السنة النبوية منها ما يأتي تستحب التسمية ويقرأ (قل هو الله احد) ويكبر ويهلل ويقول ولو مع اليأس عن الولد بسم الله العلي العظيم اللهم اجعلها ذرية طيبة إن كنت قدرت أن تخرج ذلك من صلبي اللهم جنبني الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتني رواه ابوداؤد۔ وينحرف عن القبلة ولا يستقبل القبلة بالوقاع اكرامًا للقبلة وأن يتغطى نفسه هو وأهله بغطاء وألا يكونا متجردين فذلك مكروه كما سيأتي۔ وان يبدأ بالملاعبة والضم والتقبيل وإذا قضى وطره فليتمهل لتقضي وطرها فإن إنزالها ربما تأخر ويكره الإكثار من الكلام حال الجماع۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج۳ ص۵۵۵ الفصل السابع في حقوق الزواج)

بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ شادی کے بعد بیماری کے دوران لڑکی کے والدین اس کے علاج معالجہ پر جو خرچ کریں تو کیا وہ یہ خرچہ خاوند سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ بیماری و مرض کے علاج کا خرچہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں تاہم اگر خاوند تبرع کرے تو باعثِ اجر ہے۔

قال فی الھندیۃ: ولا یجب الدواء للمرض ولا اُجرۃ الطبیب ولا الفصد ولا الحجامۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۵۴۹ الباب السابع عشر فی النفقات) [1]

حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بیوی سے حالتِ حمل میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ضرر اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو حاملہ بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے۔

قال فی الھندیۃ: وأما اذا أقر الزوج أن الحبل منہ فالنکاح صحیح بالاتفاق وھو غیر ممنوع من وطئھا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۵۴۶ الباب السابع عشر فی النفقات) [2]

نابالغ بیوی سے جماع کرنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی نابالغ بیوی سے جماع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے لیے عمر کی کوئی خاص قید نہیں بلکہ جب بھی منکوحہ میں جماع کے لیے قوتِ برداشت پیدا ہو اور اس سے جماع کرنے سے کسی بیماری کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نابالغ بیوی کے ساتھ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر بیوی کی حالت ایسی ہو کہ بالغ ہونے کے باوجود اس کی صحت جماع

---

[1] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ وعلیہ ما تقطع بہ الصنان لا الدواء للمرض ولا اُجرۃ الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۶۰۴ باب النفقۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۷۷ باب النفقۃ۔

[2] قال ابن نجیمؒ: أما التزوج الزانی لھا (للحاملۃ) فجائز اتفاقاً وتستحق النفقۃ عند الکل ویحل وطؤھا عند الکل کما فی النھایۃ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۱۰۶ باب النفقۃ)
وَمِثْلُہٗ ردّ المحتار ج ۲ ص۳۱۷ باب النفقۃ۔

کی اجازت نہیں دیتی ہو بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں منکوحہ کے بالغ ہونے کے باوجود اس سے جماع جائز نہیں۔

قال فی الھندیۃ: واکثر المشائخ علیٰ انہ لا عبرۃ للسن فی ھذا الباب وانما العبرۃ للطاقۃ إن کانت ضخمۃ سمینۃ تطیق الرجال ولا یخاف علیھا المرض من ذٰلک کان للزوج أن یدخل بھا وان لم تبلغ تسع سنین وان کانت نحیفۃ مھزولۃ لا تطیق الجماع ویخاف علیھا المرض لا یحل للزوج أن یدخل بھا وإن کبر سنھا۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء والفصل الرابع)[1]

حالتِ حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا

سوال:۔ حالتِ حیض میں خاوند اپنی بیوی سے جماع تو نہیں کرسکتا لیکن اس کے علاوہ استمتاع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حیض ونفاس کی حالت میں خاوند کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے علاوہ "مافوق الازار" استمتاع میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر استمتاع سے جماع تک نوبت پہنچنے کا احتمال ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیئے، جبکہ وقوع فی الزنا سے بچنے کے لیے مافوق الازار استمتاع کا طریقہ اپنانا زیادہ محتاط ہے۔

قال فی الھندیۃ: ولہ أن یقبلھا ویضاجعھا ویستمتع بجمیع بدنھا ماخلا بین السرۃ والرکبۃ عند أبی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس)[2]

بیوی سے استمناء بالید کرانا

سوال:۔ اگر بیوی حیض ونفاس یا دیگر امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا وہ بیوی کے ہاتھ

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وفی الخلاصۃ واکثر المشائخ علیٰ أنہ لا عبرۃ للسن فیھما وانما المعتبر الطاقۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۹ و ص۳۷۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیمؒ: ویمنع الحیض قربان زوجھا ماتحت ازارھا اما حرمۃ وطئھا فمجمع علیھا لقولہ تعالیٰ: وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ...... واما الاستمتاع بھا بغیر الجماع فمذھب ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ والشافعیؒ ومالکؒ یحرم علیہ مابین السرۃ والرکبۃ وھو المراد بماتحت الازار۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۹۷)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۴۴ کتاب الحیض۔

سے استمناء کرا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ایسی حالت میں فعل حرام سے بچنے کا امکان ہو۔

الجواب:۔ مذکورہ اعذار کی وجہ سے اپنی بیوی سے استمناء بالید کرانا جائز ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویجوز ان یستمنی بید زوجته وخادمته ولینظر ما قاله الشارح فی الحد وعن الجوهرة أنه یکره ولعل المراد به کراهة تنزیهیة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۱۰۹) [1]

بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی بیوی کا برہنہ بدن جماع کے وقت یا اس کے علاوہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن کریم کے انداز بیان "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج کی وجہ سے پردہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی، اس لیے میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کے بدن پر نظر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فقہاء کرام نے شرمگاہ پر نظر ڈالنے سے اجتناب کرنے کو بہتر لکھا ہے۔

قال الطوریؒ تحت قول النسفیؒ: "وینظر الرجل الی فرج أمته وزوجته" یعنی عن شهوة وغیر شهوة۔ قال علیه الصلوٰة والسلام غض بصرك إلا عن زوجتك وامتك وما روی عن عائشةؓ قالت کنت أغتسل أنا ورسول الله صلی الله علیه وسلم من إناء واحد۔ (البحر الرائق ج ۸ ص۱۹۳ کتاب الکراهیة۔ فصل فی النظر) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ المصری رحمه الله:۔ وهل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان إن أراد الشهوة لا یحل لقوله علیه السلام ناکح الید ملعون وإن أراد التسکین الشهوة یرجی أن لا یکون علیه وبال۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم ما لا یفسد)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۰۳ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد۔

[2] قال فی الهندیة: أما النظر الی زوجته ومملوکته فهو حلال من قرنها الی قدمها عن شهوة وغیر شهوة وهذا ظاهر إلا أن الأولی أن لا ینظر کل واحد منهما إلی عورة صاحبه کذا فی الذخیرة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۲۷ الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۱۹ کتاب الاستحسان۔

كتاب
الطلاق

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان

باب شرائط الطلاق

(طلاق کی شرائط اور اسکے احکام ومسائل)

نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے

سوال:۔ ایک شخص نے خطبہ کے بعد نکاح سے قبل اپنے سسر کو خط لکھا کہ آپ کی بیٹی مجھ سے آزاد ہے اور مجھ پر طلاق ہے، کیا اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے ؟

الجواب:۔ چونکہ طلاق قبل النکاح کالعدم ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں الفاظ لغو ہوکر بعد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ فلغا قوله لاجنبیة ان زرت زیداً فانت طالق فنکحها فزارت۔ وقال: لعدم الملك والاضافة الیه (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار ج۲ ص۵۲۷ کتاب الطلاق، مطلب التعلیق المراد به المجازاة دون الشرط) ؎

طلاق میں اضافت ضروری ہے

سوال: ایک شخص کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوئے ڈرایا دھمکایا گیا جس سے وہ شخص حواس باختہ ہوگیا اور طلاق دیتے وقت بیوی کا نام لے کر اس کے باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کی، کیا والد کے نام میں غلطی سے طلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق پر تلفظ کرتے وقت اکراہ مؤثر نہیں اس لیے جبر واکراہ کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے، خاوند عموماً اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں باپ کی طرف نسبت نہ ہونے کے باوجود صرف عورت کا نام لینے سے طلاق واقع ہوجائے گی، ایسا ہی باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، بظاہر طلاق کے واقع

؎ وقال العلامة ابن نجیمؒ: فلو قال لاجنبیة ان زرت زیداً فانت طالق فنکحها فزارت لم تطلق لانه حین صدر لا یصح جعله ایقاعاً لعدم المحل۔

(البحرالرائق ج۴ ص۸ کتاب التعلیق، تحت قوله فلو قال لاجنبیة)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۲۶ کتاب الطلاق، باب الایمان فی الطلاق۔

ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : لو قال امرأۃ طالق او قال طلقت امرأۃ ثلاثاً وقال لم اعن امرأتی یصدق ویفهم منه انه لو لم یقل ذٰلك تطلق امرأته لان العادۃ ان من له امرأۃ انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها۔ وقال: بخلاف ما لوذکر اسمها او اسم ابیها او امها او ولدها...... فقد صرحوا بانها تطلق وانه لو قال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاءً اذا کانت امرأته کما وصف۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۶ باب الصریح، کتاب الطلاق)[1]

بیوی کو ڈرانے دھمکانے کیلئے طلاق کا لفظ کہنا

سوال:۔ کسی شخص نے بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسکی نیت طلاق کی نہ تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے لفظ صریح میں نیت وارادہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس لیے جب بھی عورت کو یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

قال النبی علیه الصلوٰۃ والسلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ (نصب الرایۃ ج۳ ص۲۹۳ کتاب الایمان)[2]

طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے

سوال:۔ والد نے نابالغ بیٹے کا کسی بالغ لڑکی سے نکاح کر دیا اب دونوں خاندانوں کے تعلقات اس حد تک خراب ہو گئے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے

---

[1] وقال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : وکذا لو لم ینسبها الی ابیها وانما نسبها الی امها او ولدها تطلق۔ وقال: فقال ذٰلك وهو یعلم نسب امرأته او لا یعلم طلقت امرأته ولا یصدق قضاء وفیما بینه وبین الله تعالیٰ لا یقع ان کان یعرف نسبها وان کان لا یعرف یقع دیانۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۳،۲۵۴ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامۃ الحصکفیؒ : او هازلاً لا یقصد حقیقۃ کلامه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الاکراه)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق۔

اندریں صورت کیا نابالغ لڑکا طلاق دے گا یا اس کا والد اُس کی طرف سے طلاق دے کر عورت کو فارغ کرے گا؟

الجواب: - ایسی صورت میں نابالغ خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے اور نہ یہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، والد نابالغ بیٹے کا نکاح تو خود کرا سکتا ہے لیکن اس کی طرف سے طلاق دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں عورت خاوند کے بلوغ کا انتظار کرے گی، البتہ اگر کہیں عصمت نفس یا نان نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر مجبور عورت حاکم وقت کی وساطت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر سکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یقع الطلاق الصبی ولو مراھقاً۔

(الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الطلاق لمن اخذ الساق۔

(ابن ماجۃ ص۱۴۷ ابواب الطلاق) [1]

نابالغہ کو دی گئی طلاق کا حکم

سوال: - ایک شخص نے نابالغ لڑکی سے نکاح کیا اور ابھی وہ نابالغ تھی کہ اس نے طلاق بھی دے دی، کیا اس نابالغ لڑکی پر طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب: - وقوعِ طلاق میں منکوحہ کا اعتبار ہے چاہے منکوحہ بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے نابالغ لڑکی پر طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں لڑکی مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن ھمامؒ: فی بیان شرائط الطلاق، وفی الزوجۃ ان تکون منکوحۃ۔ (فتح القدیر شرح الھدایۃ ج ۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق تحت شرطہ) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ وفتح القدیر ج ۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق۔

[2] قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ومحلہ (ای الطلاق) المنکوحۃ۔

(تنویر الابصار علی ھامش ردالمحتار ج ۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق، مطلب طلاق الدور)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص۲۳۷ کتاب الطلاق۔

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص مجنون ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، چونکہ مجنون عقل کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے مجنون اگر طلاق دیدے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی الهندية: ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل والمجنون۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۵۳ كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه)[1]

بے وقوف کی طلاق کا حکم

سوال:۔ کسی شخص میں بالغ ہونے کے بعد کوئی تبدیلی رونما ہوئی بلکہ شروع ہی سے سادہ اور بھولا بھالا چلا آرہا ہے، والدین نے اس کی شادی کردی، دنیا کے جس کام پر اس کو لگایا جائے تو بڑی چستی سے وہ کام کرتا ہے لیکن دنیا کے کسی بھی رسم ورواج سے واقف نہیں، کھانے پینے یا کپڑے پہننے میں عام لوگوں کی طرح ہے، کیا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص سفیہ ہے اور اسکی دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس کے تصرفات شرعاً معتبر ہیں، البتہ جو شخص فاسد التدبیر ہو اور اس کو اپنی باتوں کا اندازہ نہ ہو عموماً بیہودہ بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو ایسا شخص معتوہ ہے جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الهندية: ولا يقع طلاق الصبي وان كان يعقل والمجنون وكذلك المعتوه لا يقع طلاقه۔ ايضاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۵۳ كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه)[2]

بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص حواس باختہ ہو کر ایسی کیفیت میں طلاق دے کہ اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، یہاں تک کہ اس کو رات و دن کی تمیز بھی نہ ہو، تو کیا ایسے شخص کی دی گئی طلاق واقع

---

[1] قال العلامة صدر الشريعة: لا طلاق صبي ومجنون ونائم۔ (شرح الوقاية ج ۲ ص۷۱ كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق)
وَمِثْلُهُ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵ كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق۔

[2] وقال العلامة ابن عابدين: واحسن الاقوال فی الفرق بينهما ان المعتوه هو قليل الفهم المختلط الكلام، الفاسد التدبير لكن لا يضرب ولا يشتم بخلاف المجنون۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ كتاب الطلاق)
وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق شرح الكنز الدقائق ج ۳ ص۲۴۹ كتاب الطلاق۔

الجواب:۔ طلاق دیتے وقت عقل وحواس کی موجودگی ضروری ہے، اگر کسی شخص کے حواس بیہوشی کی وجہ سے ختم ہوجائیں تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لایقع طلاق المولیٰ علیٰ امرأۃ عبدہ والمجنون والمدھوش فتح وفی القاموس: دھش الرجل تحیر ودھش بالبناء للمفعول فھو مدھوش وادھشہ اللہ۔ الخ

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۳ کتاب الطلاق، مطلب طلاق المدھوش) لہ

معتوہ کی طلاق کا حکم

سوال:۔ جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، عموماً بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو، اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب:۔ طلاق دینے کے لیے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے شخص کو فقہاء کرام "معتوہ" کہتے ہیں جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا یقع طلاق الصبیّ والمعتوہ۔ (تنویر الابصار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق، تحت مطلب فی الحشیشة والافیون۔۔۔ الخ) ۲ہ

وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم

سوال:۔ ایک شخص جو کہ وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمیشہ تردد رہتا ہو اور لبسا اوقات کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق معلق کرتا ہو پھر اس کو طلاق معلق کرنے میں بھی وسوسہ اور شک پیدا ہوجاتا ہے، کبھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے اور کبھی طلاق نہ دینے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ یقینی طور پر اس کو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں، تو ایسے شخص کی طلاق کی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے باقاعدہ قطع اور یقین ضروری ہے، جب تک

لہ وفی الهندیة: ولایقع طلاق الصّبیّ وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیه والمدھوش۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

۲ہ وفی الهندیة: وکذلك المعتوہ لایقع طلاقه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۴۳ فصل ولایقع طلاق الصّبیّ۔۔۔ الخ۔

اس کو یقین نہ ہو تو شک اور وسوسہ کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: علم انہ حلف ولم یدر بطلاق او غیرہ لغا کما لو شک اطلق ام لا۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۹۲ باب طلاق غیر مدخول بہا) [1]

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نشہ کی حالت میں اگرچہ انسان حواس کھو بیٹھتا ہے لیکن نشہ بذاتِ خود چونکہ غیر مشروع فعل ہے اس لیے اس سے طلاق زجراً واقع ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل..... ولو عبداً او مکرھاً او سکران۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۵۶ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراہ) [2]

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق عموماً غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے اس لیے غصہ کا ہونا طلاق پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر غصہ کی کیفیت اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کو کلام سمجھنے کی طاقت نہ رہے تو مدہوش کے حکم میں ہو کر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والذی یظھر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان واختلاط الجد بالھزل کما ھو المفتی بہ فی السکران۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۳ تحت مطلب طلاق المدھوش، کتاب الطلاق) [3]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: سئل فی الرجل اذا شک انہ طلق امرأتہ ام لا فھل لا یقع علیہ الطلاق الجواب نعم لا یقع الطلاق۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ ج ۱ ص ۳۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ ابن الھمامؒ: وطلاق السکران واقع۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۵ فصل ویقع طلاقہ کل زوج اذا کان عاقلاً بالغاً ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والنائم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۴۷ کتاب الطلاق۔

[3] قال العلامۃ ابن ھمامؒ: ولا یقع طلاق الصبی والمجنون والمبرسم والمغمی علیہ والمدھوش کذٰلک۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۳ کتاب الطلاق، فصل ویقع طلاق کل زوج..... الخ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۹ کتاب الطلاق۔

غافل کی طلاق کا حکم

سوال:- اگر ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے والد کو نکاح کرانے کی اجازت دی ہو مگر بعد میں وہ اپنی اجازت بھول گیا جبکہ والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا تو اس شخص نے اپنی اجازت کے بھول جانے پر لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہو، تو کیا اس کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- ایسا شخص غافل کے حکم میں داخل ہے اس لیے اسکی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلاً او ساهیاً او بالفاظ مصحفة یقع قضاءً فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاءً و دیانة۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الطلاق) لہ

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

سوال:- عن عبد الله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فسأل عمر ابن الخطاب (رضی الله تعالیٰ عنه) رسول الله علیه عن ذٰلك فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم مره فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذٰلك وان شاء طلق قبل ان یمسها فتلك العدة التی امر الله ان تطلق لها النساء۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۰۳ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

مذکورہ بالا حدیث شریف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ سے کہہ دو کہ وہ بیوی سے رجوع کرلے۔ اس واقعہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالتِ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو اس کے لیے رجوع کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- وقوعِ طلاق کے لیے حیض مانع نہیں اس لیے اگر خاوند بیوی کو حیض کی حالت میں

لہ وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وافاد ان طلاق الهازل واللاعب والمخطئ واقع کما قدمناه لکنه فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ فلا یقع علی المخطئ۔

(البحرالرائق ج۳ ص۲۵۸ باب الطلاق ای الفاظه فی اول الصفحه)

ومثله فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق۔

طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تاہم حیض کی حالت میں چونکہ میاں بیوی کے درمیان عارضی دوری موجود رہتی ہے اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ عارضی بُعد طلاق کا محرک بن کر ایک گھرانے کو اجاڑ دے۔ حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ میں ممانعت میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

عن عبد اللہ ابن عمر انہ طلق امرأتہ وھی حائض علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسئال عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذٰلک فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرہ فلیراجعھا ثم لیمسکھا حتیٰ تطھر ثم تحیض ثم تطھر ثم ان شاء امسک بعد ذٰلک وان شاء طلق۔ (ابو داؤد ج ۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

ورنہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کے حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق تو واقع ہو گئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔

وقال الحصکفیؒ :۔ والبدعی ثلاث متفرقۃ اوثنتان بمرۃ اومرتین فی طھر واحد لا رجعۃ فیہ اوواحدۃ فی طھر وطئت فیہ اوواحدۃ فی حیض ...... الخ

(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۵ کتاب الطلاق واقسامھا ثلاثۃ... الخ) [1]

طلاق کے لیے گواہ ضروری نہیں

سوال :۔ اگر ایک شخص بیوی کو گواہوں کے بغیر طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب :۔ طلاق کا دارومدار خاوند کے تلفظ پر ہے، طلاق کا وقوع گواہوں کی موجودگی پر موقوف نہیں، بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وقال العلامۃ الحصکفیؒ : لان رکن الطلاق ھو اللفظ او ما یقوم مقامہ۔

(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ باب الصریح)

---

[1] وفی الھندیۃ : والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بھا وھی من ذوات الاقراء فی حالۃ الحیض۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق وامّا البدعی فنوعان)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر شرح الھدایۃ ج ۳ ص۳۲۹ کتاب الطلاق۔ باب طلاق السنۃ

[2] وقال الامام الکاسانیؒ : فرکن الطلاق ھو اللفظ الذی جعل دلالۃ علیٰ معنی الطلاق لغۃ .... اوما یقوم مقام اللفظ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۹۸ فصل واما بیان رکن الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۲۵ کتاب الطلاق۔

حمل مانع وقوعِ طلاق نہیں

سوال: اگر طلاق دیتے وقت منکوحہ حاملہ ہو تو کیا حمل کی موجودگی سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: منکوحہ کا حاملہ ہونا وقوعِ طلاق کیلئے مانع نہیں، جس طرح غیر حاملہ منکوحہ پر طلاق واقع ہوسکتی ہے اسی طرح حاملہ بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے، تاہم حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل سے ہوگی۔ لقولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ (الطلاق ۴) لہ

حالتِ نفاس میں طلاق دینا

سوال: کیا عورت کو نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے؟ اور ایسی حالت میں عدت کیا رہے گی؟

الجواب: حیض کی طرح نفاس کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ صحیح نہیں لیکن بہرحال طلاق واقع ہوجاتی ہے، تاہم جب حالتِ نفاس میں طلاق دی جائے تو یہ ایام عدت میں شمار نہیں ہونگے بلکہ مستقل تین حیض عدت شمار ہوں گے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والنفاس کالحیض۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۱ ص۴۲ کتاب الحیض) ۲ہ

جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت

سوال: اگر ایک عورت جھوٹے گواہوں کا سہارا لے کر حاکم کی عدالت سے طلاق کی ڈگری حاصل کرلے جبکہ خاوند طلاق دینے سے بالکل بے خبر ہو، کیا ایسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر عورت آزادی کے زعم میں عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حقیقتِ حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، قاضی صرف گواہوں پر اعتماد کرکے فیصلہ کرتا ہے، اس لیے حاکم یا قاضی کو جب گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہوا اور ان کے ظاہر پر اعتماد کرکے فیصلہ کرے تو اس سے طلاق ثابت ہوکر عورت مطلقہ متصور ہوگی، تاہم قاضی کو گواہی قبول

لہ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وان کانت حاملا فعدتھا ان تضع حملھا۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۲۳ باب العدۃ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۲ فصل واما عدۃ الحیض ... الخ۔

۲ہ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولما کان المنع منہ فیہ لتطویل العدۃ علیھا کان النفاس کالحیض۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۴۳ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۸ کتاب الطلاق۔ مطلب تفسیر الطلاق ورکنہ وشرطہ۔

کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

لما فی الهندية : وكذلك لو قضى بالطلاق بشهادة الزور مع علمها حل لها التزوج باخر بعد العدة ... الخ (الفتاوى الهندية ج ا ص۲۸۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم التاسع المحرمات بالطلقات) ؎۱

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانا

سوال :۔ ایک شخص سے زبردستی طلاق نامہ لکھوایا گیا، زبان پر تلفظ نہ کرنے کے باوجود اس نے دستخط بھی کر دیئے، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب :جبر واکراہ سے طلاق پر تلفظ کروانے میں زبردستی مؤثر نہیں، ایسی حالت میں مکرہ کی طلاق واقع ہو گی البتہ تحریری طلاق میں نیت کا اعتبار ہے، اس لیے تحریری طور پر طلاق لکھوانے میں جب زبردستی ہو تو نیت نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال العلامة ابن عابدينؒ : وفی البحران المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو اكراه على ان يكتب طلاق امراته فكتب لا تطلق ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۲۱ كتاب الطلاق، مطلب فی الاكراه على التوكيل بالطلاق والنكاح والعتاق) ؎۲

جبراً طلاق کا حکم

سوال :۔ اگر ایک شخص پر جبر واکراہ کر کے طلاق دلوائی جائے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب :۔ صورت مسئولہ کے مطابق احناف کے نزدیک مکرہ (جس پر جبر واکراہ کیا جائے) کی

؎۱ قال العلامة الحصكفیؒ : ولو قضى بطلاقها بشهادة الزور مع علمها بذلك نفذ وحل لها التزوج باخر بعد العدة۔ وقال ابن عابدينؒ : قوله وبقولهما يفتى قال الكمال وقول الامام اوجه واستدل له بدلالة الاجماع ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۱۹ باب المحرمات مطلب فيما لو زوج المولى امته .... الخ)

وَمِثْلُهُ فی فتح القدير على الهداية ج ۳ ص۱۵۵ فصل فی بیان المحرمات ۔

؎۲ قال العلامة قاضی خانؒ : وجل اكره بالضرب او الحبس على ان يكتب طلاق امراته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق..... الخ

(الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية ج ا ص۴۷۲ فصل فی الطلاق بالكتابة)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج ا ص۳۷۹ الفصل السادس فی الطلاق بالكتابة ۔

طلاق واقع ہوتی ہے، لہٰذا عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ..... ولو عبداً او مکرھا۔

(الدر المختار علیٰ ھامش رد المختار ج ۲ ص۲۳۵ کتاب الطلاق) [1]

بطورِ استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو بغیر نیت کے استہزاءً طلاق دی اور یہ طلاق اس نے بار بار دہرائی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، نفس تلفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے اگر کسی شخص نے بطورِ استہزاء بھی بیوی کو طلاق دیدی تو پھر بھی طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر متعدد بار یوں اقدام کیا تو متعدد طلاق واقع ہوں گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: بخلاف الھازل واللاعب فانہ یقع قضاء ودیانۃ لان الشارع جعل ھزلہ بہ جدا۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المختار ج ۲ ص۶۲۵ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشۃ والافیون والبنج) [2]

کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظِ طلاق معتبر ہیں

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ ہاتھ میں تین پتھرے کر پھینکے ہیں، کیا ایسی حالت میں الفاظ کا اعتبار ہے کہ جس سے بیوی پر ایک طلاق واقع ہو یا کنکریوں کا اعتبار کر کے تین طلاق معتبر ہوں گی؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع میں بنیادی حیثیت الفاظ کی ہے، پتھر پھینکنا بذاتِ خود کوئی طلاق

---

[1] قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: وطلاق المکرہ واقع۔ (الہدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۳ ص۳۴۴ باب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ۔

[2] وفی الہندیۃ: وفی واقعات الناطفی رجل قال لامرأتہ انت طالق کذا تقع ثلاث کانہٗ قال انت طالق احد عشر کذا فی التاتارخانیۃ۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص۳۵۶ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

وفیہ ایضًا: وطلاق اللاعب والھازل بہ واقع۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۶۸ کتاب الطلاق۔

نہیں، اس لیے اگر کسی نے بیوی کی طرف صرف پتھر پھینکے اور زبان پر کسی تلفظ سے باز رہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ زبان پر تلفظ کرتے وقت پتھر پھینکنے سے مافی الضمیر کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اس لیے اگر تین پتھر پھینکتے ہوئے "تو طلاق ہے" کہہ دیا تو تین کی نیت کرتے ہوئے تین طلاق واقع ہو سکتی ہیں ورنہ ایک طلاق واقع ہو کر منکوحہ قابلِ رجوع ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وکذا لو القی ثلاثۃ احجار الیہا ولم یذکر لفظ الطلاق ونوی بہا الطلاق الثلٰث لم یقع لعدم الرکن وھو اللفظ والنیۃ انما تصح فی الملفوظ اوما یقوم مقامہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق) ؎۱

اشارہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کرکے طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ زبان سے کچھ نہ کہے؟

الجواب:۔ اشارہ سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے جب انسان بات کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ تکلم پر قدرت کے باوجود صرف اشارہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: ویقع طلاق الاخرس بالاشارۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ) ؎۲

؎۱ وفی الھندیۃ: ولو قالت لزوجہا طلقنی فاشار بثلاث اصابع واراد بذلک ثلاث تطلیقات لا یقع مالم یقل بلسانہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۷ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

قال الحصکفیؒ: انت طالق ھکذا مشیراً بالاصابع المنشورۃ وقع بعددہ۔ وفیہ: ولو لم یقل ھکذا یقع واحدۃ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ای بان قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانہا تطلق واحدۃ۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۷ کتاب الطلاق)۔

ومثل ھذا فی الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۸۷ فصل فی تشبیہ الطلاق ووصفہ۔
وَمِثْلُہٗ ذٰلک فی التاتارخانیۃ ج۳ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔

؎۲ قال الحصکفیؒ: ویقع طلاق الاخرس بالاشارۃ یرید بہ الذی ولد وھو اخرس او طرأ علیہ ذلک ودام حتی صارت اشارتہ مفھومۃ والا لم تعتبر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۳۹ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشۃ والافیون والبنج)
وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابۃ۔

ھازل کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنے بچے کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے کہا کہ تیری ماں طلاق ہے جبکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا قطعاً نہیں تھا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق کے الفاظ میں نیت و ارادہ کا ہونا ضروری نہیں، ارادہ نہ ہونے کے باوجود مزاح میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس میں عدد کا ذکر نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں تین طلاق دی تو منکوحہ مطلّقہ مغلّظہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل .... ولو ھازلا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق مطلب فی المسائل التی یقع مع الاکراہ)[1]

طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے طلاق پر جھوٹی قسم اس طرح کھائی کہ اگر میں فلاں کام کے بارے میں جھوٹ بولوں، سچ نہ بولوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق ہے، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ کام اس کی قسم سے پہلے متحقق ہو چکا تھا، اب اس شخص پر اس کی بیوی طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس شخص پر بیوی طلاق ہے، البتہ اگر اس نے یہ الفاظ ایک مرتبہ کہے ہوں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر تین دفعہ تکرار کیا ہو تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔

لما فی الھندیۃ: واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبہ ذلک فما یکون علیٰ امر فی المستقبل فھو کالیمین المعقودۃ وما یکون علیٰ امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا کان یعلم خلاف ذلک او لا یعلم فالطلاق واقع۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۲ ص۵۲ کتاب الایمان، فی الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ولم یشترط ان یکون جاداً فیقع طلاق الھازل بہ واللاعب للحدیث المعروف ثلاث جدھن جد وھزلھن جد ... الخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۲ کتاب الطلاق، تحت قولہ: (ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴ کتاب الطلاق، فصل فی ایقاع الطلاق۔

[2] قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ان حلف علیٰ کاذب عمداً کواللہ ما فعلت کذا عالماً بفعلہ .... ویأثم بھا فتلزمہ التوبۃ وثانیھا لغو۔ وقال العلامۃ الحصکفیؒ: تحت ھذا القول: لا مؤاخذۃ فیھا الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر اشباہ۔ (تنویر الابصار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۱ کتاب الایمان۔ مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالیٰ)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۴ ص۲۶۵ کتاب الایمان۔ فی الفصل الاول۔

طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے

سوال:۔ ایک شخص پر اس کی ساس دعوٰی کرتی ہے کہ تم نے بیوی کو طلاق دے کر فارغ کردیا ہے لیکن خاوند انکار کر رہا ہے، توکیا ساس کے کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خاوند طلاق کا اقرار کرتا ہو توکسی دوسرے کے ماننے کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجائے گی لیکن جہاں کہیں خاوند طلاق سے منکر ہو تو وہاں پر ساس کا بیان ناکافی ہے، ایسی صورت میں طلاق تب ثابت ہوگی جب باقاعدہ دو گواہ پیش کئے جائیں۔ تاہم جہاں کہیں عورت کو یہ یقین ہو کہ خاوند نے اس کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اور خاوند انکاری ہو تو عورت کسی ذریعہ (خلع) سے خاوند سے فراغت حاصل کر سکتی ہے۔

كما في الهندية: سئل شيخ الاسلام ابوالقاسم رحمه الله تعالىٰ عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثًا ولا تقدر ان تمنع نفسها منه هل يسعها ان تقتله قال لها ان تقتله ۔
(الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۵ كتاب الطلاق۔ الباب السادس في الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به في فصل فيما تحل به المطلقة) [1]

طلاق کے ثبوت کے لیے ایک گواہ ناکافی ہے

سوال:۔ اگر خاوند پر عورت یا کسی اجنبی شخص نے یہ دعوٰی کیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی ہے اور ایک شخص اس کی گواہی دے رہا ہے جبکہ خاوند اس کا انکار کر رہا ہو تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں اگر مدعیٔ طلاق کے پاس دو گواہ ہوں اور وہ گواہی دیں تو طلاق ثابت رہے گی، صرف ایک گواہ طلاق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ونصابها لغيرها في الحقوق سواء كان مالا اوغيره كنكاح

---

[1] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها الا بقتله لها قتله ــ وقال العلامة ابن عابدينؒ: قال في المحيط وينبغي لها ان تفتدي بما لها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته ۔ (الدرالمختار على الرد المحتار ج۲ ص۵۹۰ باب الرجعة۔ وفي مطلب الاقدام على النكاح اقرار بمعنى العدة)
ومثلهٗ في الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۶۰۹ كتاب الطلاق رو سائل الحلل وغيرها ۔

و طلاق رجلان او رجل وامرأتان۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۴ ص۴۱۳ کتاب الشہادات) ۔ [1]

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم

سوال: اگر ایک شخص بغیر کسی گواہ کے بیوی کو ڈاک کے ذریعہ طلاق بھیجے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے وقوع کے لیے گواہوں کا ہونا شرط نہیں، جیسا کہ خاوند زبانی طور پر طلاق دے سکتا ہے تو تحریری طور پر بھی طلاق دینے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، لہٰذا بغیر گواہوں کے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی طلاق سے بھی بیوی مطلقہ ہوجائے گی۔

لما فی الہندیۃ: رجل استکتب من رجل اٰخر الیٰ امرأتہ کتاباً بطلاقہا وقرأہ علی الزوج فاخذہ وطواہ وختم وکتب فی عنوانہ وبعث بہ الیٰ امرأتہ فاتاہا الکتاب واقر الزوج انہ کتابہ فان الطلاق یقع علیہا۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق۔ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ) [2]

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال: اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت میں طلاق نامہ پر دستخط کئے تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: طلاق بالکتابت میں نیت وارادہ ضروری ہے، اس لیے طلاق نامہ پر لاعلمی کی صورت میں دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الہندیۃ: کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع بہ الطلاق اذا لم یقر انہ کتابہ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ) [3]

---

[1] وفی الہندیۃ: وشرط فیہا شہادۃ رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً او غیر مال کالنکاح والطلاق۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۳ ص۴۵۱ کتاب الشہادات۔ فی الباب الاول)

ومثلہ فی فتح القدیر ج۳ ص۱۵۵ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامۃ ابن ہمامؒ: ولو کتب الصحیح الیٰ امرأتہ بطلاقہا ثم انکر الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتبہ بیدہ فرق بینہما فی القضاء واما فیما بینہ وبین اللہ تعالیٰ ان کان لم ینو بہ الطلاق فہی امرأتہ۔ (فتح القدیر شرح الہدایۃ ج۳ ص۴۰۴ کتاب الطلاق۔ فصل فی الطلاق قبل الدخول)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۷۹ کتاب الطلاق۔ وفی مطلب الطلاق۔

[3] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق ما لم یقر انہ کتابہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب فی الطلاق بالکتابۃ)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۴ ص۴۸ کتاب الطلاق۔ ایقاع الطلاق بالکتاب۔

مرضِ سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! سرسام ایک ایسی بیماری ہے کہ اس میں مریض پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ اس سے دیوانوں کی سی حرکات سرزد ہوتی ہیں، اگر اس مرض میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ سرسام زدہ شخص کے افعال و اعمال کا حکم مجنون اور معتوہ جیسا ہے اس کی طلاق باتفاقِ علماء واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: فمنها ان یکون عاقلاً حقیقۃ او تقدیراً فلا یقع طلاق المجنون والصبی الذی لا یعقل لان العقل شرط اھلیۃ التصرف لان بہ یعرف کون التصرف مصلحۃ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۹۹ فصل شرائط الرکن)[1]

خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص خواب (نیند) کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہے کہ ہندہ کو طلاق طلاق طلاق ہے تو کیا اس سے اُس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: نیند میں انسان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا بلکہ اس کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس لیے یہ شخص شرعاً معذور ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق لغو ہے، اس سے بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون معتوھًا ولا مدھوشًا ولا مبرسمًا ولا مغمی علیہ ولا نائمًا فلا یقع طلاق ھٰؤلاء لما قلنا فی المجنون۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۰۰ فصل شرائط الرکن)[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن الھمامؒ: قولہ لا یقع طلاق الصبیّ وان کان یعقل والمجنون والنائم والمعتوہ کالمجنون.... لکن معلوم من کلیات الشریعۃ ان التصرفات لا تنفذ الا ممن لہ اھلیۃ التصرف وادرناھا بالعقل والبلوغ۔

(فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ)

وَمِثْلُہٗ ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق مطلب تعریف السکران۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا یقع طلاق المولیٰ علیٰ امرأۃ عبدہ..... والصّبیّ والمعتوہ من العتہ وھو اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام والمغمی علیہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ

طلاق الصّریح والکنایۃ

(طلاقِ صریح وکنایہ کے احکام ومسائل)

"تم طلاق ہو" میں تین طلاق کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم طلاق ہو" اور اس میں اس کی نیت تین طلاق کی ہو، تو کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟

الجواب:۔ صریح الفاظِ طلاق میں نیّت کا کوئی اعتبار نہیں، اسلئے "تم طلاق ہو" سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کی نیّت کرنا اس میں لغو ہے۔

لما فی الھندیۃ: کانت طالق ومطلقۃ وطلقتك تقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثر او الابانۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق) [۱]

سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص سوچ وفکر میں گم تھا اس کی کوشش تھی کہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے لیکن اچانک اس کی زبان سے نکل گیا کہ "چلو میں نے تجھ کو طلاق دے دی" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر سوچ وفکر سے مجبور ہوکر ان الفاظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو صریح طلاق میں واقع ہونے کے لیے اس کا ارادہ اور نیّت ضروری نہیں، تاہم اگر یہ تلفظ کسی واقعہ کی حکایت ہو جو اس کے ذہن میں کسی فرضی واقعہ کا پیش خیمہ ہو یا نفس الامر کے کسی واقعہ کی حکایت ہو تو حکایت کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ انت طالق فقال لہ رجل ما قلت فقال طلقتہا

---

[۱] قال ابوالحسن علی المرغینانیؒ: الصریح ھو کانت طالق ومطلقۃ وطلقتك فھذا یقع بہ الطلاق الرجعی ولا یقع بہ الا واحدۃ وان نوی الاکثر۔ ملخصاً۔

(الھدایۃ ج ۲ ص۳۶ کتاب الطلاق۔ باب ایقاع الطلاق۔ مکتبۂ حقانیہ)

ومثلہٗ فی الدرالمختار علی ھامش ردّ المحتار ص۴۲۹ ج۲ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

اوقال قلت هی طالق فهی واحدۃ ۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۳۵۵ کتاب الطلاق الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)

وقال العلامۃ ابن الہمامؒ: ثم قولنا لا یتوقف علی النیۃ معناہ اذا لم ینو شیئًا اصلا یقع لا انہ یقع وان نوی شیئًا اٰخر لما ذکر انہ اذا نوی الطلاق عن وثاق صدق دیانۃ لا قضاءً وکذا عن العمل۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص۳۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق) [1]

عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں یوں کہے کہ "جاؤ تم طلاق ہو" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی مرد کا اپنی بیوی کو انت طالق کہنے کے لیے اس کی موجودگی ضروری نہیں، بسا اوقات اس کو حاضر فرض کرکے خطاب کیا جاتا ہے، اس لیے ایسی حالت میں "جاؤ تم طلاق ہو" کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما فی الہندیۃ: ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق، فکلما کتب هذا یقع الطلاق۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۳۷۸ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ) [2]

ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "ایک دو تین تم طلاق ہو"۔ ایسی حالت میں عورت پر کونسی طلاق واقع ہوگی، کیا اس سے منکوحہ مطلقہ مغلظہ بنتی ہے یا طلاق رجعی واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اگر اس عدد کے ساتھ نسبت ہو یعنی عورت سے یوں کہے تجھے ایک دو تین

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: ان الصریح لا یحتاج الی النیۃ ولکن لا بد فی وقوعه قضاءً ودیانۃ من قصد اضافۃ لفظ الطلاق الیها عالمًا بمعناہ ولم یصرفه الی ما یحتمله۔ الخ

(ردّ المحتار ج ۲ ص۴۲۳ کتاب الطلاق، باب الصریح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۵۹ کتاب الطلاق، باب الطلاق ای الغلظہ۔

[2] قال العلامۃ ابن الہمامؒ: فان کان علی رسم کتب الرسالۃ بان کتب اما بعد یا فلانۃ فانت طالق او انت حر او اذا وصل الیك کتابی فانت طالق فانهٗ یقع الطلاق۔ الخ

(فتح القدیر ج ۳ ص۴۰۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، بحث الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علی هامش الہندیۃ ج ۱ ص۴۷۱ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابۃ۔

تم طلاق ہو" ظاہر ہے کہ اضافت کی موجودگی میں اس سے تین طلاق واقع ہوں گی، لیکن جب اضافت نہ ہو صرف یہ ہو کہ ایک دو تین تم طلاق ہو یا تم طلاق ہو ایک دو تین، ایسی حالت میں "تم طلاق ہو" مستقل جملہ مبتدا و خبر ہو کر عدد سے بظاہر اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے عدد لغو ہو کر ایک طلاق واقع ہو گی، تاہم اگر یوں کہا کہ تم ایک دو تین طلاق یا تم طلاق ایک دو تین ہو تو اس سے پھر لازمی طور پر تین طلاق واقع ہوں گی۔

والدليل على ما قلنا ما قاله العلامة الحصكفيؒ: والطلاق يقع بعدد قرن به لا نفسه عند ذكر العدد وعند عدمه الوقوع بالصّيغة۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۵۶ كتاب الطلاق، مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به)[۱]

بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی مصلحت کے لیے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیوی کی طرف اشارہ نہ ہو تو تعارف اور تعین کے لیے نام کا سہارا لیا جاتا ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ نام درست ہو، جب اصل نام کو چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کیا جائے تو بیوی مطلقہ نہیں ہو گی تاہم اگر اس شخص کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

وفي الهندية: ولو قال امرأته الحبشية طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشية لا يقع عليها وعلى هذا اذا سمي بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۵۸ كتاب الطلاق، الباب الثاني في ايقاع الطلاق)[۲]

---

[۱] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد الانصاريؒ: رجل قال لامرأته ترا يكي وترا سه اوقال تو يكي سه۔ قال ابوالقاسم الصفارؒ: لا يقع شئ۔ وقال صدر الشهيدؒ: يقع اذا نوى وبه يفتى۔ (خلاصة الفتاوى ج۲ ص۹۸ كتاب الطلاق، الفصل الثاني في الكنايات جنس آخر م۲)

وَمِثْلُهُ في البزازية على هامش الهندية ج۴ ص۱۷۹ كتاب الطلاق، مسائل الايقاع بلا قصد واضافة۔

[۲] قال العلامة ابن همامؒ: ولو قال امرأتي فلانة بنت فلان طالق وسماها بغير اسمها لا تطلق امرأته الا بالنية۔ (فتح القدير شرح الهداية ج۳ ص۳۵۳ كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق)

وَمِثْلُهُ في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۶ كتاب الطلاق، مطلب فيما لو قال امرأته طالق۔ الخ

طلاقِ رجعی کی عدت گذرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو زبانی ایک طلاق دی اور عدت گذرنے کے بعد اس نے پھر دو طلاق تحریری طور پر دیں، تو کیا اس سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی یا تجدیدِ نکاح ہی کافی ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند نے پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد دو طلاق تحریری طور پر دی ہوں تو تجدیدِ نکاح کافی ہے کیونکہ پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت خاوند سے جدا ہو کر محلِ طلاق نہیں رہی اس لیے پہلی طلاق کی عدت کے بعد دی گئی دو طلاق لغو تصوّر ہوں گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والرجعی لایزیل الملك الا بعد مضی العدۃ۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق) [1]

طلاقِ صریح کے بعد دی گئی طلاق (بائن) کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دو دفعہ کہا تم طلاق ہو، تم طلاق ہو۔ اور پھر کہا "میرے گھر سے چلی جاؤ" تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب:۔ "تم طلاق ہو" دو دفعہ کہنا طلاقِ رجعی ہے لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ "میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاق بائن ہے، طلاقِ رجعی میں اس کو رجوع کا حق حاصل تھا، لیکن طلاقِ رجعی کے بعد جب طلاق بائن (یعنی میرے گھر سے چلی جاؤ) سے یہ حق ختم ہو کر منکوحہ مطلقہ بائنہ ہوگی کیونکہ طلاقِ رجعی کے بعد طلاقِ بائن دی جاسکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ الآیۃ (البقرۃ آیت ۲۲۹)

قال الحصکفیؒ: والبائن یلحق الصریح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المختار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الطلاق، باب الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامۃ الکاسانیؒ: فلا یصح الطلاق الا فی الملك او فی علقۃ من علائق الملك وھی عدۃ الطلاق۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۲۶ کتاب الطلاق (فصل) واما الذی یرجع الی المرأۃ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر علی الھدایۃ ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق فی تفصیل اول کتاب الطلاق لاباب قبلہ۔

[2] وَفی الھندیۃ: والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح بان قال انت طالق ثم قال لھا انت بائن طلقۃ اخری ولایلحق البائن البائن۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۷۷ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۱۹ باب الکنایات۔ (قولہ: والصریح یلحق الصریح والبائن)

دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے

سوال: بیوی کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صریح طلاق جب تک تین دفعہ استعمال نہ ہو تو ایک یا دو دفعہ لفظ طلاق صریح کے استعمال کرنے کی صورت میں خاوند بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے، ایسی حالت میں صرف رجوع ہی کافی ہے۔

لما فی الهندیة: ولو قال انت طالق الطلاق وقال عنیت بقولی طالق واحدة وبقولی الطلاق اخری یصدق فتقع رجعیتان ان کانت مدخولا بها۔[1]

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۵۵ کتاب الطلاق باب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے دوبارہ طلاق دینا

سوال: ایک شخص نے بیوی کو دو طلاق دیں اور پھر رجوع کر لیا لیکن کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کے درمیان پھر اختلافات پیدا ہو گئے تو خاوند نے چھ طلاقیں دے دیں، تو کیا خاوند اب بھی رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: دو طلاق کے بعد رجوع مفید ہے اور اس سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں لیکن دو طلاق دینے کے بعد خاوند کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے جو وہ کسی وقت بھی انفرادی طور پر استعمال کر سکتا ہے، صورت مسئولہ میں خاوند کا رجوع کرنے کے بعد چھ طلاقیں دینے میں ایک طلاق کے لیے محل کی موجودگی کی وجہ سے یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت مُطلّقہ مُغلّظہ ہو کر خاوند کے لیے حلالہ کے بغیر جائز نہیں اور باقی پانچ طلاقیں محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو متصور ہونگی۔

قال الحصکفیؒ: ولا ینکح مطلّقة من نکاح صحیح نافذ بها ای بالثلث حتی یطأها غیره۔[2]

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۵۸۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة)

---

[1] قال العلامة الزیلعیؒ: کقوله انت طالق انت طالق فیقع رجعیتان اذا کانت مدخولاً بها۔
(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۲ ص۱۹۹ کتاب الطلاق)
ومثلهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحران الصریح یحتاج الخ۔

[2] وفی الهندیة: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة وثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة الخ، فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به)

طلاقِ بائن کے اثرات

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور اس پر سات آٹھ مہینے گذر گئے ہیں، اب اگر وہ دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا چاہیں تو ان کو کیا لائحۂ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد میں ہو، طلاقِ بائن میں رجوع کرنا ناکافی ہے، صورتِ مسئولہ میں یہ مرد و زن دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الھندیۃ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ وبعد انقضائھا۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، باب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ... الخ)[1]

لفظ "ہاں" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی، بیوی نے خاوند سے کہا بے غیرت مجھے طلاق دے دو، خاوند نے زمین سے پتھر اٹھا کر بیوی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "ہاں"۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے یہ الفاظ "ہاں" یا بیوی کی طرف پتھر پھینکنا نہ طلاقِ صریح ہے اور نہ طلاقِ کنایہ ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الھندیۃ: ولو قالت انا طالق فقال نعم طلقت ولو قال لہ فی جواب طلقنی لا تطلق وان نوی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۵۶ مطلب کررالطلاق بالواو او بغیرھا ونوی بالثانی الاول)[2]

طلاق کی حکایت کا بیان کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس طلاق کی حکایت کسی مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے، کیا اس حکایت سے دوسری طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ وبعد انقضائھا لان حل المحلیۃ باق۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۷۸ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۲ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ، مطلب فیما قیل .... الخ

[2] وقال الشیخ ابن البزاز الکردریؒ: ولو قالت طلقنی فقال نعم لا وان نوی ۔ (الفتاویٰ البزازیہ علی ہامش الھندیہ ج۴ ص۱۷۶ کتاب الطلاق، تسعۃ فصول، الاول فی صریح الطلاق، نوع آخر فی الفاظ)

الجواب:۔ پہلی طلاق کی حکایت سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی صرف ایک طلاق متصور ہوگی۔

لمافی الهندية : رجل قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها اوقال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء كذا في البدائع ۔ (الفتاوى الهندية ج ا ص۳۵۵ مطلب اذا كرر الطلاق على المرأة المدخول بها ونوى الاخبار) [1]

طلاق کی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے قسم کھاکر کہا کہ اگر میں نے سگریٹ نوشی کی تو میری بیوی کو طلاق ہوگی، تو اس طرح قسم کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کرنے سے نکاح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

الجواب:۔ مذکورہ قسم کھانے کی صورت میں حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی لہٰذا سگریٹ نوشی کے بعد رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

قال العلامة المرغيناني : قوله انت طالق ومطلق وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ۔ (الهداية ج ۲ ص۳۳۸ كتاب الطلاق ، باب ايقاع الطلاق) [2]

مجھ پر بیوی ناجائز طلاق ہوگی" سے طلاق کا حکم

سوال:۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی مجھ پر ایسی طلاق ہوگی جو ناجائز ہو تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ حانث ہونے کی صورت میں اس شخص کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالفعل یا بالقول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

قال العلامة سراج الدين : ولو قال انت طالق ما لا يجوز عليك من الطلاق

---

[1] قال العلامة الكاساني رحمه الله :۔ ولو قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها الخ لان كلامه انصرف الى الاخبار الخ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۲ فصل ومنها النية في احد نوعي الطلاق)

[2] وفي الهندية : هو كانت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية ۔ (الفتاوى الهندية ج ا ص۳۵۴ الباب الثاني في ايقاع الطلاق، وفيه سبعة فصول)

وَمِثْلُهٗ في الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۴۳۹ كتاب الطلاق، باب الصريح۔

طلقت واحدۃ۔ (الفتاوٰی السراجیۃ ص۴۳ کتاب الطلاق، باب عدد الطلاق) [1]

دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس نے اُن سے کہا تم میں سے ایک طلاق ہے، تو اس سے کون سی عورت مطلقہ متصور ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کا وقوع یقینی ہے تاہم تعیین کا اختیار خاوند کو حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے مطلقہ قرار دے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولو قال امرأتی طالق ولہ امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منھن ولہ خیار التعیین۔ (الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۹۷ باب طلاق غیر المدخول بھا، مطلب فیما لو قال امرأتہ طالق ولہ امرأتان او اکثر تطلق واحدۃ) [2]

معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر چند افراد کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے ایک تحریر لکھیں جس میں یہ ہو کہ ہم میں سے جو بھی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کی بیوی اس پر تین طلاق سے طلاق ہو گی، بعد ازاں بعض لوگوں کے مشورہ سے طلاق کا لفظ ساقط کر دیا گیا اور دستخط کرتے وقت طلاق کی شرط معاہدہ میں شامل نہیں تھی، تو کیا معاھدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے کوئی تحریر لکھنا درحقیقت ایک مشورہ ہے اسلئے

---

[1] وفی الھندیۃ: ولو قال لامرأتہ انت طالق ما لا یجوز علیک من الطلاق او ما لا یقع لو علی انّی با لخیار ثلاثۃ ایام تقع واحدۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۷۲ الفصل الثالث فی تشبیہ الطلاق ووصفہٖ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۹۰ کتاب الطلاق۔

[2] وفی الھندیۃ: ولو قال امرأتہ طالق ولہ امرأتان کلتاھما معروفتان کان لہ ان یصرف الطلاق الی ایتھما شاء۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، فصل الاوّل فی الطلاق الصریح)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج۲ ص۷۹ کتاب الطلاق، فصل اوّل، جنس آخر۔

صورتِ مسئولہ میں طلاق اس وقت نافذ العمل ہوگی جب اس پر دستخط ہو کر ثبت ہوں، اندریں صورت جب اصل معاہدہ میں طلاق کا ذکر نہیں تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: و ان لم یقرّ انّہ کتابہ و لم تقم بینۃ لکنّہ وصف الامر علیٰ وجھہ لا تطلق قضاء و لا دیانۃ و کذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ و لم یملّہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۵ کتاب الطلاق۔ مطلب باعتبار بعد الطلاق بالتسارق فی الطلاق بالکتابۃ) [1]

غیر مدخول بہا کو طلاق دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نکاح کے بعد قبل الدخول طلاق دیدی ہو، بعد ازاں وہ اُسے پھر نکاح میں لانے کا خواہشمند ہو، تو ایسی صورت میں اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے ملک نکاح ضروری ہے اس لیے قبل الدخول بھی طلاق واقع ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم اگر تین طلاق متفرق دی ہوں یا صرف ایک طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں ایک طلاق سے منکوحہ جدا ہو کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لیے صرف تجدیدِ نکاح کافی ہوگی، البتہ اگر بیک وقت تین طلاق دی ہوں تو پھر منکوحہ مطلقہ مغلظہ کے حکم میں رہے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: قال لزوجتہ غیر المدخول بھا انت طالق ثلاثًا۔ الخ وقعن والا فرق بانت بالاولیٰ و لم تقع الثانیۃ بخلاف الموطوءۃ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۹۲ کتاب الطلاق، باب طلاق غیر مدخول بھا) [2]

طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق

سوال:۔ زید کی اپنی بیوی سے گھریلو تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے دونوں میں

---

[1] وفی الھندیۃ: وکذلک کل کتاب لم یکتبہ بخطہ و لم یملہ بنفسہ لا یقع بہ الطلاق۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۳۷۹ کتاب الطلاق، باب الثانی، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ)

[2] وفی الھندیۃ: اذا طلق الرجل امرأتہ ثلاثًا قبل الدخول بھا وقعن علیھا فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ و لم تقع الثانیۃ والثالثۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۳۷۳ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول)

ومثلہٗ فی الھدایۃ علیٰ صدر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۹۱ کتاب الطلاق، فصل فی التشبیہ الطلاق ووصفہ۔

کچھ رنجش تھی، ایک روز ان کا چھوٹا لڑکا گھر آیا اور اپنی والدہ سے باتوں باتوں میں گھر کے حالات پوچھے تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ گھر خرچ نہیں دیتا، اس پر لڑکے نے والدہ سے کہا کہ میری کچھ رقم آپ کے پاس موجود ہے آپ اس میں سے خرچ کیوں نہیں کر لیتیں، تو اس کی والدہ نے کہا کہ میں اس رقم کو اُن کی امانت تصور کرتی ہوں، اسی دوران میں زید اور اس کا بڑا لڑکا بھی آ گئے تو بڑے لڑکے نے کہا کہ ان دونوں کی رنجش میں ۱۲ آنے میرے والد کا قصور ہے اور ۴ آنے والدہ کا، زید بیٹے کی اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے کہا اگر تم سب ایسا سمجھتے ہو تو یہ میرے تن پر حرام حرام حرام، اور اس سے کہو کہ چار دیواری چھوڑ کر باقی جو چیزیں بھی لے جانا چاہے اجازت ہے اور جو رقم اس کے پاس موجود ہے اس میں سے اپنا حق المہر وصول کر لیوے اور جو باقی بچے وہ میں نے اس کو بخش دیا۔ ان الفاظ کے بعد جب زید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ پشیمان ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا، اب آنجناب قرآن وحدیث کی رُو سے صحیح فتویٰ صادر فرمائیں۔

نوٹ:۔ اس استفتاء کے جواب میں ایک عالم صاحب نے درج ذیل جواب دیا ہے:۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: صورتِ مسئولہ میں حرام حرام حرام کے لفظ سے کہنے والے کی نیت مراد ہوگی، چنانچہ ھدایہ میں ہے: قال وبقیة الکنایات اذا نوی بھا الطلاق کانت واحدة بائنة۔ (ج ۲ ص ۳۸۹) اگر ان الفاظ سے طلاق ہی مراد لی جائے تو بیوی ایک طلاق بائن سے طلاق ہوگی اور وہ اس عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین بار طلاق کے لفظ سے یا حرام کے لفظ سے طلاق کہہ دیتا ہے تو یہ طلاق ایک طلاق رجعی شمار ہوگی اور ایسے شخص کو چاہیئے کہ فوری طور پر اپنی بیوی سے رجوع کر لے اور اپنے گھر میں بسائے، کیونکہ تین طلاق ایک بار دینا ویسے علی الاجماع بدعت ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی طلاق کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں، مدخولہ کے حق میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ: عن محمود بن لبیدؓ قال اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعًا فقام غضبان ثم قال ایلعب بکتاب اللہ تعالیٰ وانا بین اظھرکم ـــــ سائل کی صورت دوسری حدیث میں اول دلیل موجود ہے: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال طلق ابو رکانة ام رکانة فقال النبی علیہ الصلوٰة والسلام ارجع امرأتك فقال انی طلقتها ثلاثًا قال

قد علمت ارجعها۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث میں ہے کہ ابورکانہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو (یعنی بیوی کو) تین بار اکٹھی طلاق دے دی ہے، حضورؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم رجوع کرلو۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں کچھ زائد الفاظ سے روایت فرمایا ہے کہ:۔ طلق ابورکانۃ امرأتہ فی مجلس واحد ثلاثاً فحزن علیہا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہا واحدۃ۔ ابورکانۃ۔ چنانچہ ابورکانہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر بیوی سے رجوع کرلیا۔ یہ مسئلہ بڑا طویل ہے، اس مسلک پر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قائم ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے حافظ قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔

سائل پر واضح ہو کہ دین کے معاملہ میں تنگی نہیں، امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شخص نقصان سے بچنے کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ حاصل کرکے اس پر عمل کر سکتا ہے، چنانچہ "سبل السلام ص۲۷۳" پر علامہ صنعانیؒ نے طویل بحث فرمائی ہے، اس کی شرح کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ مسئلہ درست ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو اس شخص پر کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان میں سے کس پر عمل کرے کوئی امر ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے ان حالات میں سائل کو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف اور صحابۂ کرامؓ وائمہ عظامؒ کے اقوال کے مطابق اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے رجوع کرلے اور اپنے گھر میں لے جائے اور اسے بسائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ موجودہ عائلی قوانین کے مطابق ایسی صورت میں سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوئی اس لیے فوری طور پر رجوع کرلیا جائے اور سائل دل میں ذرہ برابر بھی ملال پیدا نہ کرے۔ والسلام

یہاں تک تو اس عالم صاحب کا جواب تھا لیکن اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جو کہ قابلِ توجہ ہیں :۔

(۱) صورتِ مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہوگی؟ وقوعِ طلاقِ ثلاثہ کے بارہ میں ائمہ اربعہؒ کا کیا مسلک ہے؟

(۲) حدیث شریف: عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلٍ طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعاً (الحدیث) کا محدثین کے نزدیک صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور

کیا اس حدیث سے عدم وقوع طلاقِ ثلاثہ کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟
(۳) مذکورہ جواب میں ابوداؤد شریف کی ابورکانہ والی حدیث تحریر کی گئی ہے تو کیا یہ حدیث قابلِ حجت اور قابلِ عمل ہے یا نہیں؟
(۴) صورتِ مسئولہ کے مذکورہ جواب میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شہوانی اور نفسانی خواہشات کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟
(۵) مذکورہ جواب میں مجیب نے موجودہ ملکی عائلی قوانین پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟
(۶) امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے خلاف طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے سے کیا تضلیل ائمہ اربعہ لازم آتی ہے یا نہیں؟
مذکورہ بالا سوالوں کے بالوضاحت جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (من دار الافتاء دار العلوم حقانیہ):۔ ان امور کی طرف توجہ دینے سے قبل اصل مسئلہ کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ حرام کا لفظ طلاقِ کنائی ہے اور کنائی طلاق سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہے اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، علامہ شامیؒ نے "بحث طلاق کنائی" میں تصریح کی ہے کہ لفظ حرام عرفاً چونکہ طلاق ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگرچہ اس میں نیت نہ بھی کی گئی ہو، اور دوسرا و تیسرا لفظ حرام لغو ہے کیونکہ بائن طلاق سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے، اور جب پہلی دفعہ حرام کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حرام حرام کہنا لغو ہے اس سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا اس عورت کو عدت میں یا بعد از عدت دونوں حالتوں میں تجدیدِ نکاح کے ذریعہ سے دوبارہ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے اور صرف رجوع ہی کافی نہیں ہے تاوقتیکہ بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ کیا جائے، یہ اُس وقت کہ جب زید نے حرام کے لفظ سے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں بیوی مغلظہ ہوگی جو حلالہ کے بغیر اس کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگی۔ آپ نے جو چھ سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات مختصراً درج ذیل ہیں:۔
(۱) صورتِ مسئولہ میں بائن طلاق واقع ہوگئی ہے نہ کہ رجعی، اور عورت کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے رجوع کافی نہیں بلکہ تجدیدِ نکاح بالرضا ضروری ہوگی، طلاقِ ثلاثہ کے بارے

میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ خواہ دفعۃً واحدۃً دی جائیں یا متفرقاً ایک ہی طُہر میں ہو یا متفرق اطہار میں تمام صورتوں میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاق دینا خواہ متفرقاً تین دفعہ الفاظِ طلاق کہہ دے یا ایک ہی دفعہ اَنْتَ طَالِقٌ ثَلاَ ثًا کہہ دے یہ سب بدعی طلاق ہیں اور اس طرح طلاق دینا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی بلکہ طلاق تو تین واقع ہوں گی، اور چونکہ اس طرح طلاق دینا شرعی طریقۂ طلاق کے خلاف ہے اس لیے اس طرح طلاق دینے والے گنہگار ہوں گے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو مُسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح طلاق دینے پر سرزنش کر کے رجوع کا حکم فرمایا لیکن طلاق کو معتبر قرار دیا (مسلم) اسی طرح ایک دوسرے شخص نے اپنی بیوی کو معاً تین طلاق دے دی تو حضور انورؐ نے فرمایا: عصیت ربك و بانت منك امرأ تك۔ (دارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ معصیت اور گناہ ہے مگر طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔ جو لوگ محمود ابن لبیدؓ کی حدیث سے عدم وقوع طلاق پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال غلط ہے اور عدم وقوع طلاق کا ثبوت اس سے نہیں ملتا، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاً تین طلاق دینا گناہ ضرور ہے لیکن گناہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی، زہر کا پیالہ پینا گناہ ہے مگر موت کا اثر ضرور کرے گا، اسی طرح یہ طلاق اگرچہ بدعی ہے مگر ضرور واقع ہونگی۔

(۳) رکانہؓ والی حدیث میں دو قسم کے الفاظ مروی ہیں، ایک یہ کہ "طلق امرأته ثلا ثًا"۔ دوسری قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ " انه طلق امرأته البتة فقال له النبی علیه الصلوٰة والسلام آللہ ما اردت الا واحدة فقال آللہ ما اردت الا واحدة"۔ پہلی روایت کو جس میں طلق امرأته ثلا ثًا کے الفاظ ہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں: " واما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلا ثًا فجعلها النبی علیه الصلوٰة والسلام واحدة فروایة ضعیفة عن قوم مجهولین"

وأنما الصحيح منها ما قدمناه انه طلقها البتة ۔" (شرح نووی للمسلم ج۱ ص۴۷۸) ابو داؤد نے بھی طلقہا البتۃ والی روایت کو طلقھا ثلاثًا کی روایت سے اصح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:
وھٰذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثًا اھ۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طلقھا البتۃ والی حدیث کے رواہ رکانۃ کے اہلبیت اور اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت رکانہؓ کے واقعۂ طلاق کا علم ان کے اہلبیت اور اولاد کو زیادہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: وحدیث نافع ابن عجیر وعبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فردھا النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اصح من حدیث ابن جریج لانھم ولد الرجل واھل بیتہ وھم اعلم بہ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۰۰) اس سے معلوم کہ رکانہؓ نے انت طالق البتۃ کے الفاظ سے طلاق دی تھی نہ کہ اَنْتِ طَالِقٌ کے الفاظ سے اور چونکہ البتۃ کنائی طلاق کا لفظ ہے، اس میں تین کی نیت بھی صحیح ہے، تو خطرہ تھا کہ رکانہؓ نے تین کی نیت سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہوں اور اس تقدیر پر بیوی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی تھی، اس لیے اس کی نیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آاللہ ما اردت الا واحدۃ، جب آپؐ کو رکانہؓ کے جواب آللہ ما اردت الا واحدۃ سے اطمینان حاصل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جدید سے اس کو بیوی واپس کردی۔ چنانچہ فردھا کے معنی بیان کرتے ہوئے محدثین لکھتے ہیں: "قلت معنیٰ قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانھا مطلقۃ بتطلیقۃ واحدۃ البتۃ اھ (فتح القدیر) لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رکانہؓ نے تین طلاق دی تھیں اور انہی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رجعی طلاق قرار دیا، یہ غلط محض ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

(۴) خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہو یا کسی دوسرے امام کا، اس کا چھوڑنا گناہِ عظیم اور خطرۂ سلبِ ایمان ہے۔ کما صرح بہ العلماء قاطبۃ فی زبرھم واسفارھم لان ھٰذا ترک الدین لاجل ھوی النفس وھو مذموم جدًا۔

(۵) عائلی قوانین میں جو دفعات نکاح و طلاق کے بارے میں رکھی گئی ہیں اُن میں سے اکثر دفعات کو ہر مکتبِ فکر کے علماء نے قرآن وحدیث کے صریح خلاف قرار دیا ہے، لہٰذا جو شخص

ایسی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین پر لوگوں کو چلنے کی تلقین کر رہا ہے وہ لوگوں کو قرآن وحدیث کے خلاف ورزی کی تلقین کر رہا ہے جو کسی طرح بھی ایک عالمِ دین بلکہ ایک مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے، ایسے قوانین کے مصنّفین اور واضعین کے بارے میں قرآنِ کریم کا فیصلہ یہ ہے:
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ ع ۹) آجکل کے قانون سازوں کی حالت اُن لوگوں کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔

(۶) طلاقِ ثلاثہ کو واحد شمار کر لینے سے اگر ائمہ اربعہ رحمہا اللہ کی تضلیل لازم نہ بھی آتی ہو مگر تخطیہ تو ضرور لازم آتا ہے اور یہ بھی کچھ کم درجہ کا جرم نہیں ہے، جن حضرات کی امامت اور پیشوائیتِ مذہبی پر اُمت کا سوادِ اعظم متفق ہو اُن کا تخطیہ کرنے والوں کو کس منطق کی رُو سے حق بجانب تصوّر کیا جائے گا، حالانکہ حضور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے: "اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث) نیز ان تمام ائمہ اربعہ کا فیصلہ اجماعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفہ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ؐ ہی میں بصراحت یہ آچکا ہے کہ وہ ملہم او محدث فی ھٰذہ الامۃ ہیں۔ یہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنہوں نے یکجائی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی شمار کیا ہے اور کسی صحابی یا تابعی نے ان کے اس فیصلہ کیخلاف رائے نہیں دی ہے، تو اُن کے اس فیصلہ کی حیثیت تو ایک گونہ اجماع کی ہے جس سے بعد میں آنے والوں کے لیے خلاف کرنے کا کوئی حق معقول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فیصلوں کے بارے میں حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

لہٰذا ائمہ اربعہ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے اجماعی فیصلہ کے مقابلہ میں ایک یا دو عالم یا امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد میں وہ وزن ہرگز نہیں ہو سکتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہا اللہ تعالےٰ اور اُمّت کے سوادِ اعظم کے متفقہ فیصلہ میں ہے اور فیصلہ بھی وہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے ملہم اور محدث خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہو۔ لہ

لہ قد ذکرہ ھٰذہ المسئلۃ العلامۃ ابن الھمام الحنفیؒ : وقد اثبت انہ یقع ثلاث تطلیقات بلفظ واحد وھو یقول" وذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الیٰ انہ یقع ثلاث " و ایضًا قال : وقد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحًا بایقاع الثلاث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھٰذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لا یسوغ الاجتہاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف " (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۳ کتاب الطلاق)

حضرت ابن ہمامؒ کے مذکورہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کے وقوع پر صحابۂ کرام رض کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اس سے خلاف کرنا جائز نہیں اور صحابۂ کرامؓ کے اجماع پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور ملک العلماء امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف شیعہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا ہے، آپ کے ساتھ کسی صحابی نے اس فیصلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں : واما حکم طلاق البدعۃ فھو انہ واقع عند عامۃ العلماء وقال بعض الناس انہ لا یقع وھو مذھب الشیعۃ۔ وقال ھٰکذا۔ وروینا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان لا یؤتی برجل قد طلق امرأتہ ثلاثًا الا اوجعہ ضربًا واجاز ذٰلک علیہ وکانت قضایاہ بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین فیکون اجماعًا منھم علیٰ ذٰلک۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۶ کتاب الطلاق)

بہر تقدیر یہ مسئلہ امتِ اسلامیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سلف اور خلف جن میں جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں، ان تمام کا اس بات پر اجماع کہ ایک لفظ "طلاق ثلاثہ" سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اب اُن کے اس اجماع سے ایک دو یا کچھ زائد افراد کا خلاف اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ قاضی شوکانیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اس مسئلہ میں اجماع پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ (دیکھئے شرح بلوغ المرام ص ۶)

اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق فرمایا ہے" بانہ مذھب شاذ فلا یعمل بہ اذ ھو منکر"

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۱۵۷ طبع فی المصر)

طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ایک دو تین، ان الفاظ کے کہنے کے بعد فوراً کسی دوسرے شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منہ بند کر دیا اس کے بعد اس نے کسی چیز پر تلفظ نہیں کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس نے طلاق پر تلفظ نہیں کیا، نہ صریح پر اور نہ کنائی پر، بلکہ اس نے صرف عدد پر تلفظ کیا ہے، اور صرف عدد نہ صریح طلاق ہے اور نہ کنائی، طلاق میں عدد کا وہاں اعتبار ہوگا جب طلاق کے بعد متصلاً ذکر کیا جائے۔

قال العلامة قاضی خانؒ: قالت المرأة لزوجها طلقنی فقال الزوج ان شئت الف مرة لا یقع شیء۔ (الخانیة ج۲ ص۲۱۷ کتاب الطلاق)[1]

"میرے گھر سے نکل جاؤ" کے الفاظ کے طلاق پر اثرات

سوال:- اگر خاوند بیوی کو لڑائی جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور یہ الفاظ وہ بار بار دہرائے تو اس سے بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:- یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، اس سے نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، تاہم جھگڑے کے وقت چونکہ دلالتِ حال موجود ہے اس لیے بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہوگی جو تجدیدِ نکاح سے ختم ہو جائے گی۔

قال التمرتاشیؒ: فتخرجی واذهبی وقومی.... ففی حالت الرضا تتوقف الاقسام علی نیتہ....الخ (تنویر الابصار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۲ باب الکنایات)[2]

"ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم

سوال:- خاوند نے بیوی سے جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ: "جاؤ! ماں باپ کے پاس چلی جاؤ"، کیا اس سے نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

---

[1] الجواب:- جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ (امداد المفتین ج۲ ص۶۲۰ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة قاضی خانؒ: قومی اخرجی اذهبی.... لا یقع الطلاق الا بالنیة واذا قال لم انوی الطلاق کان مصدقاً....الخ (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۸، فصل فی الکنایات والمدلولات) — ومثلہ فی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات۔

الجواب: مذکورہ الفاظ کی عربی میں "الحق باھلك" سے تعبیر کی جاتی ہے، فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ طلاق کنائی ہے جس پر تلفظ کرتے وقت نیت کرنے سے طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة قاضی خانؒ: وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فی الاملاء: انه الحق بهٰذه الخمسة اربعة اخری لا ملك لی علیك لا سبیل لی علیك خلیت سبیلك الحق باھلك ۔الخ

(الفتاوٰی قاضیخان علٰی هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۷ فصل فی الکنایات والمدلولات) [1]

"میری بیوی نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہو گی

سوال: ایک شخص نے حاکم کے سامنے یہ کہا کہ "میری بیوی نہیں ہے" حالانکہ اس کے گھر میں اس کی بیوی ہے، کیا ان الفاظ سے اس شخص کا نکاح متاثر ہو گا یا نہیں؟

الجواب: چونکہ یہ الفاظ طلاق کے نہیں اس لیے ان سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو سئل الك امرأة فقال لا لا تطلق اتفاقًا وان نوی۔

(الدرالمختار علٰی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۹۱ باب الصریح) [2]

بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد کیا لیکن اب تک زبانی کچھ نہیں کہا ہے لیکن اس نے ارادہ کے بعد یہ کہا کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: وکنایته مالم یوضع له واحتمله وغیره فلا تطلق الا بنیته او دلالة الحال وفیه۔ الحقی باھلك تقع واحدة بائنة ان نواھا ۔ ملخصًا۔

(شرح الوقایة ج۲ ص۷۷ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

ومِثلُهٗ فی الدرالمختار علٰی هامش ردّالمحتار ج۲ ص۵۰۲ تا ص۵۰۴ باب الکنایات۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وقوله لا عند سؤاله یقول الك امرأة وقوله لا حاجة لی فیك، کما فی البدائع ففی هٰذه الالفاظ لا یقع وان نوی۔

(البحرالرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

ومِثلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۴۰۲ باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول۔

الجواب: صرف ارادۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی البتہ اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے' اس سے ایک طلاقِ بائن تب واقع ہوگی جب اس سے طلاق کی نیت ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: اذھبی وتزوجی تقع واحدۃ۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت ھٰذا القول) علیٰ ان تزوجی کنایۃ مثل اذھبی فیحتاج الی النیۃ۔

(رد المحتار ج ۲ ص۵۱۴ باب الکنایات۔ مطلب المختلفۃ المباننۃ نسبۃ امرأۃ من کل وجہ)[۱]

مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" تو ان الفاظ سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ احتیاطاً اس میں ہے کہ یہ الفاظ کنایات میں داخل کرکے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: ولو قال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[۲]

"تو مجھ سے آزاد ہے" سے طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "آج سے تو مجھ سے آزاد ہے" تو ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو قال لھا اذھبی فتزوجی لا یقع الطلاق الابالنیۃ واذا نوی فھی واحدۃ واذا نوی الثلاث فثلاث۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۳ ص۳۱۶ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات۔ نوع آخر فی قولہ خلیۃ واشباھھا)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص۹۸ الفصل الثانی فی الکنایات۔ جنس آخر فی الامر بالذھاب۔

[۲] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وقولہ لاحاجۃ لی فیک لما فی البدائع ففی ھذہ الالفاظ لایقع وان نوی۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۵۰۱ باب الکنایات۔

الجواب: ۔بیوی سے یہ کہنا کہ "تو مجھ سے آزاد ہے"، ان الفاظ کی عربی زبان میں "سرحتك" سے تعبیر کی جاتی ہے جو عرف میں طلاقِ رجعی میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : فاذا قال سرحتك یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضًا ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات) لہ

"تو مجھ سے جدا ہے" کا حکم

سوال: ۔ایک شخص نے غصّہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ "تو مجھ سے جدا ہے جیسا کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے" اور اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دے، اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: "تو مجھ سے جدا ہے" کے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے اِستعمال ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

لما فی الهندیة : ولو قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن، لا یقع الّا طلقة واحدة بائنة لانه یمکن جعله خبرعن الاوّل وهو صادق فیه فلا حاجة الی جعله انشاء ۔ وفیه ۔ وألحق ابو یوسف بخلیة وبریة ، خلیت سبیلك فارقتك ۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ تا ۳۷۷ القصل الخامس فی الکنایات) ۲ہ

"تو مجھ پر حرام ہے" کا حکم

سوال: ۔اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں تین دفعہ یہ کہہ دیا کہ "وہ مجھ پر حرام ہے"، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: ۔منکوحہ کو یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے"، طلاقِ کنائی ہے جس سے طلاق کا وقوع

لہ وفی الهندیة : ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم او بهشتم او یله کردم ترا ۔ فهٰذا کله تفسیر قوله طلقتك عرفًا حتی یکون رجعیًا ویقع بدون النّیّة ۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ ۔ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة)

وَ مثلُہٗ فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۹۹ الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر ۔ وفی الفتاوی ۔

۲ہ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : حتی ان الرجل لو اذا قال للمرأة انت بائن ولم یقل منّی یقع الطلاق اذا نوی ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۳۱۱ کتاب الطلاق ۔ باب الکنایات ، نوع منه فی قوله انت حرام علی)

نیّت پر موقوف ہے، اس لیے اگر خاوند نے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی، اور اگر تین کی نیت نہ ہو صرف یہ ارادہ ہو کہ اس سے بیوی کو ایک طلاق دیتا ہوں تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر متعدد بار یہ لفظ استعمال کئے جائیں اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہو کر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ اس کا ذکر لغو رہے گا کیونکہ عورت ایک دفعہ طلاق بائن سے جدا ہو جاتی ہے، دوسری یا تیسری دفعہ کے الفاظ کے لیے کوئی محل باقی نہیں رہتا۔ بہرحال اس میں نیت یا مذاکرہ طلاق کے بغیر طلاق کا وقوع ممکن نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ : لان البائن لا يلحق البائن۔ وايضاً قال : قلت لكن عبارة البزازية لو قال لامرأته انت على حرام ونوى الثلاث في احدهما والواحدة في الاخرى صحت نيته عند الامام وعليه الفتوى۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳/۵۱۰ باب الكنايات) [1]

میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، کا حکم

سوال :- اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب :- اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے" یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں، نیّت کی موجودگی میں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے حوالہ سے طلاق رجعی میں شمار کیا ہے جس سے نیت کے بغیر بھی طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

قال ابن عابدينؒ : فاذا قال سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية۔ ايضاً الخ
(رد المحتار ج ۲ ص ۵۰۳ باب الكنايات) [2]

---

[1] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ : وفي الفتاوى اذا قال لامرأته انت على حرام والحرام عنده طلاق ولكن لم ينو طلاقاً وقع الطلاق۔ (الكنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۳ ص ۳۹۹ باب الكنايات في الطلاق)
وَمِثْلُهُ في البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۱۸۸ الفصل الثاني في الكنايات وفيه اجناس الاول۔

[2] وفي الهندية : ولو قال الرجل لامرأته تراچنك باز داشتم او بهشتم او يله كردم ترا ، فهذا الحلة تفسير قوله طلقتك عرفاً حتى يكون رجعياً ويكون بدون النية ۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۷۹ الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية)
وَمِثْلُهُ في الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج ۴ ص ۱۸۹ الفصل الثاني في الكنايات وفيه اجناس الاول۔

وہ مجھے نہیں چاہیئے، کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر بعد میں یہ کہا کہ "وہ مجھے نہیں چاہیئے" کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ طلاق کی نیّت سے کہے جائیں۔

لما فی الھندیۃ: ولوقال لاحاجۃ لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات) [1]

تم چاروں طرف جاسکتی ہو، سے طلاق کا حکم

سوال:- ایک شخص نے غصّہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا "تیرے لیے چاروں راستے کھلے ہیں جس طرف چاہو جا سکتی ہو" شریعتِ مقدسہ میں ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- یہ الفاظ طلاق کنائیہ کے ہیں نیّت کے ہوتے ہوئے اس سے طلاق واقع ہوگی اور بغیر نیّت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ اربعۃ طرق علیك مفتوحۃ لایقع بھذا شیٔ وان نوی الا اذا قال خذی ای طریق شئت وقال نویت الطلاق۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۷۶ الفصل الخامس فی الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: ولوقال لاحاجۃ لی فیك لایقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجۃ لایدل علی عدم الزوجیۃ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۰۷، فصل واما الکنایات واما القسم الثالث)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۳۰۳ باب الکنایات فی الطلاق۔

[2] وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولا یقع باربعۃ طرق علیك مفتوحۃ وان نوی مالم یقل خذی ای طریق شئت۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۱۵، باب الکنایات)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۳۰۴ باب الکنایات فی الطلاق۔

اِس کُتیا کی بچّی کو طلاق

سوال: اگر کوئی شخص گھریلو تنازعہ میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اِس خنزیر کی بچی کو طلاق، اِس کُتیا کی بچی کو طلاق، اِس کُتیا کو طلاق، اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کرتا رہا، اس طریقہ سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: طلاق میں بیوی کو متعین کرنے کے لیے نفسِ اشارہ کافی ہے باقی اس کے بعد ذکر شدہ صفات کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بغیر حلالہ شرعی کے شوہر کے لیے حلال نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: قال لامرأتہ ھٰذہ الکلبۃ طالق طلقت۔ قال ابن عابدینؒ: لا تعتبر الصّفۃ والتسمیۃ مع الاشارۃ۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۹۳ فی اخر باب طلاق غیر المدخول بہا) [1]

بلاقصد وارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلاقصد وارادہ یہ الفاظ کہے کہ میری بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق ہو، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے الفاظ صریح ایسے الفاظ ہیں کہ اس میں ارادہ اور قصد کی کوئی ضرورت نہیں بلا ارادہ بھی واقع ہوجاتی ہے اگرچہ اس شخص کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق قضاءً واقع ہو چکی ہو۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا او مکرھًا او ھازلہ...... او مخطئًا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علیٰ لسانہ الطلاق۔
(الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الطلاق، قبل مطلب فی طلاق المدہوش) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: قال لامرأتہ ھٰذہ الکلبۃ طالق طلقت۔ قال السید احمد الطحطاویؒ تحتہ الظاھر انہ لو لم ینو وقوعہ بالکلبۃ یکون [illegible] ولم یکن بینہ بالعھد وجہ انھا لا تطلق لکون الکلبۃ غیر محل للطلاق۔ (طحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج۲ ص۱۳۰ باب طلاق غیر المدخول بہا)

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید الانصاری رحمہ اللہ: وطلاق اللاعب والھازل وطلاق الرجل الذی اراد ان یتکلم فسبق لسانہ بالطلاق واقع۔ الخ
(خلاصۃ الفتاوٰی ج۲ ص۵۷ کتاب الطلاق)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ۔

طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاقِ ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ جنابِ محترم مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ کلثوم جان دختر سراج احمد ساکن آلوی تحصیل و ضلع ہری پور کو مؤرخہ ۹۸/۳/۲۱ کو اُس وقت تحریری طلاق روانہ کی جب وہ اپنی ایک عزیزہ کی فوتیدگی پر تعزیت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی۔ معمولی سی بات پر میں نے وہ قدم اٹھایا جس سے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی تحریر میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ "میں کلثوم جان دختر سراج احمد کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں" اور ساتھ ہی میں نے حق مہر کا چیک بھی بذریعہ رجسٹری مسماۃ مذکورہ کو ارسال کر دیا۔

جنابِ محترم! بعدازاں مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا، اس دن سے آج تک سخت پریشان ہوں۔ جس وقت میں طلاق نامہ لکھ رہا تھا اُس وقت میں کمرے میں بالکل تنہا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے مندرجہ بالا الفاظ کیوں اور کیسے تحریر کئے اور میرا قلم رُک کیوں نہیں گیا۔

جنابِ محترم! میں سمجھتا ہوں کہ طلاق دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن سمجھنے کے باوجود نہ جانے ایسے کیوں ہو گیا، میں نے اپنی اس غلطی کی معافی اللہ تعالیٰ سے سربسجود ہو کر طلب کی، امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمائیں گے۔

جنابِ محترم! میں نے حال ہی میں اپنے علاقہ کے علماء دین سے رابطہ کیا کہ شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں بلا حلالہ وتجدید نکاح ہو سکے۔ علماء کرام نے میرے اس مسئلہ کا مثبت حل نکالا جس سے مجھے تسلی ہوئی۔ لیکن پھر بھی میں آپ جیسے عظیم مفکر اور عالمِ دین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مزید تسلی کے لیے آپ قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں جواب سے جس قدر جلد ہو سکے نوازیں۔ شکریہ

علاقہ کے علماء کرام کے جواب اور تصدیق و تائید کی فوٹو کاپی بھی ارسالِ خدمت ہے۔

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں ازروئے قرآن وحدیث واجماعِ اُمت تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سنت اور گناہ ہے لیکن جب دے دیں تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امتِ محمدیہ کا یہی مذہب ہے، اب بجز حلالہ شرعی کے کوئی چارہ کار نہیں، ارشادِ قرآنی ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (الآية)

وقال الامام النوویؒ فی شرح مسلم: وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعی ومالك وابوحنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث واحتج الجمهور لقوله تعالیٰ: وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ (الآية) لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلوکانت الثلاث لم یقع لم یقع طلاقه هذا الا رجعیًا فلا یندم۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۴۷۸ کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث)

قال الشامیؒ: وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الی انه یقع الثلاث۔ قال فی الفتح بعد سوق الاحادیث الدالة علیه وهذا یعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلث علیهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بانها کانت واحدةً فلا یمکن الا وقد ثبت النقل عن اکثرهم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ومن هذا قلنا لو حکم حاکم بانها واحدة لم ینفذ حکمه الخ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۱۹ ۴ کتاب الطلاق)

قرآن وحدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کی رُو سے آپ کی منکوحہ مطلقہ ثلاثہ ہے بدون حلالہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حکم صحتِ رجعت کا عدت میں کیا یا وہ عدم وقوع طلاق کے قائل ہوئے وہ مخالف ہیں حکم خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ کی مطلقہ بعد گذارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے کفو میں نکاح کرے اور وہ شخص اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اُسے طلاق دے دے اور وہ اُس کی عدت گذار کر خاوند اوّل کے نکاح میں آسکتی ہے۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اس شرط پر اس سے نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اُس کو اختیار ہو، پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور بعد گذارنے عدت کے خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔

اگر بالفرض حلالہ ساقط کرنے کے لیے آپ غیر مقلد بن جائیں تو بھی حلالہ ساقط نہیں ہو سکتا

اور بدون حلالہ کے شوہر اوّل مطلقہ ثلاثہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ در مختار میں ہے،
ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً
وھوالمختار فی المذھب ۔ (ج ۱ ص۵۱)

اور اس غرض کے لیے غیر مقلد ہونے سے بجائے حلالہ ساقط ہونے کے ایک اور بہت بڑا گناہ سرزد ہو جائے گا جس سے ذہاب ایمان کا بھی اندیشہ ہے۔

کما قال الجوزجانیؒ فی رجل ترک مذھب ابی حنیفہؒ لنکاح امرأۃ من اھل الحدیث فقال اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھبہ الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ۔ (شامی ج ۳ ص۴۹،۴۰، امداد المفتین ج ۱ ص۱۹۱)

ایک، دو، تین" تم آزاد ہو" کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناچاقی کی صورت میں یہ کہے کہ ایک، دو، تین (تم آزاد ہو) ان الفاظ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کتنی؟ جبکہ عرف میں اس کو تین طلاق شمار کیا جاتا ہے، لوگ ان الفاظ "تم مجھ پر تین طلاق سے طلاق ہو"۔ اور مذکورہ بالا الفاظ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ایک عالم دین نے بتایا ہے کہ ان الفاظ سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مذکورہ بالا الفاظ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ وقوع طلاق میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ صورت مسئولہ میں درج شدہ الفاظ عرف میں تین طلاق کیلئے استعمال ہوتے ہوں تو وہاں عرف کے مطابق تین طلاق مغلظہ شمار ہوں گی، اسلئے کہ "تم آزاد ہو" کے الفاظ کو فقہاء نے عرف کی بناء پر طلاقِ صریح کے معنی میں لیا ہے۔ اگرچہ بظاہر مذکورہ جملہ میں عدد اور معدود کا کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے سے مغائر ہیں مگر عرف نے دونوں کو ایک کر دیا ہے، اسی طرح آزاد اگرچہ الفاظ کنائی ہے مگر عرف نے ان کو الفاظِ صریح میں استعمال کیا ہے اس لیے مذکورہ الفاظ انت طالق ثلاثاً کی طرح ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ، وان کان الحرام فی الاصل کنایۃ یقع بہا البائن لانہ لما غلب استعمالہ فی الطلاق لم یبق کنایۃ ولذا لم یتوقف علی النیۃ او دلالۃ الحال ..... ثم فرق بینہ وبین سرحتک فان سرحتک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذاک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح ما لم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۳۸ باب الکنایات، کتاب الطلاق)

کئی دفعہ یہ کہنا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے طلاقِ مغلظہ کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب!

میں بہت آس اُمید سے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں امید ہے آپ ضرور میری راہنمائی کرینگے۔ میری شادی کو ۱۵ سال ہو چکے ہیں، دو بیٹے ہیں جن کی عمریں بالترتیب چودہ اور تیرہ سال ہیں، میں یہاں ابوظہبی میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرا مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ:-

(۱) شادی کے شروع سالوں میں ہی میرے شوہر نے مجھ پر پابندی لگائی کہ "اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کئے تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے"، لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے کیونکہ مجھے یہ بال پسند نہیں ہیں۔

(۲) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر نے یہاں ایک فلپائنی عورت سے تعلق قائم کر لیا اور اس کی اکثر راتیں اُس عورت کے ساتھ گذرنے لگیں، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس بات پر ان سے جھگڑا کیا، بہت زیادہ لڑائی ہوئی تو انہوں نے مجھے منہ پر کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

(۳) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر کی یہاں سے نوکری ختم ہوگئی تو انہوں نے اس فلپائنی عورت کو ہمارے ساتھ ہی فلیٹ میں بلا لیا اور اس کے ساتھ رہنے لگے، میں اور میرے بچے دوسرے کمرے میں ہوتے تھے اور وہ فلپائنی عورت جس کا نام میری وک (MERRY VICK) کیونکہ وہ کرسچن تھی وہ لوگ بیڈروم میں ہوتے تھے، ہر عورت کی طرح یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، اگرچہ ہمارے درمیان جسمانی تعلقات ختم ہو چکے تھے پھر بھی ذہن میں یہ بات تھی کہ رشتے کی ایک ڈور تو باقی ہے۔ ایک دن اسی عورت کی وجہ سے ہمارے درمیان پھر لڑائی ہوئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ نے اس عورت کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، اس انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے، میں مرد ہوں جو چاہوں کروں تم کون ہوتی ہو مجھے منع کرنے یا روکنے والی؟ میں نے جواب دیا کہ آخر میں تمہاری بیوی ہوں میرا تم سے رشتہ ہے، اس نے کہا کہ اگر تم اس رشتے پر اکڑتی ہو تو جاؤ میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کئی لوگوں سے کہا کہ چونکہ میری بیوی میرے ذاتی معاملا میں دخل دیتی ہے اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کرتی ہے وغیرہ۔

(۴) اس لڑائی کے کچھ دنوں بعد میرا بیٹا بیمار ہوگیا تو میں نے اسے کہا کہ بچہ بیمار ہے اور اسے ہسپتال لے کر جانا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں میری طرف سے تم

تم آزاد ہو جو چاہے کرو، مجھے بچے کی پرواہ نہیں ہے، میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بچے میرے لیے زنجیر نہیں ہیں۔

جناب مفتی صاحب! ۱۹۹۳ء کے آخر میں اس کا ویزہ یہاں سے ختم ہو گیا اور وہ واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اس وقت تک فلپائنی عورت میری وِک سے بھی اس کا دل بھر چکا تھا، یہاں سے جانے کے بعد اُس نے ہم لوگوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا لیکن ہمیں کہیں نہ کہیں سے خبر ملتی رہی کہ وہ پاکستان جا کر کسی اور عورت کی زلفوں کا اسیر ہو گیا ہے اور شادی کر رہا ہے، پھر شاید ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم باالصواب

اب تقریباً چھ سال کے بعد وہ لوٹ آیا ہے کیونکہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا، اب وہ یہاں آکر مجھے کہتا ہے کہ میں بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا تم میرے بچوں کی ماں ہو، مجھے پاکستان میں ایک مولوی نے کہا ہے کہ تم اسی بیوی سے تجدید نکاح کر سکتے ہو، اس لیے اب تم میرے ساتھ ان بچوں کی خاطر بیوی بن کر رہو، میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا، وغیرہ وغیرہ۔

جناب مفتی صاحب! میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور میں اب کوئی غلط کام کر کے اپنی آخرت خراب کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ سے رجوع کر رہی ہوں کہ اس مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ شریعتِ مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی اپنا فیصلہ ایک الگ صفحے پر لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اُس کے وکیل کو دکھا سکوں، خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، میں جواب کی شدّت سے منتظر رہوں گی۔ (پریشان حال: مسز شہناز چوہدری ابوظہبی)

الجواب: شریعتِ اسلامی میں حلال اور جائز اشیاء میں سے مبغوض ترین شے طلاق ہے اس سے وہ عظیم رشتہ جو میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں حقیقت و مذاق شرعاً دونوں برابر ہیں بلکہ اِدھر شوہر کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہوتا ہے اُدھر بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ الفاظ صریح (لفظ طلاق) بغیر نیّت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلیئے شوہر کو ان الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے۔

صورتِ مسئولہ کے مطالعہ اور غور سے دیکھنے کے بعد دو قسم کی طلاق کا ثبوت ملتا ہے (۱) طلاقِ معلق کا جو کہ شادی کے شروع سالوں میں..... "کہ اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کیے تو تمہیں طلاق ہے"۔ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ

جس شرط کے ساتھ اس طلاق کو معلق کیا گیا ہو اس کے پورا ہونے کے بعد بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں یہ شرط پوری ہو چکی ہے جس پر آپ کے یہ الفاظ "لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے" دلالت کرتے ہیں، لہٰذا آپ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو چکی ہے۔

(۳) دوسری "طلاق مؤجز": ایک طلاق مؤجز تو رقم ۲ کے ان الفاظ "کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرے رقم ۳ ۱۹۹۳ء کے الفاظ "میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا۔ اس دوسری قسم کی دو طلاق بھی صریح ہیں اس لیے واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ کے مطابق تمام واقعات درست ہوں اور شوہر نے وہ الفاظ بعینہٖ اسی طرح کہے ہوں جو آپ کے خط میں تفصیلاً مذکور ہیں تو بناء برایں آپ کا خاوند بیوی کا رشتہ طلاقِ مغلظہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، اب آپ اس کی بیوی نہیں رہیں اگرچہ بچوں کی ماں ضرور ہیں لیکن ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ اکٹھے رہنا بغیر حلالۂ شرعی کے ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر کسی مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کا کہا ہو تو یہ شرعاً غلط ہے اُس کے قول پر عمل کرنا آپ کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (البقرۃ آیت ۔۔۔) [1]

تمہاری بیوی پر طلاق ہو، کے جواب میں "ہاں" کہنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کسی دوست کے ساتھ کسی موضوع پر میری بات چیت ہو رہی تھی، اس نے باتوں کے درمیان مجھ سے کسی بات کے متعلق پوچھا اور کہا کہ آپ پر آپ کی بیوی تین طلاق پر طلاق ہو کہ جھوٹ نہ بولو گے۔ جواب میں میں نے صرف ہاں کہا، اور پھر میں نے وہ جھوٹ بات کہہ دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مجھے سمجھائیں تاکہ

---

[1] لما فی الهندية: من قال لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق يتعلق الطلاق بالدخول۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۲۰ كتاب الطلاق)

میرے دل سے شک و شبہ نکل جائے؟

الجواب:۔ عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جب اپنے دوست کے خط کشیدہ الفاظ کہنے پر "ہاں" کہا تو سائل ہی حالف بن گیا یعنی اس نے اپنی بیوی پر تین طلاق واقع ہونے کو جھوٹ کہنے سے مشروط کر دیا اور جب اس نے گفتگو میں جھوٹی بات کہی تو اس کی بیوی پر شرط موجود ہونے کی وجہ سے تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو چکی ہے اور اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

درمختار میں ہے، ولو قال عليك عهد الله إن فَعَلْتَ كذا فقال نعم فالحالف المجيب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد۳ ص۱۵۲ کتاب الطلاق)

وفی الشامية: ولا يمين على المبتدئ وان نوى اليمين خانية وفتح اھ اى الاسناده الحلف الى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره۔ (جلد۳ ص۱۵۲)

وفی الدر المختار: قيل له ان كنت فعلت كذا فامرأتك طالق فقال نعم وقد كان فعل طلقت۔ وفي الاشباه القاعدة الحادية عشر السؤال معاد في الجواب، قال امرأة زيد طالق أو عبده حر أو عليه المشي لبيت الله إن فعل كذا وقال زيد نعم كان حالفاً۔ الى آخره

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۱۵۳ کتاب الطلاق)

باب تعلیق تفویض الطلاق

(طلاق معلق ومفوض کے مسائل واحکام)

طلاق کوکسی کام سے معلق کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں گھر جانے سے پہلے مکہ مکرمہ نہ جاؤں تو مجھ پر بیوی طلاق ہے، پھر وہ شخص مکہ مکرمہ جانے سے پہلے ہی گھر چلا گیا، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں گھر کو مکہ مکرمہ جانے پر موقوف کرکے قسم اٹھائی گئی ہے لہٰذا جب یہ شخص مکہ جانے سے پہلے گھر چلا جائے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو گی، چونکہ مکہ مکرمہ جانا امرِ ممکن ہے اس لیے مالی وسائل کے فقدان کی وجہ سے حنث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: واذا اضافه الی الشرط وقع عقیبه اتفاقاً۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذا وغیرها) [1]

کسی کو قتل کرنے پر طلاق معلق کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہوگی، بعد میں اس شخص نے قتل سے اجتناب کیا ہے، اندریں صورت اس کی بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کو عدم قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ میں منعقد ہے تاہم اس شخص پر علی الفور حنث لازم نہیں جس سے اس شخص پر بیوی طلاق ہو، البتہ اگر متعلقہ شخص اپنی موت مر جائے یا قسم کھانے والا اس کو قتل کرنے کے بغیر مر جائے تو ایسی حالت میں اس کی بیوی اس پر طلاق ہوگی، بظاہر الفاظِ قسم میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: لو حلف لیفعلنه بَرَّ بمرة۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ تحت هذا القول، واذا لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: واذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط۔
(الهدایة ج۲ ص۳۸۵ باب الایمان فی الطلاق)
ومثلهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۳۰ کتاب الایمان۔

عن الفعل وذٰلك بموت الحالف او بفوت محل الفعل۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۱۴۸ باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلک) ؎۱

جان بچانے کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے جان کی خلاصی کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم اٹھائی اور یوں کہا کہ طلاق پر قسم ہے میں سچ کہہ رہا ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ سچا نہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال نہیں ہوتے اس لیے ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔

لما فی الهندية: وفی الفتاوٰی لو قال سوگند خورم بطلاق لیس بتطلیقة لان الناس لم یتعارفوہ یمینًا بالطلاق۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج ۲ ص۵۸ الباب الثانی فیما یکون یمینًا ومالا یکون یمینًا۔ الفصل الاوّل فی تحلیف الظلمة وفیما ینوی الحالف غیر ماینوی المستحلف) ؎۲

نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم

سوال:۔ کسی لڑکے کے لیے اس کے والدین نے ایک گھر میں رشتہ کرنا چاہا لیکن لڑکی والوں کے ناجائز مطالبات کی وجہ سے لڑکے نے کہا کہ اگر اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا تو یہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ تو کیا نکاح ہونے کے بعد یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا اس پر طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں چونکہ طلاق کو نکاح سے معلق کیا گیا ہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی پر طلاق واقع ہوگی لیکن قسم میں طلاق کا چونکہ ایک دفعہ ذکر ہے اس لیے دوسری دفعہ نکاح کرنے کے بعد لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول دوبارہ یا سہ بارہ ہو تو

؎۱ قال العلامة المرغینانیؒ: وان حلف لیفعلن کذا ففعله مرة واحدة بر فی یمینه لان الملتزم فعل واحد غیر عین اذ المقام مقام الاثبات فبای فعل فعله وانما یحنث لوقوع الیأس عنه وذٰلك بموته اوبفوت محل الفعل۔ (الهداية ج ۲ ص۵۰۶ باب الیمین فی تقاضی الدراهم)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی الهندية ج ۲ ص۱۲۹ الباب الحادی عشر فی الیمین فی الضرب۔

؎۲ قال العلامة قاضی خانؒ: ولو قال سوگند خورم بطلاق که این کار نکنم لا یکون یمینًا۔ (الفتاوٰی قاضی خان علی هامش الهندية ج ۲ ص۷ فصل فی الفاظ الیمین بالفارسیة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی البزازية علی هامش الهندية ج ۴ ص۲۶۷ کتاب الایمان۔ نوع الثانی فیما یکون یمینًا

پہلی بار ایجاب سے نکاح ہو کر طلاق واقع ہو گی، دوسری یا تیسری بار ایجاب وقبول سے دوبارہ نکاح منعقد ہو گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : شرطه الملك اوالاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق ۔
(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعليق) [1]

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام کے کرنے سے تین طلاق معلق کی ہیں، ابھی تک توحنث کا موقع نہیں آیا ممکن ہے کسی وقت حنث واقع ہو کر عورت مطلقہ مغلظہ بن جائے، ایسی حالت میں اس خطرہ سے بچنے کیلئے اس شخص کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے ؟

الجواب:۔ طلاق معلق کی صورت میں شرط کی موجودگی میں طلاق کا واقع ہونا ایک ضروری امر ہے تاہم اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ یہ شخص بیوی کو طلاق بائن دے کر فارغ کرے، عدت گذارنے کے بعد یہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے تو آزادی کی حالت میں یہ شخص وہ کام کرے جس سے طلاق معلق کی ہے، چونکہ اس وقت عورت اس کی ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی، اور ایک دفعہ حانث ہونے سے یمین پورا ہو کر دوبارہ کرنے سے حنث لازم نہیں آتا اس لیے جب دوبارہ نکاح کرے تو ابھی متعلقہ کام کرنے سے حنث لازم نہیں آئے گا۔

قال ابن عابدینؒ : لوحلف لايخرج امرأته الاباذنه فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة لم يحنث وبطلت اليمين بالبينونة حتى لو تزوجها ثانيًا ثم خرجت بلا اذن لم يحنث۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۴۴ باب التعليق مطلب زوال الملك... الخ) [2]

---

[1] قال العلامة المرغينانیؒ : واذا اضاف الطلاق الى النكاح وقع عقيب النكاح مثل ان يقول لامرأة ان تزوجتك فانت طالق اوكل امرأة اتزوّجها فهى طالق ۔
(الهداية ج۲ ص۳۸۵ باب الايمان فى الطلاق)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث فى تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرها۔

[2] قال العلامة الحصكفى رحمهُ الله : فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدةً ثم بعد العدّة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها ۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار جلد ۲ ص۵۴۵ باب التعليق۔ مطلب اختلاف الزوجين فى وجود الشرط)
وَمِثْلُهٗ فى الهندية ج۱ ص۴۱۶ الباب الرابع فى الطلاق بالشرط، الفصل الاوّل فى الفاظ الشرط۔

طلاق کُلّمَا کی حقیقت

سوال:۔ ایک شخص نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے طلاق کلما دی ہے، اس سے کون سی طلاق واقع ہو گی؟

الجواب:۔ طلاق کلما کی حقیقت حروفِ شرط کے ساتھ ذکر ہو کر خاص الفاظ ہیں، ویسے یہ عنوان معنون کے وجود کے لیے لازم نہیں، اس لیے صرف عنوان ذکر کرنے سے اس کی کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ناقلاً عن البزازیة انه قد اشتهر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علیٰ کلما انه طلاق ثلاث معلق وھذا باطل من ھذیانات العوام۔ (ردّ المحتار حاشیہ الدر المختار ج۲ ص۴۶۵ باب الصریح) [1]

کُلّمَا طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے لیے بڑی تاکید کرتے ہوئے کہا: "اگر میں نے فلاں کام کیا تو جب بھی میں نکاح کروں وہ بیوی مجھ پر طلاق ہو گی"۔ ایسے شخص کو طلاق سے بچانے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے؟

الجواب:۔ ایسی طلاق فقہاء کی اصطلاح میں "طلاق کلما" کے عنوان سے معنون ہے جس میں شخص مذکور اگر متعلقہ کام کرنے کے بعد اصالتاً یا وکالتاً نکاح کرے تو بیوی اس پر طلاق ہو گی، کیونکہ نکاح کے وکیل کے تصرفات کی نسبت بھی مؤکل کی طرف ہوتی ہے۔ تاہم فقہاء نے اس سے بچنے کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی بن جانے کی توقع کی جا سکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی حالت کسی ایسے عالم کے سامنے بیان کرے جو اس کی ضروریات کو جان کر اس کے لیے بحیثیت فضولی نکاح کرائے اور شخص مذکور کسی توکیل یا زبان سے ایجاب و قبول کے بجائے عملی طور پر اجازت دے دے جس سے نکاح متصور ہو گا۔

قال ابن عابدینؒ: والحیلة فیه ما فی البحر ان یزوجه فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیھا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعلیق) [2]

---

[1] وقال ابن البزازؒ: واشتهر ایضاً انه اذا قال جعلت کلما او علیٰ کلما انه طلاق ثلاث معلق وھذا ایضاً باطل وھذا من ھذیانات العوام لانهایة لها۔ (الفتاویٰ البزازیة علیٰ ھامش الہندیہ ج۴ ص۳۴۷ نوع فی تعلیقه بالملک)

[2] وفی الهندیة: واذا قال کل امرأة اتزوجها فھی طالق فزوجه فضولی واجازه بالفعل بان ساق المهر ونحوه لا تطلق۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۴۱۹ الفصل الثانی فی تعلیق الطلاق بکلمة کل وکلما)

ومثله فی البزازیة علیٰ ھامش الھندیة ج۴ ص۲۵۴ نوعٌ فی تعلیقه بالملک۔

میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہو گی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہو گی، اب وہ خود تو گھر نہیں گیا لیکن کسی دوسرے شخص نے اسے اٹھا کر جبراً گھر میں داخل کر دیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ شخص مذکور کی مرضی کے بغیر اسے اٹھا کر جبراً گھر میں لانے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔

لما فی الهندیة: فان احتمله غیره فادخله بغیر امره لم یحنث سواء کان راضیاً بذلك بقلبه او ساخطاً وسواء کان قادراً علی الامتناع او لم یکن۔
(الفتاوی الهندیة ج۲ ص۶۵ الباب الثالث فی الیمین علی الدخول والسکنی)[1]

کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کیلئے طلاق پر قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ اگر تُو اس وقت فلاں کے گھر گئی تو تُو مجھ پر طلاق ہے، اب اگر اس کی بیوی اُسی وقت یا اس کے بعد اُس گھر گئی تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کا قول اُسی مجلس سے خاص ہے، اگر بیوی اس مجلس سے اٹھ کر فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق ہے اور اگر اس مجلس کے بعد اس گھر گئی تو پھر طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال المرغینانیؒ: ولو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فانت طالق فجلست ثم خرجت لم یحنث وکذلك ان اراد ضرب عبده فقال له آخر ان ضربته فعبدی حر فترکه ثم ضربه وهذه تسمی یمین فور تفرد ابوحنیفة باظهاره الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۴۸۶ باب الیمین فی الخروج والاتیان والرکوب وغیر ذلك)[2]

---

[1] قال قاضیخانؒ: ولو حلف ان لا یدخل.... وان احتمله انسان وادخله فیها فان کان الحالف لا یقدر علی الامتناع لا یحنث فی قولهم وان کان یقدر ولم یمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فیه والصحیح انه لا یحنث۔ (فتاوی قاضیخان ج۲ ص۳۱۸، فصل فی الدخول، کتاب الایمان) —— ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۶۵ الفصل السابع عشر فی الیمین فی الدخول۔

[2] قال ابن نجیمؒ: امرأة تهیأت للخروج فحلف لا تخرج فاذا جلست ساعة ثم خرجت لا یحنث لان قصده ان یمنعها من الخروج الذی تهیأت له فکانه قال ان خرجت الساعة ومنه من اراد ان یضرب عبده فحلف علیه لا یضربه فاذا ترکه ساعة بحیث یذهب فورة ذلك ثم ضربه لا یحنث۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۴ ص۳۱۵ باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی والاتیان وغیر ذلك) —— ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۷۰ کتاب الایمان، الفصل الثانی عشر فی الخروج والاتیان والذهاب)

طلاق کے ساتھ متصل انشاء اللہ کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر ساتھ ہی متصلاً یہ کہے "انشاء اللہ تعالیٰ"۔ کیا اس طرح یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق دینے کے بعد متصلاً انشاء اللہ تعالیٰ کہا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: واذا قال الرجل لامرأته انت طالق انشاء الله متصلاً لم يقع الطلاق۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج۳ ص۴۶ كتاب الايمان فى الطلاق)[1]

اگر فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا

سوال:۔ کسی شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہا "اگر اس نے فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا" کیا اس کام کے کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقی عرف میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بیوی کو طلاق دیدی ہو اس لیے مذکورہ الفاظ کہنے کے بارے میں مستقل جزئیہ نہیں ملا لیکن عام قواعد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ: وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمنى لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فيجب ان يجرى عليهم لانه صار بمنزلة قوله ان فعلت فانت طالق، وكذا تعارف اهل الارياف الحلف بقوله على الطلاق لا افعل۔ الخ

(رد المحتار على الدر المختار ج۲ ص۴۶۹ باب الصريح)[2]

طلاق کے لیے کسی اور کو حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو اس طرح دیا کہ میں فلاں ابن فلاں بقائمی ہوش و حواس،

---

[1] قال العلامة التمرتاشيؒ: قال لها انت طالق انشاء الله تعالىٰ متصلاً مسموعاً لا يقع۔
(تنوير الابصار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۵۲ باب التعليق)
وَمِثْلُهٗ فى كنز الدقائق ج۱ ص۱۲۳ باب التعليق۔

[2] وقال العلامة ابن نجيمؒ: وفى فتح القدير وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمنى لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فوجب ان يجرى عليهم ---- الخ
(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج۳ ص۲۵۲ باب الطلاق)
وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج۳ ص۴۶ كتاب الايمان فى الطلاق۔

برضاو رغبت، بلاکسی جبرو اکراہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو تفویض کرتا ہوں، اِس پر اُس کے دستخط اور گواہ بھی موجود ہوں، کیا اس کے بعد والد بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق میں مطلقاً توکیل درست ہے، اس لیے اگر بیٹے نے باپ کو طلاق دینے کے اختیارات دیئے ہوں تو والد کسی وقت بھی ان اختیارات کو استعمال کرکے اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، تاہم بیٹا کسی وقت بھی اس سے رجوع کرسکتا ہے جس کے بعد والد کو طلاق دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واما فی طلقی ضرتك او قوله لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعه منه ولم یقید بالمجلس لانه توکیل محض ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۱۷ باب تفویض الطلاق) [۱]

بیوی کو طلاق کا حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سونپتے ہوئے کہا طلقی نفسك، تو کیا اس اختیار سے عورت تین طلاق بھی استعمال کرسکتی ہے، کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیارِ کلی حاصل ہے لہٰذا اگر عورت تین طلاق استعمال کرنی چاہے تو بھی درست ہے بشرطیکہ شوہر نے تین کی نیّت کی ہو ورنہ ایک طلاق کا اختیار تو عورت کو حاصل ہے ہی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قال لها طلقی نفسك ھٰذا تفویض بالصریح ولا یحتاج الی النیّة والواقع به رجعی وتصح فیه نیة الثلاث ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب تفویض الطلاق) [۲]

---

[۱] قال العلامة طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ما یدل علیٰ جواز الوکالة فی الطلاق وصحته ما نصه ۔ وفی المحیط: سئل شمس الاسلام عمن قال لغیره طلق امرأتك فقال ذٰلك الغیر الحکم لك فقال ان کان الحکم لی طلقتها ..... الخ

(خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص۸۹ کتاب الطلاق، جنس آخر فی التوکیل ..... الخ)

[۲] وفی الهندیة: قال لها طلقی نفسك سواء قال لها ان شئت اولا فلها ان تطلق نفسها ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۴۰۲ الفصل الاوّل فی المشیئة)

بابُ تفریقِ مفقودِ الخبر ونحوہ

(مفقود الخبر وغیرہ کی تفریق کے مسائل)

مفقودُ الخبر کی بیوی کا نکاحِ ثانی کرنا

سوال:۔ ایک بالغ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی کہ اس کا خاوند لاپتہ ہوگیا جس پر آٹھ سال گذر گئے ہیں، تمام ذرائع ابلاغ اور دستیاب وسائل سے اس کی تلاش کی گئی تاہم اس کی موت وحیات کا پتہ نہ چل سکا، لڑکی جوان ہے اور اسکا کوئی سرپرست بھی نہیں، کیا شریعت میں اس کیلئے فسخ نکاح کی کوئی صورت ہے تاکہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کرے۔

الجواب:۔ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی جزئیات پر عمل کرنا مشکل ہے، کیونکہ مدت دراز تک بیوی کیلئے خاوند کا انتظار کرنا متعدد معاشی اور اخلاقی مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔ اس لیئے فقہاء کرام نے امام مالکؒ کے مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ آسانی کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ بوقتِ ضرورت دوسرے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالکؒ فی ھٰذہ المسئلة للضرورة ثم رأیت ما بحثته بعینه۔ ذکرہ محشی مسکین عن السید الحمویؒ وسیأتی نظیر ھٰذہ المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یفتی بقول مالك انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج۳ ص۵۰۹ باب العدة)

وقال فی موضع اٰخر: وذکر الفقیه ابواللیثؒ فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذھب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذھب مالكؒ لانه اقرب المذاھب الیه۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار ج۱ ص۳۸۴)

وقال فی مذھب مالك زوجة المفقود: وقال فی الدر المنتقی بأولیٰ لقول القهستانی لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علی ما اظن (الیٰ ان قال) وقد قال فی البزازیة الفتویٰ فی زماننا علیٰ قول مالكؒ۔ (ردالمحتار جلد ۴ ص ۲۹۵ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذھب مالكؒ فی زوجة المفقود)

اسلیئے ایسی حالت میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، چونکہ فقہاء احناف

نے اس پر عمل کی گنجائش پیدا کی ہے اس لیے یہ فقہ حنفی ہی کا حکم شمار ہوگا ۔

پس جس عورت کا خاوند لاپتہ ہوا اور چار سال اس کے لاپتہ ہونے پر گذر جائیں اور اس کی حیات و ممات کے بارے میں کوئی معلومات نہ ہوں تو اب اگر عورت خاوند کے انتظار میں بیٹھی رہے تو اس کو نان و نفقہ کا مسئلہ درپیش ہوگا، اگر اخراجات کا مسئلہ کہیں سے حل ہو جائے لیکن بغیر خاوند کے بیٹھنے میں کسی بے راہروی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں اپنے آپ کو کسی امتحان میں ڈالنے کے بجائے خلاصی کی صورت تلاش کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے ۔

ایسی عورت کو علماء کرام یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ لے جائے، عدالت ایک سال تک ممکنہ ذرائع سے اس کے خاوند کو تلاش کرے، اگر خاوند کہیں مل جائے یا اس کی موت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو فبہا و نعمت، ورنہ ایک سال کی تحقیق کے بعد متعلقہ عدالت خاوند کی عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی جو عورت کے حق میں طلاق بائن شمار ہوگی جس کی رُو سے عدت گذارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح، اسی حالت میں اگر خاوند کہیں سے آجائے تو عدالت کا فیصلہ اس کے آنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ بیوی دوسرے خاوند کے پاس رہے گی ۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں "مفقود کو باتفاق ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اُس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جبتک اسکے ہم عمر و ہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت بستی میں اُسکے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اُس وقت اُس کی موت کا حکم کیا جاتا ہے یعنی قاضی اسکی موت کا حکم دیدیتا ہے اور اس کی میراث وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے۔ کما ھو مصرح فی کتبہم اور امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجۂ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا کہ جبتک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اُس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسب قاعدہ اُسکی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک زوجۂ مفقود الخبر کو اسکے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جبکہ

اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت و موت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہو گیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کر کے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہو جانے کا غلبۂ ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدتِ وفات گذار کر نکاح کر لینا جائز ہو گا۔

کما فی الشامیۃ تحت قول الدر — (واختار الزیلعی تفویضہ الی الامام) قال فی الفتح فای وقت رأی — المصلحۃ حکم بموتہ (الیٰ ان قال) ومقتضاہ انہ یجتھد ویحکم بالقرائن الظاھرۃ الدالۃ علیٰ موتہ وعلیٰ ھٰذا یبتنی ما فی الجامع الفتاویٰ حیث قال واذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذٰلک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھٰذہ الحالات وان کان احتمالین واحتمال موتہ ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاتہ لان ھٰذا الاحتمال کاحتمال ما اذا ابلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علیٰ حسب ما اختلفوا فی مقدارہ نقل عن الغنیۃ انتھٰی ما فی جامع الفتاویٰ وافتی بہ بعض مشائخنا وقال انہ افتی بہ قاضی زادہ صاحب بحر الفتاویٰ لکن لا یخفی انہ لا بد من مضی مدۃ طویلۃ حتّٰی یغلب علی الظن موتہ لا بمجرد فقدہ عند ملاقات العدو او سفر البحر ونحوہ۔
(رد المحتار ص۳۶۳ ج۳ مطلب فی الافتاء بمذھب مالک فی زوجۃ المفقود)

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کر دے اور بعد ازاں عورت عدتِ وفات گذار کر نکاح کرے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ (جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے) ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکمِ حاکم کے بعد چار سال انتظار کر کے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے، اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ کما فی المغنی ج۹ ص۱۳۳)

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالکؒ

کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ اور منتقیؒ نے قہستانیؒ کا (جو چوتھی صدی ہجری کے مشائخ حنفیہؒ میں ہیں) کا قول نقل کیا ہے : لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ یجاز ۔ (ج ۳ ص ۳۶۲ مطلب قضاء القاضی علیٰ ثلثۃ اقسام) اور ایک عرصہ سے ارباب فتویٰ اہلِ ہند و بیرونِ ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا ہے، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ کہ مثلاً خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ ہو سکے تو اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے ۔ لما فی الدر المختار من ان الحکم الملفق باطل بالاجماع قال الشامیؒ تحتہ مثالہ متوضئ سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحت ھٰذہ الصلوٰۃ ملفقۃ من مذھب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ اھ ۔ وایضاً قال الشامیؒ عن الشرنبلالیؒ تحت قول الدر وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل ـــ اتفاقاً وانہ یجوز لہ العمل بما یخالف ما عملہ علیٰ مذھبہ مقلداً فیہ غیرہ مستجمعاً شرطہ ۔ (ج ۱ ص ۵۵ مطلب لا یجوز العمل بالضعیف) لہٰذا مسئلہ مفقود الخبر میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ علماء احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود و شرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے اس لیے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب اربابِ فتویٰ کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً و نوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کے متعدد علمائے محققین نے نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لیے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ تمام مراسلت کتب خانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ ہے اور ان فتاویٰ کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاویٰ کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب ملتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈال دیئے گئے ہیں اور جوابات مندرجہ ذیل ہیں، ان عبارات کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ عوام کو تو عربی عبارات کی ضرورت نہیں اور اہلِ علم اس نمبر کے حوالے سے آخر رسالہ میں

استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

سوالات

کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں کہ:۔

(اوّل) جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مرگیا کیا اس کی زوجہ کے لیے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کرسکے، اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(دوم) اگر مہلت دی جاوے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہوگی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکمِ حاکم کے بعد سے؟

(سوم) کیا زوجہ مفقود فسخ نکاح میں خود مختار ہے یا قضاء قاضی شرط ہے اور صورت فسخ کی کیا ہوگی؟

(چہارم) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کرلینا کافی ہے؟

(پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ تو وہاں اس کی کیا صورت کی جائے؟

(ششم) مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دارالاسلام سمجھے جاویں گے یا دارالحرب؟ (اعینونا اعانکم اللہ تعالیٰ)

جوابات

(جواب سوال اوّل) زوجہ مفقود کے لیے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دارالاسلام میں صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادتِ شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرتِ عام کی بناء پر بھی شہادت دی جاسکتی ہے۔ کما فی المنتقیٰ[1] للباجی المالکی ص۲۰۳ ج۵ کتاب الاقضیۃ) (فرع) واما النکاح ففی العتبیۃ عن سحنون قال جل اصحابنا یقولون فی النکاح اذا استنشر خبرہ فی الجیران ان فلاناً تزوج فلانۃ

وسمع الزفاف فله ان یشهد ان فلانۃ زوجۃ فلان الخ) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود
لاپتہ ہونا ثابت کرے بعد ازاں قاضی خود بھی اس مفقود کی تفتیش و تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے
مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود
کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مُردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے
ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار
ہوگا۔ اور اب چار سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدتِ وفات
کے لیے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقتِ تاجیل
ضروری ہے۔ کما صرح بذٰلک فی شرح الدرد۔ (صفحہ ۲ ج ۱) حیث قال الخلیل فیوجل
الحر اربع سنین (الیٰ قولہ) ثم اعتدت عدت الوفاۃ وسقطت بہا النفقۃ ولا یحتاج
فیہا الاذن، وقال الدردیر تحتہ لاذن من الحاکم لان اذنہ حصل بضرب الاجل
اولاً اھ۔ ویأتی فی الروایۃ السابعۃ من فتوی العلامۃ محمد طیب بن اسحٰق مفتی
المالکیۃ بالمدینۃ المنورۃ۔ مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کیے
تھے ختم ہو چکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہبِ
حنفیہ کی حتی الوسع رعایت ہو جائے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کو دوبارہ مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ
دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔
یہ حکم مذکور تو دار الاسلام میں تھا اور دار الحرب میں زوجۂ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک

عہ کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام ہم عمر ولوں کے ختم ہو جانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی
شرح الدرعن القنیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا
یکون حجۃ اھ اور مقتضائے قواعد واحتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورت کی
دوبارہ درخواست پر موتِ مفقود کا حکم کر کے عدتِ وفات گذارنے کا حکم دیا تھا۔ اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے
مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں۔
نیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجۂ عنین کو اس سال کے گذر
جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں پس نہ معلوم
انہوں نے عنین اور مفقود میں کیا فرق سمجھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لیے اُس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الروایۃ الثالثۃ من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ الطاھرۃ زادھا اللہ تعالیٰ شرفا واجلالاً۔ (اور بعض حضرات نے اس کی مدت طبعی عمر کے لحاظ پر متعین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوّے ۹۰ برس، بعض کے نزدیک پچھتّر ۷۵ برس بعض کے نزدیک ستّر ۷۰ برس وغیر ذٰلک۔ (ولکن الاولی ان یفوض الی رای اھل الخبرۃ واھل العلم بحالہ من صحتہ وسقمہ وقوتہ وضعفہ) مگر اشہب نے (جو کہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہاء مالکیہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی زوجۂ مفقود الخبر کا وہی حکم رکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا ہے۔ کما ذکرہ ابن رشد فی مقدماتہ (مدونۃ ص۱۵۷ ج۲) حیث قال واما المفقود فی بلاد الحرب فحکمہ حکم الاسیر لا تتزوج امرأتہ ولا تقسم مالہ حتی یعلم موتہ او یأتی علیہ من الزمان ما لا یحییٰ الی مثلہ فی قول اصحابنا کلھم حاشا اشہب فانہ حکم لہ بحکم المفقود فی المال والزوجۃ جمیعاً اھ۔

(جواب سوال دوم) حاکم جو چار سال انتظار کے لیے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ کما فی اول الفتویٰ من العلامۃ سعید بن صدیق المالکی ویؤیدہ باوضح وجہ ما فی الروایۃ العشرین من العلامۃ الموصوف۔

(جواب سوال سوم) زوجۂ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما ھو مصرح فی الروایۃ العشرین من الامام مالک رحمہ اللہ، اور صورتِ مرافعہ اور فسخ کی سوال اوّل کے جواب میں گذر چکی ہے۔

(جواب سوال چہارم) ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اسکے اولیاء کی تفتیش اور اُن کے بیان پر اکتفا نہ کرے بلکہ خود قاضی بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔ کما فی شرح الدردیر ص۳۹۹ من حین العجز عن خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التی یظن ذھابہ الیھا من البلدان بان یرسل الحاکم رسولاً بکتاب لحاکم تلک الاماکن مشتمل علی صفۃ الرجل وحرفتہ

ونسبه ليفتش عنه فيها اھ۔ اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیجکر تحقیق کرے اور اگر اخبار میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے کما لا یخفیٰ اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے اُس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال مزید انتظار کا حکم کرے۔ کما فی الرواية العشرين من فتوى العلامة سعيد بن صديق مفتي المالكية بالمدينة المنورة (زادها الله شرفًا) اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمے ہے، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر زوجہ[عہ] کے پاس مال ہو تو مصارف تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے، کما فی الرواية الخامس عشر من فتوى العلامة الفاهاشم[عہ] اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ، اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کر لیا جائے۔

(جواب سوال پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو اُن کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسا کہ اس جُز (دوم) کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسبِ بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیقِ کامل کے بعد فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

تتمہ هٰذا لجواب اگر زوجۂ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور وہ اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجۂ مفقود کے لیے کافی ہے۔ فانها اذا دخلت في بلد القاضي دخلت

عہ وهٰذا القول الثالث اعدل الاقاويل عندنا، والله تعالىٰ اعلم ۱۲ منہ

عہ افسوس ہے کہ علامہ موصوف اس فتوے کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ ۱۲ منہ

تحت ولایتہ واما المفقود فالولایۃ علیہ لیس[ع] بشرط کما لا یخفیٰ، لیکن اگر زوجۂ مفقود یا زوجۂ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون و عنین بھی اُس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

ع اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں مگر پیشتر اس کے اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایتِ اصلیہ کی بناء پر وہاں کے قاضی کی قضاء نافذ ہوسکتی ہے اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضاء نافذ نہ ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے ولایتِ حال شرط ہے ولایتِ سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارہ میں یکساں شمار ہوں گے۔ وھٰذا لما فی رد المحتار ج ۲ ص۵۱۵ باب الولی۔ مطلب لا یصح تولید الصغیر شیئا علی الصغیرات ص۳۱۴ المجلد الثانی مطبع دار احیاء تراث العربی) تحت قول الدر صغیرۃ زوجت نفسھا ولا ولی ولا حاکم ثمۃ توقف و نفذ باجازتہا بعد بلوغھا لان لہ مجیزًا وھو السلطان۔ قولہ ولا حاکم ثمۃ ای فی موضع العقد قولہ توقف ھٰذا مبنی علیٰ کفایۃ ذٰلک المکان تحت ولایت السلطان وان لم یکن تحت ولایۃ قاض وعلیہ فبطلان العقد یتصور فیما اذا کان فی دار الحرب او البحر او المفازۃ ونحو ذٰلک بخلاف القری والامصار ویدل علیہ ما فی الفتح فی فصل الوکالۃ بالنکاح حیث قال وما لا مجیز لہٗ ای ما لیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل کما اذا کانت تحت حرۃ فزوجہ الفضولی امۃ او اخت امرأتہ او خامسۃ او زوجہ معتدۃ او مجنونۃ او صغیرۃ او یتیمۃ فی دار الحرب او اذا لم یکن سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالۃ العقد فوقع باطلاً۔ اھ۔ چونکہ اس روایت میں مجنونۃ او صغیرۃ فی دار الحرب عام ہے اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ اول ہی سے دار الحرب میں ہو یا پیشتر دار الاسلام میں تھی اور اب دار الحرب میں چلی گئی، اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایتِ سابقہ کا اعتبار نہیں ورنہ اس مجنونہ و صغیرہ کا جو دار الاسلام سے گئی ہو اعتبار ہوتا۔ و نیز قول الشامی ای فی موضع العقد اور ذٰلک المکان تحت ولایت السلطان کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لیے سلطان و قاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے۔ اور مالکیہ نے تو اس کی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے (ولا یزوج) (القاضی) (امرأۃ) ای لا یتولی عقد نکاحھا حیث لا ولی لھا الا الحاکم (لیست بولایتہ) بان کانت خارجۃ عنھا اذ لا ولایت علیھا وان کان اصلھا من اھلھا۔ اھ (ص۲۹۹ جلد۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

(ماخوذ از حیلۃ ناجزہ از ص۵۹ تا ص۶۶)

(جواب سوال ششم) مفقود کا حکم دارالحرب اور دارالاسلام میں مختلف ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔

مگر علمائے مالکیہ کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان ومصر وشام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافر مسلط ہو جانے کے شعائرِ اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دارالاسلام میں ہے بلکہ جس دارالحرب میں شعائرِ اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دارالحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دارالاسلام میں ہے پس اصل بناء امکانِ تفتیش ہے۔ اس لیے ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اُس کا اِس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور زوجۂ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدتِ وفات گذار کر نکاحِ ثانی کا اختیار دیدیا جاوے گا کمافی الروایۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاھاشم اھ۔ والخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب رحمہ اللہ۔

نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کر لیا، رخصتی کے بعد عورت کو معلوم ہوا کہ خاوند حقوقِ زوجیت کی ادائیگی پر قادر نہیں، اب یہ عورت اگر خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:۔ جس عورت کا خاوند پیدائشی طور پر یا کسی ضعف وکمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو عنین کہا جاتا ہے ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ جب اس کو اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے، یہاں تک کہ کہیں ایک دفعہ بھی جماع پر اس کو قدرت حاصل نہ رہی ہو، علاج ومعالجہ سے بھی اس کو قوت کی بحالی ممکن نظر نہیں آتی ہو تو یہ شخص خود عورت کو طلاق دے کر فارغ کر دے تاکہ عورت عدت گذارنے کے بعد باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر کے سکون واطمینان کی زندگی گذار سکے، اسی حالت میں اگر ایک دفعہ بھی خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو تو خاوند کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

اگر خاوند باعزت طریقہ سے عورت کو آزاد کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر عورت مجبور ہو کر اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں لے جا سکتی ہے، حاکمِ وقت تحقیق کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری دے سکتا

ہے جو عورت کے حق میں طلاق بائن متصور ہوگی اور وہ عدتِ طلاق گذارنے کے بعد آزاد ہو کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اقدام بھی چند شرائط پر مبنی ہے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ لما فی الھندیۃ : ان علمت المرأۃ وقت النکاح انہ عنین لا یصل الی النساء لا یکون لھا حق الخصومۃ۔ وفی الدر المختار: تزوج الاولی او امرأۃ اخرٰی عالمۃ بحالہ لاخیار لھا علی المذھب المفتی بہ۔ بحر عن المحیط خلا فالتصحیح الخانیۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۲ ص۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ جماع کر چکا ہے اور پھر عنین ہو گیا تو عورت فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ لما فی الدر المختار، فلوجُبَّ بعد الوصول الیھا۔ (ج ۲ ص۶۴۴ باب العنین) مرۃ قال الشامی: قولہ مرۃ ومازاد علیھا فھو مستحق دیانۃ لا قضاء بحر عن جامع قاضیخان ویأثم اذا ترک الدیانۃ متعنتا مع القدرۃ علی الوطی۔ (باب العنین ج ۲ ص۶۴۵ مطلب باب العنین وغیرہ)

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح[عہ] نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ زندگی بسر کروں گی کیونکہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح کر چکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا ہاں محض سکوت[عہ] سے اس جگہ رضا نہ

عہ یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے۔ کما یدل علیہ اطلاق مالم تقل فی الروایۃ الاتیہ۔ اور تاجیل سے پیشتر بعد از تاجیل کما ھو المصرح فی البدائع ونصہ ھٰذا فالنص ھو تصریح اسقاط الخیار ومایجری مجراہ سواء کان ذٰلک بعد تخییر القاضی او قبلہ اھ مختصراً۔ ۱۲ منہ

عہ بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں۔ کما ھو المصرح فی الدر عن الخانیۃ۔ ۱۲ منہ

سمجھی جائے گی۔ لما فی الدر المختار: فلو وجدته عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقها۔ قال الشامی قوله لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معہ کذا قیدہ فی التاتارخانیۃ عن المحیط۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص۶۲۷ باب العنین وغیرہ۔ مطلب فی طبائع فصول النیۃ الاربع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اُسی مجلس میں تفریق کا اختیار حاصل کرے، پس اگر اس مجلس میں اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہوگئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہوگیا تو اب اُس کا اختیار باطل ہوگیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہوسکتی۔

لما فی الہندیۃ: فان اختارت زوجها اوقامت عن مجلسها او اقامها اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار بطل خیارها وکذا فی المحیط۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

ونیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہوجاتا ہے، مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، وغیر ذلك مما یدل علی الاعراض، اور تبدل مجلس شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہوسکتی ہے۔ والدلیل علیٰ ان بطلان الخیار لایختص بقیامها وقیام القاضی بل کل ما یدل علی الاعراض یبطل الخیار۔ قول الدر حیث قال لو وجد منها دلیل اعراض بان قامت الخ۔ لان هٰذا یدل علیٰ ان القیام ذکر حیث ذکر تمثیلاً والمراد مطلق الاعراض، هٰذا ما عندنا واللّٰہ اعلم بالصواب۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہوچکا قضائے قاضی کے محتاج ہیں بدون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کما فی ردّ المحتار تحت قول الدر: ولا عبرۃ بتاجیل غیر قاضی البلدۃ لان هٰذا مقدمۃ امر لا یکون الا عند القاضی وهو الفرقۃ فکذا مقدمۃ۔ والواجبۃ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب العنین وغیرہ مطلب فی عطف الخاص علی) (الحیلۃ الناجزۃ ص۱۴۷ تا ص۱۴۹)

سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم | سوال:۔ اگر کسی شخص کو کسی جرم کی پاداش میں عدالت کی طرف سے عمر قید کی سزا ہو جائے تو اس کی بیوی کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: ایسے شخص کی بیوی تاحیات صبر کرے گی، اس لیے کہ اس شخص پر مفقود کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے کہ یہ مفقود کے حکم میں نہیں ۔

لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جس کی موت اور حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے، حیات بھی معلوم ہے، لہٰذا یہ مفقود نہیں بلکہ بتحیتہ ضار ہے ۔۔۔۔۔۔ اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں، لہٰذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ (امداد الاحکام جلد ۲ صفہ ۱۷۰ کتاب الطلاق باب التفریق) [۱]

مرتد کی بیوی کا حکم | سوال:۔ اگر ایک مسلمان شخص دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنس کر مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو ایسی حالت میں اس کی بیوی کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا عورت عدت گزارنے کے بعد آزاد ہو کر باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے ۔

لما فی الهندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال - (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) [۲]

---

[۱] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: مفقود الخبر کا حکم دوسرا ہے، اور جس کو سزا دریائے شور دی گئی وہ مفقود الخبر نہیں اور اس کی زوجہ دوسرا عقد شوہر کی زندگی میں نہیں کر سکتی، اور مفقود الخبر وہ ہے جس کا نشان و پتہ اور موت و حیات کچھ معلوم نہ ہو اس کو ایک وقت مقرر پر شرعاً موت کا حکم دے دیا جاتا ہے ۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۲۷۹ کتاب الطلاق)

[۲] قال العلامة الحصکفیؒ: وارتداد احد الزوجین فسخ فلا ینقص عدداً عاجل بلا قضاء ۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۵ باب نکاح الکافر۔ مطلب الصبی والمجنون لها باهل لایقاع طلاق بل للوقوع)
ومثلہ فی الهدایة ج ۲ ص ۳۲۷ باب نکاح اهل الشرک ۔

متعنت کی زوجہ کا حکم سوال: جناب مفتی صاحب! میرا نکاح آج سے چھ سال قبل ہوا تھا، دو تین سال گذرنے کے بعد ہمارے گھریلو حالات خراب ہو گئے اور میرے شوہر نے مجھے میرے والدین کے گھر بھیجدیا اور آج تک میری خبر خیر نہیں لی، میں اِس مصیبت سے کیسے خلاصی حاصل کرسکتی ہوں؟

الجواب: ۔ متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عوارضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتوٰی دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گی ۔

قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: صورتِ بالا میں زوج کی حیثیت متعنت کی ہے جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں :۔ **الجواب** :۔ زوجۂ متعنت کو اوّل تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعوٰی صحیح ثابت ہوجائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعًا جو اسکے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مُدّت کے انتظار و مُہلت کی ضرورت نہیں ۔

(الحیلۃ الناجزۃ ص۷۳ حکم زوجۃ متعنت فی النفقۃ) لہ

دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ سوال :۔ اگر کوئی شخص دیوث ہو اور وہ اپنی بیوی سے زبردستی زنا کرواتا ہو تو

لہ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ ومفتی ظفوالدینؒ : ایسی صورت میں کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور نفقہ نہیں دیتا اس کو لازم ہے کہ زوجہ کو طلاق دیدے، پس اس کو مجبور کیا جائے اور کرایا جائے کہ جس طرح ہو وہ طلاق دے دے، بدون طلاق کے عند الحنفیہ نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں ہوسکتی ...... بعد کے علماء نے تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی شریعت یا شرعی پنچایت کے ذریعہ ہو سکتی ہے ۔ (ظفر) ۔ (فتاوٰی دار العلوم ج ۱۰ ص ۲۲۶ کتاب الطلاق)

اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کس طرح خاوند سے نجات حاصل کرے؟

الجواب: ویسے تو ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد عورت بدون طلاق کے شوہر سے آزاد نہ ہو گی لیکن صورتِ مسئولہ میں یہ عورت شرعی عدالت سے اس بارے میں رجوع کرے یا شرعی پنچایت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کرے، عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلوائے گی یا خود نکاح فسخ کرے گی۔

لما قال الشیخ مفتی عزیز الرحمٰنؒ ومفتی ظفر الدینؒ: اس صورت میں جب تک اس لڑکی کا شوہر طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گزر جائے اُس وقت تک اِس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے، دار القضاء اور شرعی پنچایت کے ذریعے اس طرح کے مصائب سے عورت کو نکالا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۰ ص ۲۳۲ باب التفریق) لہ

مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کا حکم

سوال: ایک شخص نکاح کرنے کے چند سال بعد پاگل ہو گیا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی فرق نہیں آیا، حالتِ جنون میں وہ بہت کچھ کر جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عورت اپنے مجنون خاوند سے اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: بشرطِ صدق وصحتِ سوال اگر اس عورت کا شوہر واقعی مجنون (پاگل) ہو اور وہ اچھے بُرے کی تمیز نہیں کر سکتا ہو اور جنون بھی اس حد تک ہو کہ بیوی کا اس کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور علاج و معالجہ سے بھی بات نہیں بنتی ہو تو اس عورت کو شرعاً اجازت ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح شوہر سے فسخ کروانا چاہتی ہو تو عدالت کی طرف رجوع کرے، عدالت مکمل تحقیقات کے بعد اس کو تنسیخِ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتی ہے جو اس کے لیے کار آمد ہو گی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرائے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو الخ۔ (حیلۃ الناجزۃ ص ۵۲،۵۱ حکم زوجۂ مجنون)

باب الایلاء

(ایلاء کے مسائل و احکام)

بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن چند دن کے بعد یہ شخص اپنی اس بات پر پشیمان ہُوا، اب اس کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- اگر یہ شخص چار ماہ تک اپنی قسم پر قائم رہتے ہوئے بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی خود بخود علیحدہ ہو جائے گی جس کی تحلیل کیلئے تجدید نکاح ضروری ہے، لیکن اگر اس مدت کے دوران بیوی کے قریب چلا جائے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فمن الصریح لو قال واللّٰہ لا اقربك - قال ابن عابدینؒ: ای بلا بیان مدة اشارة الی انه کالموقت بمدة الایلاء لان الاطلاق کالتأبید)

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۹۳ باب الایلاء) [1]

بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنی سوکن کو راضی نہ کیا تو خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں اگر کئی سال گذر جائیں اور وہ شخص عورت کے قریب نہ جائے اور نہ اس کی بیوی اپنی سوکن کو راضی کرے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورت مسئولہ میں یہ قسم ایلاء کے حکم میں ہے، اگر شرط کی موجودگی کے بغیر خاوند بیوی کے قریب گیا تو حانث ہو کر کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہو گا، اور اگر اس قسم پر چار مہینے گذر گئے اور خاوند اپنی قسم پر قائم رہا تو عورت بوجۂ ایلاء طلاق بائن سے جدا ہو جائے گی،

---

[1] وفی الهندیة: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعاً مؤکداً بالیمین باللّٰہ مطلقاً اومؤقتاً باربعة اشهر- (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۹۶، ۹۷ باب الایلاء-

جس میں دوبارہ تحلیل اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والمدۃ اقلھا للحرۃ اربعۃ اشھر ثم قال ففی الحلف باللّٰہ وجبت الکفّارۃ وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء لانتھاء الیمین والا یقربھا بانت بواحدۃ۔ انتھی

وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت ھٰذا القول فلو مضت اربعۃ اشھر لا یقع الطلاق لانحلال الیمین بالحنث سواء حلف علی اربعۃ اشھر او اطلق او علی الابد۔ وقال کذٰلک بانت بواحدۃ لاحاجۃ الی انشاء تطلیق والحکم بالتفریق۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۵۹۳ باب الایلاء) [1]

ایلاء میں رجوع کیلئے بیوی کا انکار کرنا

سوال:۔ اگر خاوند ایلاء میں مدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہو لیکن بیوی اس سے انکار کر رہی ہو تو خاوند کو کیا کرنا چاہیئے تاکہ اس کا نکاح بحال رہے؟

الجواب:۔ ایلاء کی مدت کے دوران منکوحہ خاوند کے نکاح میں رہتی ہے، ایسی حالت میں اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور عورت انکار کر رہی ہو تو منکوحہ ناشزہ (نافرمان) کے حکم میں ہے تاہم اس کے انکار سے نکاح پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اگر خاوند عملی طور پر رجوع سے قاصر ہو تو زبانی طور پر ہی اس کا رجوع کافی ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وکذا حبسھا ونشوزھا ففیؤہ قولہ بلسانہ فئت الیھا۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۵۹۹ باب الایلاء) [2]

✱✱

---

[1] وفی الھندیۃ: فان قربھا فی المدۃ حنث وتجب الکفّارۃ فی الحلف باللّٰہ ---- وان لم یقربھا فی المدۃ بانت بواحدۃ۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

[2] وفی الھندیۃ: ولو عجز عن جماعھا لرتقھا او لکونھا ممتنعۃ او کانت فی مکان لا یعرفھا وھی ناشزۃ ففیؤہ باللسان بان یقول فئت الیھا۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۴۸۵ الباب السابع فی الایلاء۔ ثم الایلاء علیٰ اربعۃ اوجہ)
ومثلہٗ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۲ ص ۲۵۱ باب الرجعۃ۔

باب اللّعان

(لعان کے احکام ومسائل)

لعان کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی پر زنا کاالزام لگاکر والدین کے گھر بھیجدیا، عورت نے فیمیلی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی، کیااس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازروئے شرع بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں خاوند کیلئے چار گواہوں کاپیش کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی۔ تاہم ایسی حالت میں شریعت میں اس کے لیے خصوصی طور پر جو قانون موجود ہے اس کو لعان کہاجاتا ہے جس میں خاوند قاضی کی عدالت میں چار بار قسم کھاکراپنی صداقت ثابت کرے گا اور پانچویں بار یوں کہے گاکہ اگر میں جھوٹ بولوں تومجھ پر خدا کی لعنت ہو۔اس کے بعد پھر عورت بھی چار بار قسم کھاکر خاوند کی تکذیب اوراپنی صداقت ثابت کرے گی اور پانچویں باریوں کہے گی کہ اگر میں جھوٹ بولوں تومجھ پرخدا کاقہروغضب ہو۔اس سے لعان مکمل ہوجائے گااور قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا۔

اگر عدالتی فیصلہ اس حقیقت کا حامل ہوتواس سے عورت کوآزادی مل سکتی ہے ورنہ صرف زنا کی تہمت لگنے سے عورت اپنی ناراضگی کی وجہ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے سے آزادی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔

لما فی الهندية: اذا قال لها یا زانية او انت زنيت او رأيتك تزنی فانه يجب اللعان۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۱۵ كتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان)

وقال الله تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

(پ۱۸، سورة النور آیت ۶،۷،۸،۹)

وفی الهندية: واذا التعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضى بالفرقة

علی الزوج فیفارقھا بالطلاق ۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۵۱۶ کتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان) [1]

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال:۔ لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اُسے حدِ قذف لگاکر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ : وتکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ لان فعل القاضی انتسب الیہ کما فی العنین وھو خاطب اذا اکذب بہ نفسہ۔ الخ

(الھدایۃ ج ۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق۔ باب اللعان) [2]

لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا

سوال: جب میاں بیوی آپس میں لعان کریں تو کیا دونوں کا نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا یا حاکمِ وقت ان میں تفریق کرے گا؟

الجواب:۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسببِ لعان خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکمِ وقت، قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگرچہ دونوں اس پر

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ : واذا التعنا لا تقع الفرقۃ حتی یفرق القاضی بینھما۔ (الھدایۃ ج ۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق۔ باب اللعان)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۳۹ باب اللعان۔ قبل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین۔

[2] وفی الھندیۃ : قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الفرقۃ الواقعۃ فی اللعان فرقۃ بتطلیقۃ بائنۃ فیزول ملک النکاح وتثبت حرمۃ الاجتماع والتزوج ما داما علی حالۃ اللعان ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۱۶، ۵۱۵ کتاب الطلاق۔ الباب الحادی عشر فی اللعان)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۳۹ باب اللعان۔ قبل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین۔

راضی نہ ہوں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وصفته ما نطق النص الشرعی به مِنْ کتاب وسنة فان التعنا ولو اکثره بانت بتفریق الحاکم فیتوا ثان قبل تفریقه الذی وقع اللعان عندہٗ ویفرق وان لم یرضیا بالفرقة۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۸ باب اللعان) [1]

شوہر کا بیوی پر تہمتِ زنا سے انکار کرنا

سوال:۔ اگر عورت کسی کے کہنے پر اپنے شوہر کے خلاف تہمتِ زنا کا دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے جبکہ شوہر اس بات کا انکار کرتا ہو کہ میں نے کسی کو بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی، تو کیا اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً لعان اُسے کہا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائے جو کسی غیر منکوحہ میں موجبِ حدِ زنا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں لعان کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ اس میں شرائطِ لعان موجود ہیں اس لیے اس میں لعان نہیں ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وسببه قذف الرجل زوجته قذفاً یوجب الحد فی الاجنبیة ۔۔۔۔ فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام زوجته الحیة بنکاح صحیح۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۸۰۵،۸۰۶ باب اللعان) [2]

دار الکفر میں بیوی پر تہمتِ زنا سے لعان لازم نہیں آتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص دار الکفر مثلاً امریکہ یا لندن میں اپنی بیوی

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قوله وصفته ما نطق به النص فان التعنا بانت بتفریق الحاکم ولا تبین قبله! ای الحاکم الذی وقع اللعان عنده لو لم یفرق الحاکم حتی عزل او مات فالحاکم الثانی یستقبل اللعان عندهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۱۷ باب اللعان)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة ص۳۴۷ باب اللعان۔

[2] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: اس قسم کا ایک سوال آپ سے بھی کیا گیا تو فرمایا: "حکم لعان دریں صورت بحالتِ موجودہ بلاتحقیق شرائط لعان کردن درست نیست وحکم تفریق نافذ نیست واگر کسے فتویٰ دادہ است آں صحیح نیست بروعمل نباید کرد۔"

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۷ باب یازدہم لعان)

پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اِس بات کی تصریح کی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کا یہ معاملہ دارالاسلام میں ہو، دارالکفر میں ایسا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں تہمتِ زنا کا معاملہ دارالکفر میں پیش آیا ہے اس لیے یہاں لعان نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويشترط .... كون القذف بصريح الزنا كونه في دارالاسلام۔ قال العلامة ابن عابدينؒ: تحت (قوله دارالاسلام) اخرج دارالحرب۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۵۸۶ باب اللعان)[1]

شبۂ زنا موجب لعان نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا شبہ ظاہر کرے پورے یقین سے نہیں کہتا ہو، تو کیا عورت کے مطالبے پر لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان تب ہوگا جب شوہر بیوی پر صریح الفاظ سے زنا کی تہمت لگائے صرف شبہ کی صورت میں لعان نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ میں صرف عورت کے مطالبے پر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فمن قذف بصريح الزنا في دارالاسلام۔ (الدرالمختار على هامش ردّالمحتار ج۲ ص۵۸۶ باب اللعان)[2]

✵ ✵

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمنؒ: (اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا) "لعان کے لیے چونکہ دارالاسلام کا ہونا بھی شرط ہے، کما صرح به في كتب الفقه۔ لہٰذا اس ملک میں لعان کی کوئی صورت نہیں ہے، اور جبکہ لعان نہیں ہے تو تفریق بھی نہ ہوگی۔"

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۹ باب یازدہم۔ لعان)

[2] وفي الهندية: سببه قذف الرجل امرأته قذفاً يوجب الحد في الاجانب فيجب به اللعان بين الزوجين كذا في النهاية: واذا قال لها يا زانية او انت زنيت او رأيتك تزنين فانه يجب اللعان۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۱۵ الباب الحادي عشر في اللعان)

ومثله في فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۸ باب اللعان۔

باب الظہار

(ظہار کے مسائل)

ظہار میں تشبیہ ضروری ہے

سوال: ایک شخص کا کسی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا ہو گیا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری ماں خاموش ہو جاؤ۔" تو ان الفاظ سے اس شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب: بیوی کو "ماں" جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا بذاتِ خود سے بغاوت کے مترادف ہے اس لیے یہ الفاظ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں، تاہم اداتِ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندية: ولو قال لها انت امی لا يكون مظاهراً وينبغی ان يكون مكروها۔ الخ

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۵۰۷ كتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار)[۱]

اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کو یہ کہہ دیا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" اور پھر متصل یہ بھی کہا کہ "اگر میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا یا چائے پی لی تو تو میری بہن ہے۔" کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظہار کے مسئلہ میں اداتِ تشبیہ کا ہونا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی حرفِ تشبیہ نہیں ہے اس لیے "تو میری بہن ہے" کہنے سے نکاح پر کوئی بُرا اثر مرتب نہیں ہوگا تاہم ایسے الفاظ کہنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ یہ کہنا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہو گئی جس میں رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

لما قال الحصكفیؒ: وان نوى بانت علیّ مثل امی براً او ظهاراً او طلاقاً صحت نيته ووقع ما نوى وان لم ينو شيئاً او حذف الكاف لغواً (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب الظهار۔ مطلب بلاغات محمد رحمہ اللہ مسندہ)[۲]

---

[۱] قال ابن نجيمؒ: فعلم انه لا بد فی كونه ظهاراً من التصريح باداة التشبيه شرعاً (البحر الرائق ج ۴ ص ۹۸ باب الظهار۔ كتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب الظهار۔ مطلب بلاغات محمدؒ۔

[۲] قال المرغينانیؒ: ولو قال انت علیّ حرام كامی ونوى ظهاراً او طلاقاً فهو علیٰ ما نوى۔ (الهداية ج ۲ ص ۳۸۹ كتاب الطلاق باب الظهار)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۵۰۷ كتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار۔

ظہار میں عقل و بلوغ شرط ہے

سوال:- کیا طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے یا کہ صبی اور مجنون کا ظہار بھی درست ہوگا؟

الجواب:- قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر تصرف کیلئے عاقل و بالغ ہونا شرط ہے تو طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل بالغ ہونا لازمی ہے۔

وفی الهندية: من الشرائط ان لا يكون معتوهاً ولا مدهوشاً ولا مبرسماً ومغمیٰ عليه ولا نائماً فلا يصح ظهار هؤلاء۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۵۰۸ الباب التاسع فی الظهار)[1]

ظہار میں بطور کفارہ کیا واجب ہوتا ہے

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی سے ظہار کرے تو اس پر بطور کفارہ کیا اور کتنا لازم ہوگا؟

الجواب:- ظہار کرنے سے بیوی شوہر پر اُس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ کرے، جس کے لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جس کے بعد بیوی اُس کے لیے حلال ہو جائے گی۔

وفی الهندية: وحكم الظهار حرمة الوطئ والدواعی الی غاية الكفارة۔
(الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۵۰۶ باب الظهار)[2]

---

[1] قال العلامة ابو بكر الكاسانیؒ: منها ان يكون عاقلاً اما حقيقة او تقديراً فلا يصح ظهار المجنون والصبی الذی لا يعقل لان حكم الحرمة وخطاب التحريم لا يتناول من لا يعقل۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۳۲ فصل الشرائط فانواع بعضها)

[2] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلی: تحريم الوطئ بالاتفاق قبل التكفير لكن اعند الجمهور غير الشافعية تحريم جميع انواع الاستمتاع ...... الكفارة كما دل القرآن والسنة النبوية فيما سبق انواع ثلاثة: (۱) عتق رقبة سالمة من العيوب صغيرة او كبيرة ذكراً ام انثیٰ (۲) صيام شهرين متتابعين (۳) اطعام ستين مسكيناً يوماً واحداً غداءً وعشاءً عند الحنفية۔
{الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص ۶۰۱، ۶۰۲ المطلب الثالث اثر الظهار۔ المطلب الرابع كفارة الظهار}

تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں

سوال:۔ ایک شخص نے غصے میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے قریب آیا تو گویا میں اپنی ماں کے قریب آیا، تو کیا ان الفاظ سے ظہار واقع ہوگا یا طلاق؟

الجواب:۔ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ضروری ہے اور طلاق مزیل نکاح کے الفاظ کہنا لازمی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ یہ الفاظ ان دونوں میں داخل نہیں اس لیے ظہار یا طلاق واقع نہیں ہوگا۔

وفی الهندیة: ولو قال ان وطئتکِ وطئت اُمّی فلا شیٔ علیه۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۰۷ الباب التاسع فی الظهار) ؎۱

اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں

سوال:۔ میاں بیوی کے مابین کسی بات پر تنازعہ ہوا تو شوہر نے چادر اٹھا کر کہا کہ اگر میں اِس گھر میں واپس آؤں تو گویا میں اپنی ماں بہن سے زنا کروں۔ شرعاً ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ یہ شخص مظاہر شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ہونا ضروری ہے بغیر اس کے ظہار نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اداۃِ تشبیہ نہیں، لہٰذا اس سے نہ ظہار واقع ہوگا نہ طلاق۔

قال العلامة الحصکفیؒ: تعریفه شرعاً تشبیه المسلم زوجته بمحرم علیه تابیداً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۷۹۴ باب الظهار) ؎۲

؎۱ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: سوال:۔ زید نے اپنی منکوحہ کو لڑائی اور غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو گویا اپنی ماں یا بہن سے کروں، ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار؟
الجواب:۔ عالمگیریہ میں ہے: ولو قال ان وطئتکِ وطئتُ اُمّی فلا شیٔ علیه۔ الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں طلاق وظہار کچھ نہیں ہوا۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند ج۔۱۰ ص۲۱۲ کتاب الطلاق)

؎۲ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: اگر یہ کہا زوجہ کو کہ اگر میں تیرے گھر میں گھسوں تو اپنی ماں سے بدفعلی کروں تو یہ بھی لغو ہے، نہ ظہار ہے نہ طلاق۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۔۱۰ ص۲۱۳ باب الظہار)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۲۹ کتاب الظهار۔

بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک دن ٹی وی پر ہم نے "دین و دنیا" پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب سے یہ سُنا کہ اگر عورت اپنے شوہر سے یہ کہہ دے کہ تو میرا بھائی ہے تو اس سے ظہار واقع ہو جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شرعاً عورت کے ان الفاظ سے ظہار لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں ظہار کا تعلق مرد سے ہے، عورت کے ایسے الفاظ کہنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: اس صورت میں نکاح قائم ہے عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد۔۱ص۲۱۱ باب الظہار) [1]

بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکالنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا کہ پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے پھر تیسری بار بھی اسی طرح کیا اس شخص پر تین دفعہ کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا یا ایک بار ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا؟

الجواب:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کے الفاظ کہے اور اس دوران کوئی کفارہ ادا نہیں کیا ہو تو ایک بار کفارہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا، اور اگر ایک بار ظہار کر کے کفارہ ادا کر دیا پھر ظہار کیا تو دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا اس سے پہلے ادا کیا گیا کفارہ کفایت نہیں کرے گا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدیؒ: واذا کرر الظهار من زوجة واحدة فعليه كفارة واحدة الا ان ظاهر ثم كفر ثم ظاهر بعد الكفارة فعليه كفارة اخرى۔ (الفتاوى المرأة المسلمة ج۲ ص۸۰۲ باب الظهار)

---

[1] قال الامام ابو بکر الجصاص الرازیؒ، قال اصحابنا لا يصح ظهار المرأة من زوجها وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي۔ (احکام القرآن للجصاص ج۵ ص۳۱ فی ظهار المرأة من زوجها)
ومثله فی احکام القرآن للتهانویؒ ج۵ ص۱ المسئلة الرابعة۔

"اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال :۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ: "اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کیا ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ چونکہ ان الفاظ میں اداتِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں ظہار نہیں اور طلاق یا قسم کا ہونا خاوند کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو کر تجدیدِ نکاح کافی ہے، اور اگر قسم کی نیّت تھی تو یہ الفاظ ایلاء میں شمار ہو کر اس میں بھی تجدیدِ نکاح کافی ہے۔

قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : فعلم انہ لابد فی کونہ ظہاراً من التصریح باداۃ التشبیہ شرعاً۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۸ باب الظہار) [1]

دس مرتبہ ظہار سے کفّارہ کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میرے اوپر میری ماں کی طرح دس۱۰ مرتبہ ہو تو کیا یہ شخص ایک مرتبہ کفّارہ دے گا یا دس۱۰ مرتبہ کفّارہ دے گا؟

الجواب :۔ کسی بھی لفظ کی تعداد ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا اُتنی بار اس نے اس لفظ پر تلفظ کیا ہو، جیسے کوئی شخص طلاق دیتے وقت لفظ طلاق عدد کا ذکر کرے تو اتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا یہاں (صورتِ مسئولہ میں) بھی دس۱۰ مرتبہ ظہار واقع ہو چکا ہے، اس لیے یہ شخص دس۱۰ بار کفّارہ دے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : لو قال ان تزوجتك فانت علی کظہر ای مائۃ مرّۃ فعلیہ لکل مرّۃ کفّارۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۶۷ باب الظہار)

⊕ ⊕ ⊕

---

[1] وقال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ :۔ فعلم انہ لا بد فی کونہ ظہاراً من التصریح باداۃ التشبیہ شرعاً ومثلہ ان یقول لہا یا بنتی او یا اختی ونحوہ وفی مثل اُمّی اوکامی ینوی فان کان ینوی الطلاق وقع بائناً۔ (فتح القدیر شرح الہدایۃ ج۴ ص۹۱ کتاب الطلاق، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ۔ باب الایلاء)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ کتاب الطلاق۔ باب الایلاء۔

باب الخلع

(خُلع کے مسائل واحکام)

صرف خُلع کے وعدہ سے عورت آزاد نہیں ہوسکتی

سوال:۔ ایک شخص اگر جرگہ (پنچایت) کے سامنے وعدہ کرے کہ میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کردوں گا، لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کر رہا، کیا اس کا وعدۂ خُلع متصوّر ہوکر عورت آزاد ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع میں میاں بیوی کے درمیان باقاعدہ ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے صرف خُلع کے وعدہ سے عورت کو آزادی نہیں ملتی کیونکہ خُلع ایک عقد اور انشاء کا نام ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یقال خالعت المرأۃ زوجھا مخالعۃ اذا افتدت منه فخلعھا۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۴ باب الخلع) [1]

اجنبی شخص پر بدلِ خلع کے لزوم کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنے پر آمادہ ہو اور اُس کے پاس بدلِ خلع نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص جو اس عورت کے ساتھ آزادی کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ بدلِ خلع کی ذمہ داری اٹھائے تو کیا اس شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کی ادائیگی کی ذمہ داری اگر کوئی اجنبی شخص اٹھائے تو خُلع واقع ہوکر عورت بائن ہوجاتی ہے اور اجنبی شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے، تاہم اس کے بعد اس عورت سے نکاح کرنا الگ معاملہ ہے جس کے وجود یا عدم وجود پر خلع کا وجود موقوف نہیں۔

---

[1] وفی الھندیۃ: وکذا لو قالت طلقتنی بکذا فقال نعم فلیس بشیءٍ لانه وعد۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

وقال ابن نجیمؒ: وشرعًا علی ما اخترنا ازالۃ ملك النکاح المتوقفۃ علی قبولھا بلفظ الخُلع او ما فی معناہ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۷۷ باب الخلع)

ومِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۵۲ فصل واما الطلاق علی مال فھو فی احکامه کالخلع۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : فان خالعها الاب علی مال ضامنًا له ـــ وقال : کالخلع مع الاجنبی۔
قال ابن عابدینؒ : تحت هٰذا القول، وحاصل الامر فیه انهٗ اذا خاطب الزوج فان اضاف البدل الی نفسه یفید ضمانه لهٗ او ملکه ایاه کاخلعها بالف علیّ او علی انی ضامن صح والبدل علیه۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۱۸ باب الخلع مطلب فی خلع الفضولی) [1]

نافرمان عورت سے خُلع کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر مدتوں بلاوجہ بیٹھی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو۔ تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کرکے کچھ رقم وصول کرلے تو کیا خاوند کے لیے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کی نافرمانی بلاوجہ ہو اور خاوند اس میں قصوروار نہ ہو تو خاوند کے لیے خُلع کرکے رقم لینے میں کوئی حرج نہیں، اس حالت میں حق مہر سے زیادہ رقم بھی خُلع میں وصول کی جاسکتی ہے، البتہ اگر خاوند کی کسی کمزوری کی وجہ سے بیوی نافرمان ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا اگرچہ قضاءً جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وکره تحریمًا اخذ شیٔ ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز۔ ایضًا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لا بأس به یفید انها تنزیهیة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۴۵ باب الخلع) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ : وفی البزازیة الکبیرة اذا خلعها ابوها او اجنبی باذنها جاز والمال علیها۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۱ باب الخلع)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۷۹ باب الخُلع

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمه الله : تحت قوله وکره له اخذ شیٔ ان نشز وان نشزت لا ای لا یکره له الاخذ اذا کانت هی الکارهة اطلقه فشمل القلیل والکثیر وان کان اکثر مما اعطاها وهو المذکور فی الجامع الصغیر والمذکور فی الاصل کراهة الزیادة علی ما اعطاها ینبغی حمله علی خلاف الاولی۔
(البحر الرائق ج۴ ص۷۶ باب الخلع)

خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحت و مال کے اعتبار سے نیز دیگر اعتبارات سے بھی معیوب نہیں لیکن اس کی بیوی نے عدالت میں اس کے خلاف خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے جبکہ خاوند تفریق پر راضی نہیں، تو کیا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر تفریق یا خلع کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب خاوند بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع و تفریق کرانے کا حق نہیں، کیونکہ طلاق اور خلع میں رضاءِ زوج شرط ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: واما رکنه فهو الایجاب والقبول لانه عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۴۵ کتاب الطلاق۔ فصل فی الخلع)

وقال الامام السرخسی رحمه الله: والخلع جائز عند السلطان وغیره لانه عقد یعتمد التراضی کسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولایة ایقاع الطلاق ولها ولایة الالتزام العوض۔ (المبسوط للشمس الائمة السرخسیؒ ج۶ ص۱۷۳ باب الخلع)[1]

بدلِ خلع کی مقدار

سوال:۔ کیا بدلِ خلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حقِ مہر سے زائد مال سے خلع کیا جائے تو خاوند کے لیے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہو تو خلع سے بیوی آزاد ہو جائے گی، تاہم اگر اس طرح سے باہمی جدائی کا سبب خاوند کا معاندانہ رویہ اور انسانیت سوز سلوک ہو تو خاوند کے لیے حقِ مہر سے زائد رقم لینا مکروہ ہے ورنہ بصورتِ دیگر ناشزہ (نافرمان) عورت سے حقِ نکاح کے عوض جو مقدار بھی مقرر ہو خاوند کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الهدایة: وان کان النشوز منها کرهنا له ان یأخذ منها اکثر مما

---

[1] وفی الهندیة: وشرطه (ای الخلع) شرط الطلاق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه۔ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحکمه ومایتعلق.

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع۔

اعطاها...... ولواخذ الزیادة جاز قضاءً۔ (الهداية ج۲ ص۳۸۳ باب الخلع) [۱]

ناچاکی کی صورت میں خلع بہتر ہے

سوال :۔ اگر میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو اور ہر وقت ناچاقی رہتی ہو اور حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کا قوی اندیشہ ہو، اس صورت میں اگر عورت خُلع کرنا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ جب طبائع میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی کے بجائے آپس میں نفرت پیدا ہورہی ہو اور اس سے مختلف معاشرتی اور اخلاقی مسائل پیدا ہورہے ہوں تو ان حالات میں اکٹھا رہنے کی بجائے بذریعہ خُلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال الله تبارك وتعالىٰ : فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ط (البقرة آیت ـــ) [۲]

خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے

سوال :۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کسی رقم کے عوض طلاق دینے پر آمادہ ہو تو اس کے نافذ ہونے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے ؟

الجواب :۔ کسی نقد رقم یا جائیداد خواہ حق مہر ہو یا اس سے زائد پر خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں چونکہ عورت مقررہ مال کی خاوند کو ادائیگی کی پابند ہوتی ہے اس لیے اس کی صحت عورت کی قبول پر موقوف ہے ، عورت اگر قبول نہ کرے تو خاوند اس سے جبری طور پر مطالبہ نہیں کرسکتا اور نہ عورت خاوند کو مال کے عوض طلاق دینے پر مجبور کرسکتی ہے ، ایسی طلاق بالمال خلع کے نام سے موسوم ہے جس میں اگر خاوند تین طلاق اکٹھی دے دے تو منکوحہ مُطلقہ مغلظہ کے حکم میں ہوگی ورنہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

---

[۱] وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله : نعم يكون اخذ الزيادة خلاف الاولىٰ۔

(ردّ المحتار على الدّر المختار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج۱ ص۴۹۵ باب الخُلع۔

[۲] قال المرغيناني ؒ: واذ انشاق الزوجان وخافا ان لا يقيما حدود الله فلا بأس بان تفتدی نفسها منه بمال يخلعها به۔ (الهداية ج۲ ص۳۸۳ كتاب الطلاق، باب الخلع)

وَمِثْلُهُ فی الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۶ بابُ الخلع۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ :۔واما رکنه فهو کما فی البدائع اذا کان بعوض الایجاب والقبول۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۶۰۶، ۶۰۵ باب الخلع) [۱]

بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کرسکتا

سوال:۔ ایک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح دونوں کے والدین نے بچپن میں کردیا تھا اب جبکہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، دونوں میں ناچاقی پیدا ہوکر لڑکی باپ کے گھر چلی گئی ہے، بعد میں لڑکے کے والد نے لڑکی والوں سے بدل خلع تین سو روپے لیکر خلع کرلیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ لڑکے کی طرف سے باپ کا کیا گیا خُلع درست ہے؟ اور لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ نہ خود خلع کا اہل ہے اور نہ ہی والد اس کی طرف سے خُلع کرسکتا ہے لڑکی تاحال لڑکے کے نکاح میں ہے اور کسی دوسری جگہ اس کا نکاح جائز نہیں، لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد صحیح صورتحال سامنے آسکتی ہے۔

لما فی الهندیة : اذا خلع الاب علی ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف علی اجازته. کذا فی فتاوی قاضیخان .خلع السکران والمکره جائز وخلع الصبی باطل۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۰۴ الفصل الثالث فی الطلاق بالمال) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة : ولو زاد الزوج علی حرف الجواب فقال طلقتك ثلاثاً بالف عند ابی حنیفةؒ یتوقف علی قبولها فان قبلت یقع الثلاث ویلزمها ألف وان لم تقبل بطل وعلی قولهما یقع الثلاث بألف قبلت ام لا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خانؒ۔

{ الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۹۶
الباب الثامن فی الخلع }

[۲] ۔ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : وقید بالانثی ای فی متن الکنز) لانه لو خلع ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف خلع الصغیر علی اجازة الولی۔

(البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج ۴ ص۹۱ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۵۳۶ باب الخلع۔

خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! خلع فقہاءِ احناف کے ہاں طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے جبکہ شوافع اس کو فسخِ نکاح میں شمار کرتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقع طلاق بائن فی الخلع رجعی فی غیرہٖ وقوعاً۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (بائن فی الخلع) لانہ من الکنایات الدالۃ علی قطع الوصلۃ فکان الواقع بہٖ بائناً۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۹ باب الخُلع) [1]

ایجابِ خلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں

سوال:۔ خلع میں شوہر نے ایجاب کیا، ابھی عورت نے قبول نہیں کیا تھا کہ شوہر نے رجوع کے الفاظ کہے مگر اس کے باوجود بھی عورت نے خلع قبول کرلیا تو کیا اس سے خلع لازم ہوگا یا شوہر کا رجوع صحیح ہے؟

الجواب:۔ خلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین میں شرعاً رجوع نہیں کیا جاسکتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں شوہر کا رجوع کرنا درست نہیں بلکہ عورت کے قبول کرلینے سے خلع نافذ العمل ہوگا، البتہ اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ہو یمین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعہ عنہ قبل قبولہا ولا یصح شرط الخیار لہ ولا یقتصر علی المجلس ای مجلسہ ویقتصر قبولہا علی مجلس علمہا وفی جانبہا معاوضۃ بمال فصح رجوعہا قبل قبولہ وصح شرط الخیار لہا۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ باب الخلع ص۶۰۶، ۶۰۷) [2]

---

[1] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یقع بہ طلقۃ بائنۃ ولو بدون عوض او نیۃ فی رأی الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ فی الراجح واحمد فی روایۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۰۲ المبحث الخامس آثار الخلع)

ومِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ۔

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: وذھب ابوحنیفۃؒ الی ان الخلع قبل قبول المرأۃ یمین من جانب الزوج فلا یصح الرجوع عنہ لانہ علق طلاقہا علی قبول المال والتعلیق یمین اصطلاحاً ویعتبر معاوضۃ بمال من جانب الزوجۃ لانہا التزمت بالمال فی مقابل افتداء نفسہا وخلاصہا من الزوج۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۸۸ المبحث الثانی، صفۃ الخُلع۔

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

سوال :- ایک شخص نے بیوی کے ساتھ خلع کیا، اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا شرعاً تجدیدِ نکاح سے نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب :- احناف کے ہاں چونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد تجدیدِ نکاح سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں صرف خلع ہوا ہو تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: الواقع ولو بلامال (وبالطلاق) الصریح علیٰ مال طلاق بائن۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۰۸ باب الخلع) [1]

صبی ومجنون کا خُلع نافذ العمل نہیں

سوال :- کیا صبی ومجنون وغیرہ کا خلع صحیح ہے جب وہ اپنی بیوی سے بعوض حقِ مہر یا دیگر اموال کے بدلے خلع کرے؟

الجواب :- خلع ایک قسم کی طلاق ہے اس میں ہر اُس شرط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کیلئے ضروری ہو چونکہ صبی ومجنون اور معتوہ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں اسلئے ان کا خلع کرنا بھی درست نہیں۔

وفی الهندیة: وخلع الصبیّ باطلٌ والمعتوۃ والمغمیٰ علیه ومن مرضٍ بمنزلة الصبیّ فی ذٰلك هٰكذا فی المبسوط۔ (الفتاوىٰ الهندیة ج۱ ص۵۰۴ الباب الثامن فی الخلع) [2]

☆☆

---

[1] وفی الهندیة: وحکمه وقوع الطلاق البائن کذا فی التبیین۔
(الفتاوىٰ الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما حکمه)
ومثلهٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۶۷ باب الخلع۔

[2] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: یشترط فی الخلع ما یأتی (۱) اهلیة الزوج لایقاع الطلاق بان یكون بالغاً عاقلاً فی رأی الجمهور .... فكل من لا یصح خلعه كالصبیّ والمجنون والمعتوه ومن أختل عقله لمرض أو كبر سنٍ۔
(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۴۹۰ المبحث الثالث، شروط الخلع)

باب العنین

(نامرد کے مسائل واحکام)

زوجۂ عنین کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا تو عنین (نامرد) ہے اور حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرسکتا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا، لڑکی جوان ہے شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کے عنین ہونے کا علم نکاح سے قبل منکوحہ کو نہ ہو نیز عورت نے اسکے نامرد ہونے پر علم حاصل ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور خاوند نے اسکے ساتھ ایک دفعہ بھی جماع نہ کیا ہو تو پھر قاضی یا مسلمان حاکم کے حکم سے خاوند کو علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مُہلت دی جائے گی، ایک سال میں اگر وہ صحتیاب نہ ہوسکا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی یا مسلمان حاکم دونوں کے درمیان تفریق کرکے نکاح فسخ کردے گا، اور اگر قاضی یا حاکم فسخ نکاح کے لیے میسّر نہ ہوں تو عورت خود بھی اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے جب وہ اپنے نفس کو اس کے نکاح سے علیحدہ کرنے کے لیے اختیار حاصل کرے۔

لما قال ابن عابدینؒ: ویکفی اختیار نفسها ولا یحتاج الی القضا کخیار العتق قیل وهو الاصل۔ کما فی غایة البیان وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ای عدم الاحتیاج الی القضاء ظاهر الروایة۔ (ردّ المحتار علی الدّر المختار ج۲ ص۶۴۷ باب العنین مطلب فی طبائع فصول السنة الاربع)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت قاضی یا حاکم ہی کے حکم سے جھگڑنے کے وقت سے مقرر کی جائے گی، کسی دوسرے شخص کے کہنے سے قبل از خصومت و تنازع تقرر کا اعتبار نہ ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وعبّر بتأجیل غیر قاضی البلد الواجبة ولا یعتبر بتأجیل غیر الحاکم کائنًا من کان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۴۶ باب العنین مطلب فی عطف الخاص علی العام) وفی الدّر المختار: ویؤجل من وقت الخصومة۔ (ج۲ ص۶۴۶ باب العنین) [1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: واذا کان الزوج عنینًا اجل الحاکم سنة فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأة ذٰلک۔ (الهدایة ج۲ ص۳۹۹ باب العنین وغیره)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۲۳ الباب الثانی فی العنین۔

ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت ابتداءً عنین شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سال دو سال بعد شوہر سے الگ ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کردے تو کیا اس عورت کو شوہر سے الگ ہونے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کو عنین پائے تو اس کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کردے تو پھر اس کو تفریق یعنی فسخ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقھاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما ...... (۲) الا یرضی بالعیب بعد العقد فان کان طالب التفریق جاھلاً بالعیب ثم علم بہ بعد ابرام العقد ورضی بہ سقط حقہ فی طلب التفریق۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)[1]

خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط

سوال:۔ اگر ایک عورت کو کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جماع پر قادر نہیں اس کے باوجود وہ اس کے ظاہری حسن و جمال یا اس کے مال و دولت کے لالچ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے اور کچھ عرصہ کے بعد اس بناء پر تفریق کا مطالبہ کرے کہ یہ شخص جماع پر قادر نہیں ہے تو کیا اس عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں شوہر میں عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کیلئے چند شرائط ہیں۔ (۱) یہ کہ اس عورت کو شوہر کے اُس عیب کا علم نکاح سے قبل نہ ہو۔ (۲) یہ کہ اس عورت کو شوہر کا یہ عیب نکاح سے پہلے معلوم ہو اور اس کے باوجود وہ اس سے نکاح کرے تو پھر اس کو طلبِ تفریق (یعنی نکاح فسخ کرنے) کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح صورتِ مسئولہ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وان اختارتہ بطل حقھا..... اشار ببطلانہ باختیارھا الی انہ لوفرق بینھما ثم تزوجھا ثانیاً لم یکن لھا خیارٌ لرضاھا بحالہ کما لو تزوجتہ عالمۃ بحالۃ علی المفتی بہ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۱۲۵ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

ہیں بھی اس عورت کو فسخِ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال الشیخ ابوزھرۃ رحمہ اللہ: ویشترط للتفریق فی العنۃ والجب والخصاء ثلاثۃ شروط (اولاً) ... تکون عالمۃ بذلك عند العقد فان علمت به عند العقد ورضیت فانہ لیس لھا الحق فی طلب التفریق بسببہ۔

(الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۶ التفریق للعیب) لہ

خصی اور عنین کا حکم ایک ہی ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! جس طرح عنین کے لیے (بغرض علاج معالجہ) ایک سال کی مہلت ہے تو کیا خصی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا بغیر مہلت کے ہی میاں بیوی میں تفریق کی جائے گی؟

الجواب:- عنین اور خصی دونوں کو قاضی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا تاکہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرا کے جماع کے قابل ہو سکے، اور اگر اس کے باوجود وہ جماع کے قابل نہ ہو سکے تو ایک سال کے بعد دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

لما قال الشیخ الامام ابوزھرۃ رحمہ اللہ: أما العنۃ والخصاء فلا یحکم القاضی بالتفریق فیھما بمجرد طلبھا وثبوت عدم قبولھا بل لا بد من تاجیلھا سنۃ ویثبت انہ لم یقربھا وذلك لان عمر رضی اللہ عنہ أجل التفریق سنۃ عندما طلبت امرأۃ التفریق لأن زوجھا لم یقربھا۔ (الاحوال الشخصیۃ ص۳۵۷ التفریق للعیب) ۲ہ

لہ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقھاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما (۱) الایکون طالب التفریق عالماً بالعیب وقت العقد فان علم به فی العقد و عقد الزواج لم یحق له طلب التفریق لأن قبوله التعاقد مع علمه بالعیب رضا منه بالعیب۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

۲ہ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وأجل سنۃ لو عنینا او خصیا وھو من نزع خصیتاہ وبقی ذکرہ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۴ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۶ باب العنین۔

مقطوع الذکر کا حکم | **سوال:۔** اگر کوئی شخص مجبوب ہو (یعنی جس کا آلۂ تناسل بالکل نہ ہو) تو کیا اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب یا مقطوع الذکر ہو جائے تو اس کو مہلت دینے میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جو مہلت دینے سے مقصود ہوتا ہے اس لیے مجبوب کو مہلت دیئے بغیر دونوں کے درمیان قاضی یا جج تفریق کر دے گا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: وجدت زوجها مجبوبًا فرق فی الحال وهو من استوصل ذکره و خصیتاه ...... و انما لم یؤجل لعدم الفائدة۔

(البحر الرائق ج ۴ ص۱۲۲ باب العنین وغیره) [1]

عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم | **سوال:۔** جناب مفتی صاحب! ایک شخص جماع پر تو قادر ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے مادۂ منویہ میں اولاد پیدا کرنے والے جراثیم ختم ہو چکے ہیں جبکہ اس کی بیوی تندرست اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو کیا عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی کو اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بچے عنایت فرمائے اور جسے چاہے نہ دے، جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکمِ قطعی ہے، لہٰذا جب کسی عورت کا خاوند نفسِ جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرائے۔

لما قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا کان الزوج عنینًا اجل الحاکم سنة فان وصل الیها فیها والافرق بینهما اذا طلبت المرأة ذلك۔ (الهدایة ج ۲ ص۳۹۹ باب العنین)

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: اذا وجدت المرأة زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط او صغیره جدًا کالزر ...... فرق الحاکم بطلبها .... بینهما فی الحال ولو المجبوب صغیرا لعدم فائدة التأجیل۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۴۹۴ باب العنین)

باب العدّة

(عدّت کے مسائل)

بیوہ عورت کی عدّت | **سوال:** جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کو دوسرا نکاح کرنے کے لیے کتنی مدت انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا حمل کی وجہ سے عدّت میں کمی بیشی ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کے لیے چار ماہ دس دن عدّت گزارنا ضروری ہے، عدّت کے دوران دوسرا نکاح یا اس کی دیگر سرگرمیوں میں وابستہ رہنا ناجائز اور حرام ہے۔ اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدّت وضع حمل پر موقوف ہے، چاہے ایک گھنٹہ بعد ہو یا ۹ نو مہینے لگ جائیں۔

وقال الله تبارك وتعالى: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط (الطلاق ۴)

وایضًا قال عزّوجلّ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ط (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث الا على زوج اربعة اشهر وعشرًا۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۴۸۷ باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفات وتحریمه فی غیر ذلك الا ثلاثة ایام)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الحصکفیؒ، وضع جمیع حملها ای بلا تقدیر بمدۃ سواء ولدت بعد الطلاق او الموت بیوم او اقل۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۶۵۶ باب العدّۃ)[1]

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: فان كانت المعتدۃ عن الطلاق او الموت حاملًا فعدتها بوضع الحمل۔ وفیه ایضًا وعدۃ الوفاۃ علی الحرۃ اربعة اشهر وعشرًا۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۵۵۰ باب العدّۃ)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۲۸-۵۳۳ الباب الثالث العشر فی العدّۃ۔

مطلقہ قبل الدخول کی عدت

سوال:۔ اگر ایک شخص نے قبل الدخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو کیا ایسی حالت میں مطلقہ پر عدت گذارنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مطلقہ کے ذمہ عدت گذارنا واجب نہیں، لہٰذا طلاق سے جدا ہو کر اس کے فوراً بعد یا تاخیر سے بغیر کسی تحدیدِ مدت کے دوسری جگہ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال اللہ عزوجل: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۹) [۱]

نابالغہ کی عدت

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ نابالغ عورت حیض نہ ہونے کی وجہ سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی لہٰذا تین ماہ گذر جانے کے بعد مطلقہ آزاد ہوگی، تاہم اگر دورانِ عدت حیض کا خون آنا شروع ہو گیا تو پھر عدت مہینوں کے بجائے حیض سے شمار ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ (سورۃ الطلاق آیت ۴)

وفی الھندیۃ: والعدۃ لمن لم تحض لصغر او کبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثۃ اشھر کذا فی النقایۃ، وکذا لو رأت دمًا یومًا ثم لم ترفعدتہا بالشھور وھو الصحیح ولو رأت ثلاثۃ دمًا ثم انقطع فعدتہا بالحیض۔ الخ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۵۲۶ باب العدۃ) [۲]

---

[۱] لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: وشرط وجوبھا (ای العدۃ) ..... الدخول وما یجری مجری الدخول وھو الخلوۃ الصحیحۃ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱ باب العدۃ۔ فصل ومنھا ان یکون النکاح الثانی صحیح)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۲۶ الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

[۲] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وان کانت ممن لاتحیض من صغر او کبر فعدتہا ثلاثۃ اشھر۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۱ باب العدۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۳۰ باب العدۃ۔

معتدۃ عدّت کہاں گذارے گی

سوال :- عدّت گذارنے والی عورت کیلئے عدّت کے دوران خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :- معتدۃ کے لیے خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ، جس گھر میں اس کو طلاق ملی ہو یا خاوند وفات پا گیا ہو عورت وہاں پر ہی عدّت گذارے گی ، اس لیے کہ جس عورت کے اخراجات خاوند کے ذمّہ ہوں اُس کے لیے خاوند کے گھر سے کسی وقت نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ متوفیٰ عنہا زوجہا کے لیے دن میں اتنی ضرورت کے لیے نکلنا مرخص ہے کہ جتنے وقت میں اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرے لیکن رات کو لازمی طور پر شوہر کے گھر آنا ضروری ہوگا ، تاہم اگر مکان کرایہ کا ہو اور بیوہ کے لیے کرایہ کا انتظام مشکل ہو تو پھر اس ضرورت کے تحت والدین کے گھر ایامِ عدت گذار سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تخاف تلف مالھا اولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۴ باب العدۃ)[1]

دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں ، اب دونوں دوبارہ آبادی کیلئے حلالہ پر راضی ہیں لیکن عورت چونکہ حاملہ ہے جس کے لیے وضع حمل کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں ، اس صورت میں یہ عورت کہاں سکونت اختیار کرے گی ؟ کیا خاوند کے ہاں رہ سکتی ہے ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت کے لیے دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے ، تاہم اگر نکاح سے قبل خاوند کی طرف سے کسی فسق وفجور کا خطرہ ہو تو

---

[1] وفی الھندیۃ : علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت ، وفیہ ۔ وان اضطرت الی الخروج من بیتھا..... فی عدۃ الوفات فلا باس عند ذلک ان تنتقل ....الخ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد ۔

اس کے انسداد کے لیے خلوت سے اجتناب کرنا یا دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ زنا وغیرہ کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لهما ان یسکنا بعد الثلث فی بیت واحد، اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیه خوف فتنة وفیه عن المجتبیٰ الافضل الحیلولة بستر ولو فاسقاً فبامرأة۔ الخ

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۵ باب العدّة)[1]

زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر مطلقہ مغلظہ سے خاوند باوجود اقرارِ حرمت کے دورانِ عدت زنا کرے تو کیا اس سے عدت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ سے اگر خاوند دورانِ عدت زنا کا ارتکاب کرے تو عدت جاری رہے گی اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: واما المطلقة ثلاثاً اذا جامعها زوجها فی العدة مع علمه انها حرام علیه ومع اقراره بالحرمة لاتستأنف العدّة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۳۲ الباب الثالث عشر فی العدّة)[2]

عورت کا خاوند کے گھر میں عدّت گذارنے کی وجہ

سوال:۔ طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کا پابند کیوں کیا گیا ہے؟ جبکہ عورت کسی دوسری جگہ بھی عدت گذار سکتی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت پر یہ لازم نہیں کہ وہ طلاق سے معتدۃ ہونے کی صورت میں خاوند کے

---

[1] قال ابن نجیمؒ: فلا بأس بان یسکنا فی بیت واحد اذا کان عدلاً سواء کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلاثاً والافضل ان یحال بینهما فی البینونة بستر الا ان یکون الزوج فاسقاً فیحال بامرأة ثقة تقدر علی الحیلولة بینهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ باب العدّة فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الاحداد۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: لو وطئها بعد الثلاث فی العدّة بلا نکاح عالماً بحرمتها لاتجب عدة اخری لانه زنا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۱ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۵۵۳ فصل فی انتقال العدّة۔

گھر میں رہے، لیکن عدت کے دوران چونکہ اس کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا، اس لیے شریعت نے اس کے اخراجات کا (متبادل انتظام نہ ہونے تک) خاوند کو ذمہ دار قرار دیا ہے، مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو اور بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اس لیے عورت کے لیے خاوند کے گھر کے علاوہ کوئی اور بہتر جگہ میسر نہیں اور طلاقِ رجعی کی صورت ممکن ہے کہ عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہو۔

قال العلامة الامام الكاسانيؒ: وانما تجب هٰذه العدّة اى عدة الاقراء لاستبراء الرحم فوجبت العدة ليعلم بها فراغ الرحم وشغلها۔ وايضًا قال: وانها تجب لاظهار الحزن بفوت نعمة النكاح۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱،۱۹۲ كتاب الطلاق، فصل واما العدّة بالاشهر فنوعان وفى الفصل قبله)[1]

عدّت کی کم از کم مدّت

سوال: غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گذر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کو اعتبار دیا جائے گا؟

الجواب: صاحبینؒ کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لیے کم از کم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کم از کم تین حیض کے لیے نو ۹ دن اور دو طہر کے لیے تیس ۳۰ ایام درکار ہوں گے تاہم عورت کی عادت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: قالت مضت عدتى والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها والا تحتمله المدة لا۔ وقال العلامة ابن عابدينؒ: فى هٰذا المقام وعندهما اقل مدة تصدق فيها الحرة تسعة وثلاثون يومًا ثلاث حيض بتسعة ايام وطهران بثلاثين۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۶۶۵ باب العدة۔ مطلب فى وطئ المعتدة بشبهة)[2]

---

[1] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلى: "فى بيان وجه العدّة" براءة الرّحم وصون النسب واعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقة۔

(الفقه الاسلامى وادلته ج۷ ص۶۲۷ باب العدّة)

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانى رحمه الله: واذا قالت المعتدة انقضت عدتى وكذبها الزوج كان القول قولها مع اليمين۔

(الهداية ج۲ ص۴۰۴ كتاب الطلاق۔ باب العدّة)

وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج۴ ص۱۵۶ باب العدة۔ كتاب الطلاق۔

باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کیلئے عدت ضروری ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر کسی اور شخص کے پاس مدت دراز تک غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث رہی اور کئی سالوں تک اس کا خاوند سے رابطہ نہیں رہا، اسی حالت میں اگر خاوند اس کو طلاق دیدے تو کیا اس عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک منکوحہ کو خاوند سے طلاق نہ ملے تو میاں بیوی کی عرصہ دراز تک باہمی جدائی سے نکاح متاثر نہیں ہوتا، نکاح کی موجودگی میں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہو تو بوجہ نکاح خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اس حالت میں نسب کا انتفاء لعان پر موقوف ہے۔ بایں وجہ جب تک نکاح کی بقاء زوال پر منتج نہ ہو تو عورت کے لیے عدت ضروری ہوگی، اگرچہ عرصہ دراز تک میاں بیوی کا رابطہ منقطع رہا ہو۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (سورۃ البقرۃ آیت)

وقال النبیّ علیہ الصلوٰۃ والسلام: "الولد للفراش"۔ (رواہ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۱۷) عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ [1]

عدت کی ابتداء زوالِ نکاح سے شمار ہوگی

سوال:۔ ایک عورت اپنے خاوند سے چار سال تک جدا رہی اور ایک دوسرے سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب جبکہ خاوند نے خلع کر دیا ہے تو کیا اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق میاں بیوی کے ایک عرصہ تک علیحدہ رہنے کے باوجود ان کا نکاح باقی ہے، زوالِ نکاح چونکہ خلع کرنے یا طلاق دینے سے آتا ہے اس لیے یہ مدت زوال نکاح سے شروع ہو کر عورت پر عدت لازم ہے۔

لما قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ومبدأ العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۶۲ باب العدۃ۔ مطلب فی وطئ المعتدۃ بشبهة) [2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعیة اذا جاءت به لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۰۹ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ) ـ ومثلهٗ فی ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب العدۃ۔ فصل فی ثبوت النسب۔

[2] قال المرغینانیؒ: وابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۲۴ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۱ کتاب الطلاق، فی الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

عدّت کے اندر اندر رجوع بالقول کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی لیکن بعد ازاں عدت کے آخری ایّام میں رجوع کا ارادہ کیا، باہمی تعلّقات کا سہارا لینے کی بجائے صرف دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، تو کیا شخص مذکور اب عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدّت گذرنے سے قبل خاوند کا رجوع معتبر ہے، عدّت کے دوران رجوع کے لیے کسی عملی اقدام کی بجائے رجوع بالقول ہی کافی ہے، اس لیے دو گواہوں کے سامنے اس کے رجوع کو اعتبار دے کر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الھندیۃ: فالرجعۃ ان یراجعھا بالقول ویشھد علی رجعتھا شاھدین۔ الخ [۱]

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۴۶۸ کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعۃ وفیما تحل بہ المطلقۃ وما یتصل بہ)

عدّت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہو، اب جبکہ خاوند اور مطلّقہ کے باہمی تعلّقات مراجعت یا تجدیدِ نکاح سے نہیں بنتے ہوں تو عدت کے دوران مطلّقہ کے اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟

الجواب:۔ مطلّقہ مغلّظہ ہو یا بائنہ، عدّت کے دوران اس کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند باہمی رضامندی سے ان اخراجات کی ادائیگی کیلئے تیار نہ ہو تو عورت حاکمِ وقت یا قاضی کے ذریعہ اس سے ان حقوق کے حاصل کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

قال المرغینانیؒ: واذا طلق الرجل امرأتہ فلھا النفقۃ والسکنی فی عدّتھا رجعیًا کان او بائنًا۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق۔ باب النفقۃ) [۲]

---

[۱] قال المرغینانیؒ: والرجعۃ ان یقول راجعتک او راجعت امرأتی۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۷۳ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۵۷۳ کتاب الطلاق، باب الرّجعۃ۔

[۲] قال ابن عابدینؒ:۔ تحت قول الحصکفیؒ: "وتجب لمطلّقۃ الرجعی والبائن"۔ لان النفقۃ تابعۃ للعدۃ وقید بالرجعی والبائن احترازاً عما لو اعتق ام ولدہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۷۲۶ باب النفقۃ۔ مطلب فی نفقۃ المطلّقۃ......)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ: ج۱ ص۵۵۷ کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ۔

عدّتِ وفات میں عورت کا نان ونفقہ کس کے ذمّہ ہے

سوال :۔ عدّتِ وفات میں جہاں بیوہ کو عدّت گذارنا لازم ہے اس کے اخراجات کی ادائیگی کس کے ذمّہ ہے ؟

الجواب :۔ منکوحہ کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں لیکن خاوند کی وفات سے باہمی تعلّق منقطع ہونے کی وجہ سے خاوند سے یہ ذمّہ داری ساقط ہوجاتی ہے ، چنانچہ ورثاء سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا ، عورت کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے ۔ تاہم جہاں کہیں عورت اخراجات پورا کرنے سے قاصر ہو تو پھر عُصبہ (رشتہ داروں) پر اس کی ذمّہ داری عائد ہوتی ہے ۔

قال برهان الدين المرغيناني رحمه الله : ولا نفقة للمتوفّٰى عنها زوجها۔
(الهداية ج ۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق ۔ باب النفقة)

وقال ايضاً : والنفقة لكل ذى رحم محرم اذا كان صغيراً فقيراً او كانت امرأة بالغة فقيرة ۔ (الهداية ج ۲ ص۴۲۵ كتاب الطلاق ۔ باب النفقة) [1]

ایامِ عدّت میں عورت کا پنشن کیلئے جانا

سوال :۔ میرا شوہر فوت ہوگیا ہے اور مجھے ہر ماہ اپنی پنشن کے لیے اپنے متعلقہ دفتر جانا پڑتا ہے جبکہ دفتر والے میرے بغیر کسی اور کو پنشن نہیں دیتے ، غربت و افلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا ، تو کیا میں دورانِ عدّت پنشن لینے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدّت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے مگر ضرورتِ شدیدہ کو شریعتِ مطہرہ نے مستثنیٰ کیا ہے ، اس لیے اگر آپ کا بغیر پنشن کے گذارہ نہیں ہوتا ہو تو آپ اس مجبوری کی وجہ سے پنشن لینے کے لیے جاسکتی ہیں

---

[1] قال الحصكفيؒ : لا نفقة لاحد عشر وعد منها معتدة موت ۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص۷۰۳ ، باب النفقة ، مطلب لا تجب على الاب نفقة زوجة ابنه الصغير)

ومثلهٗ فى الهندية ج ۱ ص۵۵۸ كتاب الطلاق ، الباب السابع عشر فى النفقات وفيه ستة فصول ، الفصل الثالث فى نفقة المعتدة ۔

مگر ضرورت پورا ہوتے ہی فوراً واپس آنا ضروری ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج اویتھدم المنزل اوتخاف انھدامہ اوتلف مالھا اولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) [۱]

دورانِ عدّت عورت کا ویزہ کے حصول کیلئے نکلنا

سوال:۔ اگر غریب الوطنی میں کسی عورت کا شوہر فوت ہوجائے اور دورانِ عدت عورت کو ویزہ لگوانے کی ضرورت پڑجائے اور عورت کے جائے بغیر ویزہ لگوانا ممکن نہ ہو تو کیا یہ عورت دورانِ عدّت ویزہ لگوانے کیلئے متعلقہ دفتر جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلا ضرورتِ شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت اتنی شدید ہو کہ اُس کے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو اس مجبوری کی خاطر عورت گھر سے نکل سکتی ہے مگر رات کو گھر واپس آنا بہرحال ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت ویزہ کے لیے دورانِ عدّت جاسکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج اویتھدم المنزل اوتخاف انھدامہ اوتلف مالھا اَوْ لا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیہ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فقالوا لا تخرج المعتدۃ عن طلاق اوموت الّا لضرورۃ لأن المطلقۃ تخرج للضرورۃ بحسبھا لیلاً کان اونھاراً والمعتدۃ عن موت کذلک۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل فی الحداد)

[۲] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

دارالحرب میں نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال: اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو کیا یہ عورت عدت گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہو گا؟

الجواب: جب کوئی غیر مسلم عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور وہاں قاضی شرعی نہ ہو تو اولاً تین حیض عدت گذار کر پہلے شوہر سے آزاد ہو جائے گی اور پھر تین حیض عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو اسلم احدهما ثمه لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الآخر۔ قال ابن عابدینؒ: وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۴۱ باب نکاح الکافر)[۱]

عدت وفات کے دوران حج کے لیے جانا

سوال: جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے داخلہ کیا ہے اور منظوری بھی ہو چکی ہے کہ اس دوران میرے شوہر کا انتقال ہو گیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں اس حالت میں (عدت کے دوران) حج کی ادائیگی کے لیے جا سکتی ہوں؟

الجواب: بیوہ عورت کا عدت کے دوران شرعاً بلا ضرورت شدیدہ کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ جہاں جان و مال یا کسی اندام کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے نکلنا مرخص ہے۔ حج اگرچہ اسلامی فریضہ ہے مگر علی الفور نہیں، لہٰذا اگر داخلہ کرنے اور منظوری ہو جانے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہو تو حج یا دیگر کسی بھی سفر کیلئے نکلنا جائز نہیں اور اگر رقم واپس ملنے کا امکان نہ ہو تو پھر مجبوراً سفرِ حج پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: لا یخرج من بیتها الا ان

---

[۱] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واذا اسلمت المرأة فی دار الحرب وزوجها کافر او اسلم الحربی وتحته مجوسیة لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجها۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۴۲ باب نکاح اهل الشرک)

ومثله فی شرح الوقایة ج ۲ ص ۶۱ باب نکاح الرقیق والکافر۔

تخرج او ینھدم المنزل .... تتخرج لا قرب موضع الیہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

حیض نہ آنے کی صورت میں مُطلّقہ کی عدّت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو شوہر طلاق دیدے اور کئی ماہ سے اس کو حیض بھی نہیں آرہا ہو جبکہ عورت کی عمر بھی تقریباً ۲۵، ۲۶ سال ہے، تو اس عورت کی عدت کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا یہ عورت حیض آنے تک انتظار کرے یا تین ماہ بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک مطلّقہ کی عدتِ اصلی بالاحیاض ہے، عدت بالاشہر آئیسہ کے اور صغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے یہ عورت مدّتِ ایاس تک انتظار کرے گی۔ مگر آج کل مجبوری کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے امام مالکؒ کے قول "ایک سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرنے پر فتویٰ دیا ہے، تاہم اس قول پر عمل تب ہوگا جب علاج معالجہ کے بعد بھی حیض نہ آئے اور یہ دوسرا نکاح بھی باجازتِ قاضی وحاکم ہو۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: حنفیہ کے نزدیک تو مدّتِ ایاس تک انتظارِ حیض ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول معتمد ایک سال وقتِ طلاق سے عدّت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۲ ص۴۹۰ کتاب الطلاق، فصل فی العدّۃ والرجعۃ) [2]

عدتِ طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہوجانا

سوال:۔ کسی عورت کو شوہر نے دو طلاقیں دیں، عدّت کے دوران ہی

---

[1] قال الشیخ صدر الشریعۃ رحمہ اللہ: وتخرج معتدۃ یا لموت فی الملکوین (ای اللیل والنھار) وتبیت فی منزلھا اذ لا نفقۃ لھا فتحتاج الی الخروج ...... وتعتد فی منزلھا وقت الفرقۃ والموت والطلاق الا ان تخرج او خافت تلف مالھا او لا نھدام ......

(شرح الوقایۃ ج۲ ص۱۵۳ باب العدّۃ۔ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۱۲۳ باب العدّۃ۔ کتاب النکاح۔

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: سنۃ کاملۃ لممتدۃ الطھر التی لم یجئھا الحیض او جاءھا ثم انقطع ولم تبلغ سن الیأس۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۶۴۱ الفصل الرابع فی العدۃ والاستبراء)

اس کا انتقال ہو گیا، تو اب یہ عورت کون سی عدت گذارے گی، عدتِ وفات یا عدتِ طلاق؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران انتقال کر جائے کہ اس کی مطلقہ بیوی کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہوجائے گی، لہٰذا یہ عورت، عدتِ طلاق کی بجائے عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گذارے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو۔

قال الشيخ وهبة الزحيلي: اذا مات الرجل في اثناء عدة زوجته التي طلقها طلاقاً رجعياً انتقلت بالاجماع من عدتها بالاقراء او الاشهر الى عدة وفاة وهي اربعة اشهر وعشرة ايام سواء أكان الطلاق في حال الصحة ام في حال مرض الموت لان المطلقة رجعياً تعد زوجة مادامت في العدة وموت الزوج يوجب على زوجته عدة الوفاة۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۷ ص ۶۴۶ الفصل الرابع في العدة والاستبراء) [۱]

حاملہ من الزنا عورت کی عدت

سوال:۔ اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو اور وہ اُس زنا سے حاملہ بھی ہو تو کیا ایسی عورت شادی کے لیے وضع حمل کا انتظار کرے گی یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ہو تو کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدت کی مشروعیت ایک مقدس رشتے کے انقطاع کی صورت میں ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں مشروعیت نہیں لہٰذا حاملہ من الزنا کیلئے کوئی عدت نہیں مگر شوہر جماع کرنے کے لیے ایک حیض تک انتظار کرے کہ کہیں حاملہ نہ ہو، اگر ہو تو وضع حمل تک جماع کرنا جائز نہیں۔

قال (العلامة) الكاسانيؒ: ولا تجب على الحامل بالزنا لان الزنا لا يوجب العدة الا انه اذا تزوج امرأة وهي حامل من الزنا جاز النكاح عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ لا يجوز له ان يطأها مالم تضع لئلا يصير ساقياً ماءه زرع غيره۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۹۳ فصل واما عدة الحبل) [۲]

---

[۱] قال المرغينانيؒ: اما اذا كان رجعياً تعليها عدة الوفاة بالاجماع۔ (الهداية ج ۲ ص ۴۰۲ باب العدة)
ومثله في بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۰۰ فصل في بيان انتقال العدة وتغيرها۔

[۲] قال ابن نجيمؒ: وقدمنا ان الحامل من الزنا لاعدة عليها عندهما ولذا صححنا نكاحها لغير الزاني وان حرم الوطء ولهذا الكلام فيما اذا تزوجت على قول ابي حنيفة ومحمد وهي حامل من الزنا ثم طلقها او مات عنها فانها تعتد بوضع الحمل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۳ باب العدة) ـــــ ومثله في امداد الاحكام ج ۲ ص ۸۲۶ باب العدة۔

عدّتِ وفات شوہر کے گھر گذارنا لازمی ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میکے (والدین کے گھر) چلی جائے اور وہاں وہ کئی سالوں تک ناراض بیٹھی رہے کہ اچانک اس کا شوہر فوت ہوجائے تو اب یہ عورت عدّتِ وفات کہاں گذارے گی؟ والدین کے گھر میں یا شوہر کے گھر میں؟

الجواب:۔ عدّتِ وفات ایک قسم کا سوگ ہے جو کہ شرعاً شوہر کے گھر میں گذارنا لازمی ہے، شوہر کا گھر عورت کا اپنا گھر ہے، میکے میں جانا اس کا اتفاقی حادثہ ہے لہٰذا یہ عورت عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارے گی، تاہم اگر اس کا شوہر کے گھر رہنا باعثِ فتنہ وفساد ہو تو پھر اس مجبوری کی خاطر والدین کے گھر میں بھی عدتِ وفات گذارنا مرخص ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: تعتد في المنزل يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت ولهذا لو زارت اهلها وطلقها زوجها كان عليها ان تعود الى منزلها فتعتد فيه۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۴ ص ۱۶۶ باب العدة) [1]

عدّتِ وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت عدّتِ وفات کے دوران بیمار ہوجائے اور شوہر کے گھر میں اس کی تیمارداری کے لیے کوئی نہ ہو تو کیا اس مجبوری کی وجہ سے اُس کے والدین علاج معالجہ کے لیے اُسے اپنے گھر لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدّتِ وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لیے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے، اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے بیوہ عورت کے والدین کا اسے علاج کی غرض سے اپنے گھر لانا جائز ہے۔

---

[1] وفي الهندية: على المعتدة ان تعتد في المنزل الذي يضاف اليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت.... ولو كانت زائرة اهلها او كانت في غير بيتها لامر حين وقوع الطلاق انتقلت الى بيت سكناها بلا تاخير۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۳۵ فصل في الحداد)

ومثله في البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۴ فصل في الحداد۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وتعتد ان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا و لا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورۃ۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

سوال:۔ اگر ہر بیوی کے لیے عدّتِ وفات اپنے اپنے گھر میں گذارنا لازمی ہے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک کا مکان الگ الگ ہو اور شوہر کسی ایک بیوی کے مکان میں وفات پاجائے تو دوسری بیوی عدتِ وفات کہاں گذارے؟

الجواب:۔ عورت جس گھر میں رہتی ہو وہ اسی گھر میں ہی عدّتِ وفات و طلاق گذارے، حتیٰ کہ اگر یہ عورت اپنی سوکن کے ہاں اظہارِ تعزیت کے لیے گئی ہو تو واپس آکر عدّت کے ایام اپنے ہی گھر میں گذارے۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فورًا لوجوبہ علیھا وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیتٍ وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج۔
(الدّر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب العدۃ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال العلّامۃ ابن نجیمؒ: (تحت قولہ وتعتدان فی بیت وجبت فیہ الا ان تخرج او ینھدم) ای معتدۃ الطلاق والموت تعتدان فی المنزل المضاف الیھما بالسکنیٰ وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منہ الا لضرورۃ لما تلونا من الاٰیۃ۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد)
وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۴۸۲ کتاب الطلاق، باب العدۃ۔

[2] قال فی الھندیۃ: علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنیٰ حال وقوع الفرقۃ والموت، کذا فی الکافی: لوکانت زائرۃ اھلھا اوکانت فی غیر بیتھا لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الیٰ بیت سکناھا بلا تاخیر۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد۔

حیض والی عورت کی عدّت حیض سے ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ رضاعت میں طلاق دی ہے جبکہ اس عورت کو رضاعت کی وجہ سے دو یا اس سے زائد ماہ تک حیض منقطع ہوتا ہے، اب اس عورت کے لیے عدّت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا تین ماہ عدّت گذار کر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جن مستورات کو حیض تو آتا ہو مگر کسی عارضی وجہ سے بند ہو تو ان کے ذمے عدّت بالاحیاض ہے اگرچہ تین چار سالوں میں پوری ہوجائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں رضاعت کی وجہ سے حیض عارضی طور پر بند ہے اس لیے اس عورت کو تین حیض آنے تک انتظار کرنا پڑے گا یہی اس کی شرعی عدّت ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وهی فی حق حرة ولو کتابیة تحت مسلم تحیض لطلاق ولو رجعیا او فسخ بجمیع اسبابه بعد الدخول حقیقة او حکما۔۔۔ ثلاث حیض کوامل الخ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۲ باب العدة) [1]

شوہر مرزائی یا عیسائی ہوجائے تو عورت پر عدّت واجب ہے

سوال:۔ اگر کسی عورت کا شوہر عیسائی، قادیانی یا یہودی ہوجائے جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا ایسی عورت پر عدّت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں ہر اُس جدائی پر عدّت واجب ہے جو میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے آجائے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند کے بوجہ غیر مسلم ہوجانے کے دونوں کے درمیان جدائی خود بخود آگئی لہٰذا اس عورت پر عدت لازمی ہے۔

قال فی الهندیة: وان اخبرت المرأة ان زوجها قد ارتد لها ان تتزوج باخر بعد انقضاء العدة فی روایة الاستحسان وفی روایة السیر

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة اقراء، لقوله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ۔ (الهدایة ج۲ ص۴۱۱ باب العدة)
ومثله فی شرح الوقایة ج۲ ص۱۴۴ باب العدة۔

لیس لها ان تتزوج. قال شمس الائمۃ السرخسیؒ الاصح روایۃ الاستحسان ۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۴۲ الباب النکاح الکافر) [1]

خلوتِ صحیحہ کے بعد عدتِ طلاق کا حکم

سوال:۔ والدین نے ایک جگہ اپنے بیٹے کی شادی کر دی مگر بیٹا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ تھا صرف ایک رات بیوی کے پاس چلا گیا اور بغیر جماع کیے صبح باہر آکر گواہوں کے سامنے منکوحہ کو طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلوتِ صحیحہ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک کمرہ میں بلا کسی رکاوٹ و ممانعت کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا) ایک قسم کا جماع ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کے ذمے عدتِ طلاق گذارنا لازمی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: والخلوۃ بلا مانع حسی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوباً او عنیناً او خصیاً او خنثیٰ إن اظهر حاله في ثبوت النسب وتاکد المهر والنفقة والسکنی والعدۃ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۴ مطلب احکام الخلوۃ) [2]

شادی شدہ حاملہ من الزنا کی عدّت

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس بات پر طلاق دے کہ وہ بدکردار ہے جبکہ یہ عورت زنا سے حاملہ بھی ہو تو اب یہ عورت تین حیض عدّت گذارے گی یا وضعِ حمل تک انتظار کرے گی؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی نے عدت کی دو قسمیں مقرر کی ہیں (۱) جو عورت حاملہ نہ ہو

---

[1] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: ثم إن کان الزوج هو المرتد فلها کل المهر ان دخل بها ونصف المهر ان لم یدخل بها۔

(الهدایۃ ج ۲ ص ۳۴۳ فی فصل نکاح اهل الشرك)

ومثلهٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص ۶۲ فی باب نکاح اهل الرقیق۔

[2] قال فخر الدین قاضیخانؒ: المهر یتاکد بثلاث بالوطئ وموت احد الزوجین وبالخلوۃ الصحیحۃ والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس هناك مانع یمنعه عن الوطی حساً او شرعاً او طبعاً۔ (فتاویٰ قاضی خان علیٰ ہامش الہندیۃ ج ۱ ص ۳۹۶ فصل فی الخلوۃ وتاکد المهر)

ومثلهٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتاکد به المهر والمتعۃ۔

تو اس کی عدت بالاقراء ہے۔ (۲) جو عورت حاملہ ہو (اس بات سے قطع نظر کہ یہ حمل شوہر سے ہے یا کسی غیر سے) تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ عورت وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والحامل مطلقاً ولو امۃ او کتابیۃ اومن زنا تعتد بالوضع۔

قال ابن عابدینؒ: اذا حبلت المعتدۃ وولدت تنقضی بہ العدۃ سواء کان من المطلق اومن زنا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۶۰۴ باب العدۃ) ۱؎

عدتِ وفات میں جوؤں کی تلفی کیلئے شیمپو استعمال کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے شوہر کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں اور مجھے سر میں جوؤں کی سخت شکایت ہے، کیا از روئے شرع جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والا شیمپو استعمال کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عدتِ وفات کے دوران معتدہ کے لیے زیب و زینت کرنا جائز نہیں مگر بعض حالات ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں ایک بیماری بھی ہے، اس لیے آپ جوؤں کو ختم کرنے کے لیے ایسی ادویات استعمال کر سکتی ہیں جن میں خوشبو نہ ہو، چونکہ جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والے شیمپو میں خوشبو ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ایسا شیمپو ہو جو بغیر خوشبو کے ہو تو اس کا استعمال مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: والدھن ولو بلاطیب کزیت خالص ....الا بعذر راجع للجمیع اذ الضرورات تبیح المحظورات۔ قال ابن عابدینؒ: اوتشتکی رأسھا فتدھن وتمشط بالاسنان الغلیظۃ المتباعدۃ من غیر ارادۃ الزینۃ لان ھذا تداو لا زینۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۱۷ فصل فی الحداد) ۲؎

۱؎ قال ابن نجیمؒ: قولہ وللحامل وضعہ ای عدۃ الحامل وضع الحمل لقولہٖ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اطلقھا فتشمل الحرۃ والامۃ المسلمۃ والکتابیۃ مطلقۃ اومتارکۃ فی النکاح الفاسد اووطی بشبھۃ والمتوفی عنھا زوجھا لاطلاق الاٰیۃ (البحرالرائق ج۴ ص۱۳۳ باب العدۃ)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج۲ ص۸۲۱ باب العدۃ۔

۲؎ قال ابن نجیمؒ: قولہ الا بعذر متعلق بالجمیع لا بالدھن وحدہ فلھا لبس الحریر للحکۃ والقمل ولبسھا الاکتحال للضرورۃ۔ (البحرالرائق ج۴ ص۱۵۰ فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۵۱۱ باب العدۃ والحداد۔

عدتِ وفات میں چوڑیاں پہننا

سوال:۔ کیا وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو وہ چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چوڑیاں پہلے سے اس کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اُس کے لیے چار ماہ دس دن زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے، اس قسم کے جملہ امور کو ترک کرنا ضروری ہے، چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے اسلئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو اُن کا اُتارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: بترك الزينة بحلی۔ قال ابن عابدينؒ: ای بجميع انواعه من فضة وذهب وجواهر بحر۔ قال القهستانیؒ: والزينة ماتتزين به المرأة من حلی او کحل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۱۷ فصل فی الحداد) [1]

دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی معتدة الوفات اور اس کا نوجوان دیور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور وہ کئی بار اس کی عصمت دری کی کوشش کر چکا ہو تو کیا یہ معتدة شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اگر کسی جگہ معتدہ کو اپنی عصمت دری کا خوف ہو تو وہ اپنی عزت بچانے کیلئے مجبوراً شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں جا سکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر معتدہ کیلئے دیور سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ ہو تو اس کا اپنے والدین کے گھر جانا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: والافضل ان يحال بينهما فی البيتوتة بستر الا ان يكون فاسقاً فيحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هی خروجه۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۵ باب العدة)

---

[1] قال العلامه ابن نجيم المصری رحمه الله: وشمل لبس الحرير بجميع انواعه والوانه ولو اسود وجميع انواع الحلی من ذهب وفضة وجواهر زاد فی التتارخانية القصب۔

(البحرالرائق ج ۴ ص ۱۵۰ فصل فی الاحداد۔

ومثلہ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۱۲ کتاب الطلاق۔

باب الحلالة

(حلالہ کے احکام ومسائل)

حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال: مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لیے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعت مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے۔

الجواب: طلاقِ ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابلِ مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لیے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود رکھیں اِلّا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہو کر اپنے رویہ پر نظر ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔ (البقرہ آیت ۲۳۰) ایسے حالات میں میاں و بیوی سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لعن اللہ المحلل والمحلل لہٗ۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لئے اندریں حالت اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کر کے نئی زندگی اختیار کر سکتے ہیں تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

لماروی انہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: لا تحل للاول حتی تذوق عسیلۃ الآخر یذوق عسیلتھا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۳ کتاب الطلاق، باب المبتوتۃ لا یرجع الیھا زوجھا۔۔الخ)[1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: وان کان الطلاق ثلاثاً فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہٗ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً و یدخل بھا ثم یطلقھا او یموت عنھا۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب الرجعۃ۔ کتاب الطلاق)

ومثلہٗ فی ردّ المحتار ج ۳ ص ۴۰۹ باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ۔

حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہرِ اوّل کیلئے حلال نہیں ہوسکتی

سوال:۔ اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل اس کی وفات ہوجائے تو کیا یہ عورت شوہرِ اوّل کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرکے اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے بغیر وطی کے یہ عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی، چونکہ موت قائم مقامِ وطی نہیں اس لیے شوہرِ ثانی کی وفات سے عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی ۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو مات عنها قبل الوطء لایحلها للاوّل..... لان الشرط هنا الوطء ۔ (ردالمحتار جلد ۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق ۔ باب الرجعة)[1]

حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیے کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا

سوال:۔ اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو تو کیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذکر ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ لذت حاصل ہو انزال کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی (جماع) پہلے شوہر کے لیے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں ۔

وفی الهندیة: اذا لف ذکره بخرقة وادخل فرجها فان وجد الحرارة تحل والافلا ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعة ، فصل فیما تحل به)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والموت لایقوم مقام الدخول فی حق التحلیل ۔ (البحرالرائق ج ۴ ص۵۶ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید الانصاری رحمه الله: اذا لف ذَکَرَہ بخرقة وادخل فرجها فان وجد الحرارة تحل والافلا ۔ (خلاصة الفتاوی ج ۲ ص۱۲۱ الجنس الثانی فی المحلل)

حلالہ کے نکاح میں بوقتِ جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ شرعی کروانا چاہتا ہے، تو جس شخص سے وہ حلالہ کرواتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماع کرتے وقت انزال کرے یا بغیر انزال کے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص حمل سے ڈرتا ہے ؟ لہٰذا اس بارے میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائی جائے ؟

الجواب :- حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے اور وہ بھی منتشر حالت میں ہو تاکہ محلل کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے، البتہ انزال ضروری نہیں، جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کرتے وقت نفس دخول حشفہ کر کے بغیر انزال کے جماع ختم کردے اور عورت کو طلاق دے دے تو اب یہ عورت عدتِ طلاق گذارنے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وان لم ینزل لان الشرط الذوق لا الشبع تلت وفی المجتبیٰ الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقاً - (الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار جلد ۲ ص۵۴۱ کتاب الطلاق - باب الرجعة)[1]

نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم

سوال :- ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر ابھی ۱۳، ۱۴ سال ہے لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے تو کیا اس کے حلالہ سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- حلالہ کے لیے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں صرف جماع کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے، اس لیے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے - لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ : وسواء کان الزوج الثانی بالغاً او

---

[1] وفی الهندية :- اما الانزال فلیس بشرط للاحلال - (الفتاویٰ الهندية جلد ۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق فصل فیما تحل به المطلقة)

صبیاً یجامع فجامعها او مجنوناً فجامعها لقوله تعالیٰ : حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ۔ من غیر فصل بین زوج و زوج ولانه الصبیّ والمجنون یتعلق به احکام النکاح من المهر والتحریم کوطی البالغ العاقل۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۸۹ فصل فی ان یکون النکاح الثانی صحیحاً) [1]

دُبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص حلالہ کے نکاح میں بیوی کے ساتھ قوم لوط والا عمل کرے (یعنی دُبر میں جماع کرے) تو کیا اس سے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال ہو گی یا نہیں ؟

الجواب :- حلالہ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القُبل ہو، دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے لیے کافی نہیں، اور ویسے بھی یہ عمل کبیرہ گناہ ہے۔

کما فی الفتاویٰ القنیة : اذا أتاها فی دُبرها لا تحل للاوّل۔

(الفتاویٰ القنیة ص۲۳ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

موت قائم مقامِ وطی نہیں

سوال :- جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے زوجِ ثانی سے نکاح کیا جبکہ زوجِ اوّل اس کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا، نکاح کے بعد زوجِ ثانی حقوقِ زوجیّت ادا کئے بغیر فوت ہو گیا ہے، اب یہ عورت زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے اور یہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :- حلالہ کے نکاح میں شوہرِ ثانی کا اپنی منکوحہ سے جماع کرنا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق بدون جماع کئے موت وطی کا قائم مقام نہیں بن سکتی اسلئے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : والموت لا یقوم مقام الدخول

---

[1] وفی الهندیة : وفی الانفع الصبی المراهق فی التحلیل کالبالغ ...... فسر المراهق فی الجامع الغیر فقال غلام لم یبلغ ومثله یجامع جامع امرأته وجب الغسل علیها واحلها علی الزوج الاوّل ومعنی هذا الکلام أن تتحرك آلیه ویشتهی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۷۳)
وَمِثْلُهٗ فی مجموعة الفتاویٰ (فارسی) ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق

فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۵۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)[1]

عورت کا قول کہ میں حلالہ کر چکی ہوں....

سوال:۔ طلاق ثلاثہ کے بعد ایک عورت اپنے میکے چلی گئی اور ایک سال کے بعد پہلے شوہر کو پیغام دیا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں لہٰذا میں آپ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہوں، تو کیا عورت کے اس طرح کہنے سے زوجِ اوّل کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کا صرف یہ کہنا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کی حلت کے لیے کافی نہیں، بلکہ زوجِ اوّل کو چاہیئے کہ عورت کی بات کی خوب تحقیق کرے اور اُس سے جملہ کیفیّات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اگر وہ صحیح معلومات مہیا کرے اور وہ حلالہ کے لیے کارآمد بھی ہوں تو پھر اس صورت میں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی القنیۃ ، لو قالت حللت لك او قال حلا له کردم لا یحل له التزوّج مالم یستفسرها لاختلاف الناس فی کیفیّۃ التحلیل وھو الصواب۔

(القنیۃ ص۸۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

حلالہ کے نکاح میں دُوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے

سوال:۔ کیا حلالہ کیلئے کی گئی شادی میں دُوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہمبستری نہ کی جائے تو کیا عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا شرط ہے، بغیر ہمبستری کے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ھکذا فی الھندیۃ ج۲ ص۹۴ فصل فیما تحل به المطلقۃ۔ کتاب الطلاق۔

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولومات عنها قبل الوطء لا یحلّها للاوّل..... لان الشرط ھنا الوطء۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق۔ فصل فیما یتعلق به المطلقۃ۔

باب ثبوت النّسب
(ثبوتِ نسب کے مسائل واحکام)

قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب شمار ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی کے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار ہو گا البتہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہو گا۔

قال فی الهندیة: واذا تزوج الرجل فجاءت بالولد لأقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا یثبت نسبه اعترف به الزوج أو سکت۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۱]

مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم

سوال:۔ مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات اور صورتوں میں ایسی ادویات استعمال کی جا سکتی ہیں؟

الجواب:۔ نکاح سے مقصد اولاد پیدا کرنا ہے اس لیے مانع حمل ادویات و آلات کا استعمال بعض جزئی صورتوں کے علاوہ شرعاً جائز نہیں اور خصوصاً رزق و وسائلِ معاش کے خوف کی وجہ سے تحدیدِ نسل اسلامی احکامات سے متصادم ہے، تاہم اگر بعض حالات میں عورت کو حمل کی وجہ سے بیماری یا غیر فطری طریقہ ولادت (آپریشن وغیرہ) کی ضرورت پڑتی ہو یا اس کے مثل دیگر ضروریاتِ شدیدہ کی صورت میں مانع حمل ادویات و آلات کا استعمال جائز ہے، یہاں تک کہ

---

[۱] قال الحصکفیؒ: اکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها کما مر وعند الائمة الثلاثة اربع سنین واقلها ستة اشهر اجماعًا۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۵۴۰ فصل فی ثبوت النسب)
ومثله فی البحرالرائق ج ۴ ص۱۵۷ باب النسب۔

بعض مہلک بیماریوں کی صورت میں انقطاعِ رحم بھی مرخص ہے۔

وفی الفتاویٰ الاسلامیۃ ...: تحدید النسل محرم مطلقاً لما جاء فی الشریعۃ الغراء من النھی عن التبتل والتشدید فی ذلک والترغیب فی التزوج بالولود الودود فیکون حبوب منع الحمل محرماً إلا فی حالات فردیۃ نادرۃ لاعموم لھا کما فی حالۃ التی تدعو الحامل إلی ولادۃ غیر عادیۃ ویضطر معھا إلی إجراء عملیۃ جراحیۃ لإخراج الولد وفی حالۃ ما إذا کان علی المرأۃ خطر من الحمل لمرض ونحوہ وھذا لاینطبق علی حالۃ المرأۃ۔ (الفتاویٰ الاسلامیۃ لکبار العلماء بالعربیۃ السعودیۃ ج ۲ ص۳۷۶) [۱]

اسقاطِ حمل کے جواز کا حکم

سوال:۔ وہ کون سے اعذار و وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسقاطِ حمل جائز ہوجاتا ہے؟

الجواب:۔ حمل کے چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے بعض اعذار معتبر فی الشرع کے ہوتے ہوئے اسقاطِ حمل جائز ہے اور اعذار نہ ہونے کے وقت جائز نہیں، اعذار معتبرہ جیسے ظہورِ حمل کے بعد دودھ منقطع ہوجائے اور خاوند دائیہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا عورت پر شدید بیماری کا غلبہ ہو یا غیر عادی طریقہ ولادت پیش آتا ہو، تاہم بعض اشد صورتوں میں جن میں ہلاکت یقینی ہو تو پھر چار ماہ کے بعد بھی اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔

قال فی الھندیۃ: إمرأۃ مرضعۃ ظھر بھا حبل وانقطع لبنھا وتخاف علی ولدھا الھلاک ولیس لأبی ھذا الولد سعۃ حتی یستأجر الظئر یباح لھا ان تعالج فی استنزال الدم مادام نطفۃ أو مضغۃ أو علقۃ لم یخلق لہ عضو۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) [۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: ویکرہ أن تسقی لإسقاط حملھا وجاز لعذر کالمرضعۃ اذا ظھر بھا الحبل وانقطع لبنھا ولیس لأبی الصبی مایستأجر بہ الظئر ویخاف ھلاک الولد قالوا یباح لھا ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغۃ أو علقۃ ولم یخلق عضو وقدروا تلک المدۃ بمائۃ و عشرین یوماً وجاز لأنہ لیس بادمی وفیہ صیانۃ الآدمی۔ (رد المحتار ج ۵ ص۳۰۵ کتاب الکراھیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات۔

[۲] ایضاً (حوالۂ مذکورہ بالا)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہٗ ج۷ ص۱۰۸ کتاب النکاح۔ الاستقاط۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل ایک خاص انجکشن کے ذریعے مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اولاد کے حصول کیلئے اس طریقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ سوال میں ذکر شدہ طریقہ جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا تلقیح صناعی بھی کہتے ہیں مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہونے اور فحاشی و بے دینی کا ذریعہ بننے کی وجہ سے باتفاق علماء جائز نہیں، تاہم اگر کسی میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی ہو اور دونوں میں اولاد کیلئے مطلوبہ صلاحیت موجود ہو لیکن خاوند کسی وجہ سے اپنا مادۂ منویہ بیوی کے رحم میں پہنچانے پر قادر نہ ہو یا عورت کے رحم میں امساک و استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو اس صورت میں مصنوعی نسل کشی کا یہ طریقہ جائز رہے گا بشرطیکہ مادۂ منویہ عورت کے اپنے خاوند کا ہی ہو، دونوں کی رضامندی ہو اور دونوں کے سامنے یہ عمل قرار پا رہا ہو اور مستند مسلمان ڈاکٹر یہ طریقہ تجویز کرے۔

قال فی یسئلونك فی الدین والحیاة: وقد قرر الفقهاء أن حمل المرأة بهذه الطريقة الصناعية يعد جريمة خلقية واجتماعية وجناية شرعية..... بل هناك من الفقهاء من قرر أن هذه العملية فی معنى الزنى وتستوجب التعزير والتأديب ولولا صورة الجريمة فيها مستورة بعض الشئ لكان حكمها الجلد الذی شرعه الله للزانی أما اذا كانت هناك إمرأة متزوجة برجل وهی صالحة للإنجاب وهو كذلك صالح للإنجاب ولكن هذا الزوج لا يستطيع بسبب ما أن يدخل مادته التناسلية وتحقن فی رحم زوجته هو ورأى الطب المستقيم أن هذا هو الطريق الوحيد والأيسر للحمل فلا مانع شرعاً من ذلك..... وهذه الحالة تكون نظرة الشريعة الى التلقيح الصناعی بين الزوجين تنظر بها الى علاج الأمراض والعلل ونظرتها الى استبقاء العترة الزوجية الطيبة بين هذين الزوجين۔ (یسئلونك فی الدين والحياة ج ۱ ص ۲۵) [1]

---

[1] وقال الشيخ الوهبة الزحيلی: التلقيح الصناعی هو استدخال المنی لرحم المرأة بدون الجماع فإن كان بماء الرجل لزوجته جاز شرعاً إذ لا محذور فيه.....وأما ان كان بماء رجل اجنبی عن المرأة لا زواج بينهما فهو حرام لأنه بمعنى الزنا الذی هو إلقاء ماء رجل فی رحم إمرأة ليس بينهما رابطة زوجية ويعد هذا العمل أيضاً منافياً للمستوى الإنسانی ومضارعاً للتلقيح فی دائرة النباتات والحيوان۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج ۳ ص ۵۵۹ المبحث الرابع۔ التلقيح الصناعی)

جماع کے وقت کنڈوم (ساتھی) کا استعمال کرنا

سوال:- کیا شادی شدہ آدمی کیلئے بوقتِ جماع کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- کنڈوم (ساتھی) کا حکم عزل کی طرح ہے اس لیے فی نفسہ جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال مباح ہے مگر بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے بدون بیوی کی اجازت کے مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بلا اجازت عزل کرنے یا کنڈوم استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنها لکن فی الخانیۃ انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطًا لاذنها۔

(الدر المختار علی هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [1]

عزل کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک شادی شدہ آدمی کے لیے عزل کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- عزل کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر اس میں آزاد عورت (بیوی) سے اجازت لینا ضروری ہے، بغیر اجازت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنها لکن فی الخانیۃ انه یباح فی زماننا لفساده قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطًا لاذنها۔ (الدر المختار علی هامش ردّ المختار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [2]

خاوند کے مادۂ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانا

سوال:- جدید طریقۂ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو ملا کر ٹیوب کے ذریعہ کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اُس کے رحم میں

---

[1] و [2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لان العزل جائز عن امۃ نفسه بغیر اذنها والاذن فی العزل عن الحرۃ لها ولایباح بغیرہ لانه حقها، وفی الخانیۃ ذکر فی الکتاب انه لا یباح بغیر اذنها وقالوا فی زماننا یباح سُوءِ الزمان۔ الخ
(البحر الرائق ج۳ ص۲۰۳ کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق)
ومِثلُهٗ فی الهدایۃ ج۲ ص۳۱۱ باب نکاح الرقیق۔

نشوونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہو جاتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہو گا اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہو گی؟

الجواب:۔ ثبوتِ نسب کے لیے ابتدائی وقت سے میاں بیوی کے نطفوں کا اختلاط ہونا کافی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں جدید طریقۂ تولید میں ابتداءً میاں بیوی کا نطفہ مختلط ہو جاتا ہے اور اس اختلاط سے وہ ایک عَلَقَہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو ثبوتِ نسب کے لیے اختلاط کی صورت تک یعنی عَلَقَہ بننے تک کا زمانہ کافی ہے، باقی یہ اجنبیہ ہونے والے بچے کے لیے بمنزلۂ مرضعہ کے ہو گی، اُس کے حقیقی ماں باپ وہی میاں بیوی ہیں جن کا یہ نطفہ تھا۔

لما قال العلامۃ ابو بکر الکاسانی رحمہ اللہ: النسب الثابت بالنکاح لا ینقطع الا باللعان۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۴۶ باب النسب)

جدید نظامِ تولید کا شرعی حکم

سوال:۔ بعض یورپی ممالک میں جدید نظامِ تولید کے لیے اجنبیہ خواتین کے ارحام کو بطور اجارہ لیتے ہیں، یعنی میاں بیوی کے نطفوں کے اختلاط کے بعد جب اس کی نشوونما کا مرحلہ آتا ہے تو بجائے بیوی کے رحم میں رکھنے کے کسی اجنبی عورت کو معاوضہ دے کر نشوونما کے لیے اس کے رحم کو استعمال کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ اس طریقہ سے ہونے والا بچہ اصحابِ نطفہ سے منسوب ہو گا مگر اس ثبوت سے کسی اجنبیہ کے رحم کو بطور اجارہ لینا جائز نہیں ہوتا بلکہ شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی اشیاء صرف اپنے خاوندوں کے استعمال کے لیے جائز ہیں دوسروں کے لیے ان کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۳) [۱]

---

[۱] روی العلامہ جلال الدین السیوطیؒ: عن ابن سیرینؒ وحسن بن زیاد لا یعار الفرج۔ (الدر المنثور ج ۶ ص۵ سورۃ الشوریٰ)

وَمِثْلُہٗ فی جواہر الفتاوٰی ج ۱ ص۲۰۷ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

طلاقِ رجعی کے دوسال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا ثابت النّسب ہونا

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدی، طلاق کے دوسال بعد بچہ پیدا ہوا، جب زید کو بچہ پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو زید نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے، تو کیا یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقِ رجعی کے بعد اگر عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار کیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر عورت نے قبل از ولادت عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہو تو بچہ زید سے ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ (فیثبت نسب) ولد (معتدة الرجعی .... وان ولدت لاکثر من سنتین ...... مالم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله وكانت الولادة رجعة لو فی الاكثر۔ (تنویر الابصار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب، مکتبہ رشیدیہ)[1]

باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا

سوال:۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ کی اولاد سے انکار کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا یا کسی اور سے؟

الجواب:۔ منکوحہ سے اولاد کا نسب قوی ہے، اس کے ثبوت کے لیے نہ تو کسی دعوٰی کی ضرورت ہے اور نہ خاوند کے انکار سے اس کی نفی ہو سکتی ہے، جو جو بچہ بھی منکوحہ سے پیدا ہو وہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر خاوند بیوی کے پیدا ہونے والے کسی بچہ سے انکار کرکے لعان کرے تو پھر خاوند سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بعد ازاں میاں بیوی کی حیثیت سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہے جس کیلئے یا تو خاوند بیوی کو طلاق دے گا یا پھر قاضی کو دونوں کے درمیان تفریق کرنی پڑے گی۔

لما قال العلامہ ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش الی قوله وقوی وهو فراش

---

[1] قال ابن الهمامؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعة اذا جاءت به لسنتین او اكثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۲ باب الحضانۃ)
ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۶ باب ثبوت النسب۔

المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیہ لاینتفی الا باللعان ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۹۴ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ، مطلب الفراش علیٰ اربع مراتب) لہ

ولدالزنا کا نسب

سوال :۔ جو بچہ زنا سے پیدا ہو اُس کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟ کیا زانی اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکار سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا زانی سے نسب ثابت ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی زانی اس کو بیٹا کہہ سکتا ہے ۔ اگر مزنیہ کسی کے نکاح میں ہو تو زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب مزنیہ کے خاوند سے ثابت ہو گا اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی نسبت والدہ (مزنیہ) کی طرف ہو گی ۔

لقوله علیه الصّلوٰة والسّلام : الولد للفراش وللعاهر الحجر ۔

(مشکوٰة ج ۱ ص ۲۸۷ باب اللعان ۔ کتاب النکاح ، فصل الاول) ۲ہ

حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب

سوال :۔ ایک شخص نے آزاد عورت سے زنا کیا ، حاملہ ہونے کے بعد اس شخص نے مزنیہ سے نکاح کر کے معاملہ کو دبا دیا ، لیکن زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اور شخص مذکور یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے تو کیا اس سے نسب ثابت ہو گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ زنا سے نسب کبھی ثابت نہیں ہوتا ، مذکورہ شخص کا دعوئ نسب نا قابلِ التفات

لہ قال فی الهندیة :۔ قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاول النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد والحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کان ممن لا لعان بینهما لا ینتفی نسب الولد ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۴ ص ۸۷ باب الثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

۲ہ قال فی الهندیة : اذا زنی رجل بامرأة فجاءت بولد فادعاه الزانی لم یثبت نسبه منه واما المرأة فیثبت نسب منها ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۴ ص ۱۲۷ فی الفصل الثامن فی دعوة الولد من الزنا وما فی حکمه ۔ کتاب الدعوی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب ، کتاب الطلاق ۔

ہے، تاہم اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو پھر قضاءً ناکح سے نسب ثابت ہوگا اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر اگر خاوند یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اگرچہ نسب کے ثبوت کے لیے یہ اقرار مفید نہیں لیکن اس کے اقرار نسب سے یہ بچہ میراث لے سکتا ہے، جبکہ زنا کا اقرار کر کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ میراث میں حصہ مل سکتا ہے۔

قال فی الهندية : ولو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدته ان جاءت به لستة أشهر فصاعدًا ثبت نسبه الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا اما ان قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبه ولا يرث منه - (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب - کتاب الطلاق) ؎۱

داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم

سوال :- ایک شخص نے کسی کی منکوحہ کو اغوا کر کے مدتوں سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جس سے اُس کے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں جبکہ خاوند نے طلاق بھی نہیں دی ہے، ایسی حالت میں اس عورت کی اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب :- اغوا کنندہ کا منکوحۃ الغیر سے منافع لینا زنا ہے اور زنا سبب ثبوتِ نسب نہیں، ایسی داشتہ کے بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا جن سے نفی کے لیے خاوند لعان کا ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تک خاوند سے باقاعدہ آزادی نہ ملے تو مدتوں تک پاس رکھنے سے نہ تو اس سے نکاح جائز ہے اور نہ اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔

لحديث النبي صلى الله عليه وسلم : الولد للفراش وللعاهر الحجر - (مشكوٰة ج ۱ ص۲۸۷ باب اللعان کتاب النکاح)
وقال ابن عابدين رح : اما نکاح منکوحة الغير ومعتدته ----- لانه لم يقل احد

؎۱ قال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالى : واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه -
(فتح القدير ج ۴ ص۱۶۷ باب ثبوت النسب - کتاب الطلاق)
ومثله فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۵ باب ثبوت النسب - کتاب الطلاق -

بجوازہ نلم ینعقد اصلاً۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۲۸۰ باب المحرّمات۔ کتاب النکاح) ۱؎

گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلّقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچّہ کا حکم

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے بغیر طلاق دیئے اپنے گھر سے نکال دیا، دو سال بعد اس مذکورہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہُوا، خاوند نے اطلاع ملتے ہی انکار کیا کہ یہ بچّہ میرا نہیں ہے، کیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ غیر مطلّقہ کے ہاں نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد جو بچّہ پیدا ہو خواہ زوج اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کرے ہر حالت میں بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا، گویا گھر سے نکالے جانے کے بعد جب تک اس کے نکاح میں رہی اس عرصہ میں پیدا ہونے والا بچّہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر اس کو واقعی بچے سے انکار کرنا مقصود ہو تو لعان کا طریقہ اختیار کرسکتا ہے جو اس کے لیے نسبت کے انکار کے لیے مفید رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه ..... وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت منه اعترف الزوج اوسكت ..... فان جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة حتى لو نفاه الزوج يلاعن لان نسب يثبت بالفراش القائم۔ (الهداية ج ۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب) ۲؎

۱؎ وقال امام فخرالدين حسن بن منصور رحمه الله: الاوزجندي ولا يجوز نكاح منكوحة الغير عند الكل۔ (فتاوىٰ خانية على هامش الهندية ج ۱ ص۳۶۶ في باب المحرمات۔ كتاب النكاح)

ومثله في البحر الرائق ج ۳ ص۹۲ باب المحرمات۔ كتاب النكاح۔

۲؎ قال في الهندية: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سكت۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب)

ومثله في ردّ المحتار ج ۲ ص۶۲۷ فصل في ثبوت النسب۔ الباب الخامس عشر في ثبوت النسب۔

خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا

سوال:۔ اگر ایک شخص چند سالوں سے سفر میں ہو اُس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نسب کے ثبوت کے لیے نکاح اہم سبب ہے، اس لیے نکاح کی موجودگی میں جو بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، صورتِ مرقومہ کے مطابق اگر خاوند کی طویل غیر حاضری میں بچہ پیدا ہوا ہو تو خاوند نفی کے لیے لعان کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح) [1]

مدتِ حمل

سوال:۔ بچہ زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اور کم از کم کتنی مدت ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ حمل کی کم سے کم مدت چھ۶ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو۲ برس، یعنی کم سے کم چھ۶ ماہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح و سالم پیدا ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو۲ برس تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، فقہ حنفی کی رُو سے مدتِ حمل دو۲ سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان۔ لقول عائشةؓ: الولد لایبقی فی البطن اکثر من سنتین ولو بظل مغزل واقله ستة اشهر۔ لقوله تعالیٰ: وحمله وفصاله ثلٰثون شهراً ثم قال وفصاله فی عامین فبقی للحمل ستة اشهر۔ (الهدایه ج۲ ص۴۲۱ باب ثبوت النسب) [2]

کم از کم مدتِ حمل سے پہلے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی مطلّقہ عورت سے نکاح کیا

---

[1] وقال ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش علیٰ اربع مراتب وقوی وهو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانه فیه لاینتفی الّا باللعان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۴ مطلب الفراش علیٰ اربع مراتب)

وَمِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔

[2] وقال شیخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها..... واقلها ستة اشهر اجماعًا۔ (تنویر الابصار علیٰ هامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب)

وَمِثلُهٗ فی الکنز الدقائق علیٰ هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

عورت نے نکاح کے وقت اطمینان دلایا تھا کہ میرا حمل نہیں ہے اور میری عدت گذر چکی ہے، اس شخص نے عورت کے قول پر اعتماد کیا، اب صورتحال یہ ہے کہ نکاح کے پانچ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، ایسی حالت میں یہ بچہ پہلے خاوند کا شمار ہوگا یا دوسرے کا؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کا پیدا ہونا اس شخص سے ممکن نہیں، جب اس عورت کے ہاں اقل مدتِ حمل سے قبل بچہ پیدا ہو تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت نے کذب بیانی کا سہارا لے کر دوسرے شخص کے ساتھ دھوکہ سے نکاح کیا ہے اسلیے اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں اور بچہ پہلے خاوند سے ثابت النسب ہوگا، اور یہ شخص بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کر کے اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

لما فی الهندیة: واذا تزوجت المعتدة بزوج آخر ثم جاءت بولد ان جاءت به لاقل من سنتین منذ طلقها الاول او مات ولاقل من ستة اشهر منذ تزوجها الثانی فالولد للاول۔

(الفتاوی الهندیه ج ۱ ص۵۳۸ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

حمل کی کم از کم مدت

سوال:۔ اگر ایک شخص کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو کیا یہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر والد اس کے نسب سے انکاری ہو تو اس سے بچے کے نسب کی نفی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد اقل مدتِ حمل یعنی چھ ماہ کے بعد جو بچہ پیدا ہو اس کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور اس کے لیے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، نسب سے انکار کیلئے لعان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ مفید اور بہتر نہیں۔

لما فی الهندیة: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً یثبت نسبه منه اعترف به الزوج او سکت فان جحد الولادة یثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [2]

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا تزوج امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه۔ (الهدایة ج ۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب)

ومثله فی فتح القدیر ج ۴ ص۱۲۸ باب ثبوت النسب۔

[2] قال التمرتاشیؒ: واقلها ستة اشهر اجماعاً فیثبت نسب۔ (تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب ثبوت النسب) ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

سوال :۔ ایک لڑکا جس کا نکاح

ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار وقتِ نکاح سے ہے

اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوا اور لڑکی کی رخصتی ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو ہوئی، رخصتی کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے ہاں سسرال میں بچہ پیدا ہوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس بچے کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ جبکہ لڑکی اور لڑکا آپس میں خالہ زاد ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

الجواب :۔ صورتِ مذکورہ میں اگر نکاح واقعی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہی ہوا ہو اور رخصتی جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوئی ہو اور پھر جولائی سے تین ماہ بعد ستمبر میں بچہ پیدا ہو جائے تو اندریں صورت ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا رخصتی کے وقت سے نہیں۔ لہٰذا اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ اس خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر خاوند اس سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے اور چھ ماہ سے کم مدت کی صورت میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔

لما فی الهندية : واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وان جاءت به ستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه الخ وفيه بعد اسطر : ولو جاءت لاقل من ستة اشهر من وقت النكاح لا يثبت الخ

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۳٦، ۵۳۷ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

---

[1] قال العلامة المرغينانی رحمه الله : واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه لان العلوق سابق على النكاح فلا يكون منه وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه .... لان الفراش قائم والمدة تامة الخ

(الهداية ج ۲ ص ۴۱۱ باب ثبوت النسب)

ومثله فی فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۱ ص ۵۵۸ فصل فی النسب۔

سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اولاد کی نسبت تو باپ کی طرف ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں تھی تو سادات کا نسب کیسے باقی رہا؟ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خود سید نہ تھے؟

الجواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں اولاد کا نسب باپ کی طرف ثابت ہوتا ہے، مگر سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کے واسطہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، آپ کے علاوہ کسی بھی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں، اسی لیے آج سادات کا سلسلہ نسب دنیا میں قائم ہے۔

روی الحاکم عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بنی ام ینتمون الی عصبۃ الا ولد فاطمۃ فانا ولیھم عصبتھم۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص۲۷۲ رقم حدیث ۱۵۰۱۳، کتاب المناقب۔ الباب ۱۴)[1]

تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے انتقال کے تین سال بعد اس کی بیوہ کے ہاں بچہ ہو جبکہ اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو اس بچے کے نسب کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ میت کی طرف منسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ مفتی بہ رائے کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، اس دوران جو بچہ پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن جو بچہ کسی کے انتقال کے دو سال بعد پیدا ہو جبکہ اس کی بیوہ نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو وہ باپ سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں جو بچہ باپ کے مرنے کے تین سال بعد پیدا ہوا ہے وہ باپ سے غیر ثابت النسب ہے اُس کو صرف ماں

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گو نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے..... آئندہ کسی عورت کی جانب سے خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ ہوگا۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۱۱ ص۷۵ باب ثبوت النسب)

کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

لما فی الهندیة : ولوفات عنها قبل الدخول اوبعده ثمّ جاءت بولدٍ من وقت الوفاة الیٰ سنتین یثبت النسب منه وان جاءت به لاکثر من سنتین من وقت الوفاة لایثبت النسب ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)۔

بارہ سال کے لڑکے سے ثبوتِ نسب کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقہ غیر میں لوگ اپنے بچوں کی شادیاں بہت کم سنی میں کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کی عمر ۱۲، ۱۳ سال ہو اور اس کی بیوی کو حمل ہو جائے تو کیا حمل کا نسب اِس لڑکے سے ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہو (جس کی ادنیٰ مُدتِ عمر لڑکے کے لیے ۱۲ سال اور لڑکی کے لیے ۹ سال ہے) تو اس سے حمل کا نسب ثابت ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اِس حمل کا نسب اس لڑکے سے ہوگا۔

قال الحصکفیؒ : ولا نسب فی حالیه اذ لاماء للصبی نعم ینبغی ثبوته من المراهق احتیاطاً۔ قال ابن عابدینؒ : (قوله اذلاماء للصبی) ای فلایتصوّر منه العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیة اقامة للعقد مقام العلوق لتصوّره حقیقة بخلاف الصّبیّ کما فی البحر قوله نعم ینبغی) عبارة الفتح ثمّ یجب کون ذلك الصّبی غیرالمراهق اما المراهق فیجب ان یثبت النسب منه ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۸۳۲ باب العدّة)

وقال ایضًا : وادنیٰ مدته ای البلوغ له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین فان راهقا بان بلغا هٰذا السن ۔ (ردالمحتار ج ۵ ص۱۳۲ فصل فی بلوغ الغلام)[1]

---

[1] قال الشیخ امام ابوزهرةؒ : الشرط الاول : ان یکون الزوج یتصور منه حمل فان کان صغیرًا لایتصور منه الحمل لایثبت لان هذه قرینة قاطعة علی ان الحمل لیس منه وقد اتفق علی ذلك الائمة ۔ (الاحوال الشخصیة ص۳۸۶ القسم الرابع ثبوت النسب)

بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح کر لیا، اس لیے کہ اس کو ایک غیر مقلد عالمِ دین نے تجدیدِ نکاح کا فتویٰ دیا تھا، جبکہ یہ شخص حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نکاحِ ثانی سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے اس کے نسب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ نکاح ثانی شرعًا فاسد ہے، بغیر کسی تاخیر کے ان دونوں کو جدا ہو جانا چاہیئے، البتہ بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔

لما فی الهندية :ولو طلقها ثلاثًا ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجًا غیرہ فجاءت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح فالنسب ثابت وان کان یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضًا عند ابی حنیفةؒ، کذا فی التاتارخانیة ۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۵۴۰ الباب الخامس فی ثبوت النسب)[1]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کی وجہ یہ تھی کہ موصوف کی بیوی کو شک تھا کہ اس کے سالی سے ناجائز تعلقات ہیں اور اسی وجہ سے دونوں اکثر اوقات خلوت میں رہتے ہیں۔ اب یہ عورت حاملہ ہے اور اس کا شوہر سالی سے نکاح کر کے فرار ہو گیا ہے اور ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تو کیا اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق دورانِ عدت سالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو گا جو واجب الفسخ ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاحِ فاسد سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوتا ہے اس لیے اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔ تاہم ان دونوں کے لیے زوجۂ اوّل مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح

---

[1] لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ : ولو طلقها ثلاثًا ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجًا غیرہ فجاءت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح فالنسب ثابت وان کان یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب ایضًا عند ابی حنیفةؒ ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۴ ص ۲۸۰ کتاب الطلاق ۔ الفصل التاسع والعشرون باب ثبوت النسب)

کرنا ضروری ہے بدون اس کے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: ان تزوج احداهما بعد الاخریٰ جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیة۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واما نکاح الفاسد فلا حکم له قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق به احکام منها ثبوت النسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۵ باب ثبوت النسب) [1]

ساس سے نکاح کے بعد پیدا ہونیوالے بچوں کے نسب کا حکم

سوال:۔ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے انتقال کے بعد ساس سے شادی کرلی، کئی سال تک دونوں غائب رہے اس دوران ان کے ہاں چار بچے بھی پیدا ہوئے، اب اس شخص کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا وہ بچے ثابت النسب ہوکر موصوف کے ترکہ میں میراث کے حقدار ہیں یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی پہلی بیوی سے ہونیوالے بچے ان بچوں کو اپنے بہن بھائی نہیں مانتے اور باپ کے ترکہ سے ان کے حصۂ میراث کو تسلیم نہیں کرتے۔ مہربانی فرماکر قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کو ختم فرمائیں؟

الجواب:۔ساس سے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کرلیا جائے تو نکاح فاسد ہے جبکہ نکاحِ فاسد سے عدت اور ثبوت النسب کے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ساس سے نکاح فاسد اور واجب الفسخ تھا مگر پیدا شدہ بچوں کا نسب باپ سے شرعاً ثابت ہے اور یہ بچے باپ کے مرنے کے بعد دیگر بھائی بہنوں کی طرح ترکہ میراث میں برابر کے حقدار ہونگے، کوئی بھی شخص ان کو اپنے حصۂ میراث سے منع نہیں کرسکتا اور نہ ہی منع کرنے کا کسی کو اختیار ہے۔

لما فی الهندیة: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفةؒ خلافاً لهما بناءً علیٰ ان النکاح فاسد عند ابی حنیفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)

---

[1] وفی الهندیة: وان تزوجهما فی عقدتین فنکاح الاخیرة فاسد یجب علیه ان یفارقها......... یجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة و یثبت النسب ویعتزل عن امرأته حتیٰ تنقضی عدة اختها۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۷/۲۷۸ کتاب النکاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جن کو برقرار رکھنے کیلئے موصوف نے اس عورت کی لڑکی سے شادی کرلی، اس کے بعد بھی ان کے تعلقات اسی طرح قائم رہے، دو سال بعد اس لڑکی سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بچی کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ کیونکہ علاقے کے علماء نے موصوف سے کہا تھا کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح صحیح نہیں لیکن پھر بھی اس نے نکاح کرلیا اور یہ بچی پیدا ہوئی؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال نہایت قبیح اور ناجائز تعلقات کے باعث اس عورت کی بیٹی اس مرد پر اپنی بیٹیوں کی طرح حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر محارم کے ساتھ نکاح کرلیا جائے تو وہ واجب الفسخ ہے مگر فاسد ہونے کے باوجود اولاد کا نسب باپ سے ہی ثابت ہوگا۔ اور عوام وخواص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان دونوں کو الگ کردیں۔

لما فی الهندية: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنيفةؒ خلافاً لهما بناءً علی ان النكاح فاسد عند ابی حنيفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)[1]

اپنی ذات یعنی شجرۂ نسب بدلنا

سوال:۔ ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسلمان کیلئے اپنی ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے حرام اور گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر بڑی وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نسب بدلنے والے آدمی پر جنت حرام ہے۔

عن سعدؓ قال سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول من ادعیٰ الیٰ غير ابيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام۔ (صحیح البخاری ج۲ ص۱۰۰۱ كتاب الفرائض)

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۷۵۹ باب العدّة۔ مطلب عدّة المنكوحة فاسداً)

وقال ايضاً: قوله لانه نكاح باطل ای فالوطء فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۷ باب ثبوت النسب قبيل باب الحضانة)

غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں گھلوڑ ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر میں ایک آدمی ہے جس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن وہ خدا کی قدرت سے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، اس نے اپنی جائیداد کا وارث بنانے کے لیے ایک کھیل کھیلا کہ شاید اس طرح میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، اس طرح اس نے اپنی بیوی کو کسی نامعلوم شخص کی منی کا (ٹیکہ لگوایا جس سے وہ حاملہ ہو گئی، مقررہ مدت کے بعد اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی جو کہ قدرتی نشوونما سے محروم اور ہر وقت بیمار رہتی ہے، اس کا قد بڑھنے کا عمل بہت سست ہے، بچی کی شکل بھی اس کے خاندان کے کسی فرد سے معمولی مشابہت بھی نہیں رکھتی اس بچی کی پیدائش کے بعد چھ سال تک اس کے ہاں کوئی بچی بچہ نہیں ہوا، واضح ہو کہ اس شخص کا باپ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا دعویدار سمجھتا ہے اور کسی کا حق دبانے میں ذرا برابر فرق نہیں کرتا، بینک کے سودی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے، اُسے بھی اپنے بیٹے کی اس گھناؤنی حرکت کا بخوبی علم ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کا اسلام میں کوئی مقام ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں؟ اور اگر وہ اسلامی حدود و قیود سے تجاوز کا مرتکب ہوا ہے تو قرآن و سنت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب:۔ مذکورہ بالا طریقہ (انجکشن کے ذریعے) سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تاہم اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر لیا جائے تو نسب ثابت ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الولد للفراش وللعاهر الحجر (الحدیث) تو اس آدمی سے اس بچے کا نسب ثابت ہو گا اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔ ثبوتِ نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح خاوند کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاوٰی اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

البکر اذا جومعت فی مادون الفرج فحملت بان دخل الماء فی فرجها فلما قرب اوان ولادتها تزال عذرتها ببیضة اوبحرف درهم۔ (ج ۴ ص ۱۴۱) "کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ (مرد کا) مادۂ منویہ اس کی شرمگاہ میں

داخل ہو جائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعے اس کا پردۂ بکارت (کنوارپن) چاک کر دیا جائے گا"۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کا سلسلہ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولدالزنا، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد ۱ ص ۱۵۲)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے، البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہوتے ہیں، خواہ اس بچی کی شکل و صورت اس خاندان کے افراد مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے

سوال:۔ ایک صاحب ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں لاپتہ ہو گیا کئی سال تک اس کی موت و حیات کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے ہر ممکن حد تک بچے کا نسب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، صورتِ مسئولہ میں اگرچہ بظاہر شوہر سے اثباتِ نسب مشکل نظر آتا ہے، مگر شریعتِ مطہرہ نے اس بچے کے نسب کو بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونی دفعہ چھوڑی ہے کہ "الولد للفراش والعاھر الحجر (بخاری شریف) بچہ فراش کا تابع ہوگا اور زانی کے لیے صرف پتھر ہے"۔ اسی قانون کے تحت صورتِ مسئولہ میں بھی اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے اگرچہ وہ حقیقتاً نہیں ہے، اس کا نسب علاوہ لعان کے ختم نہیں ہوگا۔

لما فی الھندیۃ: والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ لا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳۶ باب ثبوت النسب)

مسائلِ شتّٰی

(طلاق کے متفرق مسائل)

طلاقِ مغلظہ سے بچنے کے لیے حیلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! میری اور میرے بھائی کے درمیان کچھ ناراضگی تھی، اب ہماری صلح ہو چکی ہے اور صلح کے وقت میں نے بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں نے فلاں شخص کے ساتھ تعلقات رکھے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو، اب جرگہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اُس شخص کے ساتھ بول چال شروع کروں کیونکہ یہ شخص میرا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اب از روئے شرع مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ ہماری بول چال بھی شروع ہو جائے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب: ویسے تو صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مشروط بشرط ہیں، جب بھی شرط پوری ہو جائے تو طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اوّلاً آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر جُدا کر دیں اور جب اس کی عدّت ختم ہو جائے تو آپ اس شخص سے بول چال شروع کر دیں اور پھر دوبارہ عورت سے نکاح کر لیں، صرف اِس صورت میں آپ کی بیوی طلاقِ مغلّظہ کے وقوع سے بچ سکتی ہے ورنہ شخص مذکور کے ساتھ بول چال اور تعلقات شروع کرتے ہی آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلّظہ واقع ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدّة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔ (الدّر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۵۴۵ قبيل مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط)

مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم

سوال: اگر کسی عورت سے کوئی غلط کام ہو جائے اور اس کا شوہر بطورِ تنبیہ کے اسے یہ کہے کہ اگر تم نے آئندہ یہ کام کیا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، چند دنوں بعد اُس عورت سے وہی کام سرزد ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: گرائمر کے اصول کے مطابق مضارع کے صیغے دو طرح کے ہیں، بعض ایسے صیغے ہیں جو حال کے معنٰی میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض صیغے مستقبل کے لیے استعمال ہوتے

ہیں، چونکہ صورتِ اولیٰ میں انشاء فی الحال اور انشاء فی الماضی ہے لہٰذا مضارع کے ان صیغوں کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اور صورتِ ثانیہ میں چونکہ اظہارِ ارادہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں بغیر انشاء طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں فقط اظہارِ ارادہ ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: صیغۃ المضارع لا یقع بہا الطلاق الا اذا غلب فی الحال، کما صرح بہ الکمال ابن الہمام۔ (تنقیح الحامدیۃ ج۱ ص۳۸ کتاب الطلاق)[1]

بلانیتِ طلاق بیوی کو "دوسرا خاوند تلاش کرلو" کے الفاظ کہنا

سوال: اگر کوئی شخص بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران یہ کہہ دے کہ "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو"، مگر اس میں اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو" یہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ہیں جو وقوعِ طلاق میں نیت یا دلالتِ حال و قرینہ وقیاس کے محتاج ہیں۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس آدمی کی نیت طلاق کی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ بصورتِ نیت بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

وفی الہندیۃ: وابتغی الازواج تقع واحدۃ بائنۃ ان نواھا او اثنتین وثلاث ان نواھا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

اور طلاق بائن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا عدت گزر جانے کے بعد تجدیدِ نکاح سے بیوی خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صیغۂ مضارع ہے اور مضارع سے وقوعِ طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہو جائے تو فقہاء نے اس سے وقوعِ طلاق کی تصریح کی ہے۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۸۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامۃ ابوالبرکات النسفی رحمہ اللہ: وغیرھا بائنۃ وان نوی ثنتین وتصح نیۃ الثلاث وھی بائن بتۃ بتلۃ حرام ...... قومی ابتغی الازواج۔
(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۳ ص۳۰۰، ۳۰۲ باب الکنایات)

نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے

سوال:- ایک شخص کی بیوی فاحشہ اور نافرمان ہے، اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب:- جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو اور حدودِ شرعی کو بھی پامال کرتی ہو تو اس کو طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ایسی عورت سے خلاصی حاصل کرنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح وقیل الاصح خطره الا لحاجة کریبة و کبر ۔۔۔ بل یستحب لو مُوذیة او تارکة صلٰوة غایة ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی ویجب لوفات الامساك بالمعروف ۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله (مُوذیة) اطلقه فتشمل المؤذیة له او لغیره بقولها او بفعلها ۔ الخ

(ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق) ؎۱

لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم

سوال:- والدین نے ایک جگہ میری شادی کردی، رخصتی کے بعد مجھے لڑکی پسند نہیں، تو کیا اب میں اس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:- طلاق دینا شوہر کی ملکیت ہے وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتا ہے مگر بلا عذرِ شرعی طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ طلاق کی صورت میں والدین کی نافرمانی بھی لازم آتی ہے اس لیے حتی الامکان طلاق دینے سے گریز کیا جائے، اور اگر باوجود کوشش کے نباہ ممکن نہ رہے تو پھر طلاق دینا مباح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآیات اکمل وقیل قائله الکمال الاصح خطره ای منعه الا لحاجة کریبة وکبر ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۵ کتاب الطلاق) ؎۲

؎۱ و ؎۲ قال الشیخ وهبة الزحیلیؒ : ذهب الحنفیة علی المذهب الیٰ ان ایقاع الطلاق مباح لاطلاق الآیات ۔۔۔۔۔۔ قال الکمال بن الهمام الاصح خطر الطلاق ای منعه الا لحاجة کریبة وکبر وزجر ۔ قال ابن عابدینؒ : هٰذا الرأی ولیست الحاجة مُختصّة بالکبر والریبة بل هی اعم ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۳۶۲ المبحث الاوّل ۔۔۔ حکم الطلاق)

صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال:- اگر کسی شخص کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہو کہ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے جبکہ ابھی تک اُس نے زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے ہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:- طلاق کے وقوع کے لیے الفاظِ طلاق کا زبان سے ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، نفسِ طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: فقد افاد ان رکنہ ای الطلاق اللفظ الدال علی ازالة حل المحلیة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۲ کتاب الطلاق) [1]

شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی

سوال:- اگر کسی شخص کو طلاق کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ اُس نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین، تو اس صورت میں اس شخص کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

الجواب:- تعدادِ طلاق میں شک پڑ جانے چونکہ عدد اقل متیقن ہوتا ہے وہی واقع ہو گا حتیٰ کہ اس کو اکثر کا یقین ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بصورتِ شک دو طلاق واقع ہوں گی، تاہم اگر تین طلاق کا گمان زیادہ ہو تو تین ہی واقع ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انہ طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکثر ظنہ علی خلافہ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی: یشترط بالاتفاق القصد فی الطلاق وهو ارادة التلفظ بہ ولو لم ینوہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۳۶۸ المبحث مایشترط فی الرکن الثانی للطلاق القصد)

[2] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: ومن شك فی صفة الطلاق: انہ طلقها رجعیة أو بائنة یحکم بالرجعیة لانها اضعف الطلاقین فکانت متیقنا بہا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۵۷ المبحث السادس الشك فی الطلاق)

مرض الموت کی طلاق سے حقِ وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک شخص نے مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دی، اسکے چند دن بعد وہ اس بیماری سے فوت ہوگیا تو کیا اس مطلقہ عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الوفات میں طلاق دینے سے خاوند کے بارے میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو، اس لیے از روئے شرع مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت کا حقِ میراث ختم نہیں ہوتا۔

لما فی الھندیۃ: الرجل اذا طلق امرأتہ طلاقاً رجعیاً فی حال صحتہ او فی حال مرضہ برضاھا او بغیر رضاھا ثم مات وھی فی العدۃ فانھما یتوارثان بالاجماع۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) [1]

فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کی بیوی آوارہ پھرتی رہتی ہو اور خاوند کی طرف سے پابندی کو ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کرتی ہو یہاں تک کہ اس سے فسق وفجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو تو ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ فاحشہ اور فاسقہ عورت کے بارے میں اس کے خاوند کو فکرمند ہونا چاہیئے اوّلین فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرکے فسق وفجور سے باز آجائے، لیکن اگر خاوند تمام تر کوشش کے باوجود اس کی اصلاح سے کُلی طور پر نااُمید ہوجائے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے تاہم واجب نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللّٰہ: بل یستحب (ای الطلاق) لو مؤذیۃ او تارکۃ صلوٰۃ۔ قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: اطلقہ فشمل المؤذیۃ لہٗ او لغیرہ بقولھا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۱ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: الطلاق اذا کان رجعیًا فانھا ترثہ وکذا یرثھا لو ماتت فی العدّۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۶۷ باب طلاق المریض)

وَمِثْلُہٗ فی کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۴ ص۴۲ باب طلاق المریض۔

وفیہ کذلک فی موضع آخر لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۳۱۸ فصل فی المحرمات، مطلب فیما لو زوج المولیٰ امتہ) لہ

طلاق کے لیے خاوند پر جبر کرنے کا حکم

سوال:- کن صورتوں میں خاوند پر جبر و اکراہ کر کے طلاق حاصل کی جا سکتی ہے؟

الجواب:- طلاق میں خاوند مستقل ہے، طلاق حاصل کرنے کے لیے اس پر جبر کرنا اس کے حقوق میں دخل اندازی کے مترادف ہے، تاہم لعان کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر سکتا ہے، ایسے ہی ظہار میں کفارہ کی ادائیگی یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

لما فی الہندیۃ: المظاہر اذا لم یکفر ورفع امرہ الی القاضی یحبسہ القاضی حتی یکفر او یطلق۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۵۰۷ الباب التاسع فی الظہار) ٢ہ

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دینا

سوال:- ایک شخص کی بیوی میں کوئی شرعی نقص نہیں کہ جس کی وجہ سے اُسے طلاق دیدی جائے لیکن خاوند کے والدین اور بیوی کا آپس میں اکٹھا رہنا مشکل ہے، ایسی حالت میں کیا یہ شخص محض والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب:- والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا

لہ قال ابن نجیم المصریؒ: وفی غایۃ البیان یستحب طلاقہا اذا کانت سلیطۃ مؤذیۃ او تارکۃ للصلوٰۃ۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۷ کتاب الطلاق)

وفیہ ھکذا۔ وفی المجتبیٰ من آخر الحظر والاباحۃ لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

٢ہ وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وعلیہا ان تمنعہ من الاستمتاع حتی یکفر وعلی القاضی الزامہ بہ بالتکفیر دفعًا للضرر عنہا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظہار)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الہندیۃ ج ۱ ص۵۴۴ باب الظہار۔ مطلب بلاغات محمد سندہ)

اوراس کو جدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمرؓ جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمرؓ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے ،اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (النساء آیت ۱۲۹)

وایضاً قال : وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللهِ هُزُوًا ط ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۱) ؎۱

مطلّقہ کی میراث کا حکم

سوال :۔ اگر عدت کے دوران مطلّقہ کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو کیا مطلّقہ معتدۃ کو خاوند کی جائیداد میں ارث کا حق مل سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر عورت کے مطالبہ پر خاوند نے طلاقِ (بائن) ہو تو ایسی حالت میں مطلّقہ حقِ وراثت سے محروم رہے گی اسکے علاوہ چونکہ معتدۃ خاوند کے نکاح میں پابند رہتی ہے اس لیے اس کو میراث سے حصہ ملے گا اگرچہ عورت مطلّقہ مغلّظہ ہی کیوں نہ ہو ۔

لما فی الھندیۃ : الرجل اذا طلق امرأتہ طلاقاً رجعیاً فی حال صحتہ او فی حال مرضہ برضاھا او بغیر رضاھا ثم مات وھی فی العدّۃ فانھما یتوارثان ....ولو طلقھا طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم مات وھی فی العدّۃ فکذٰلک عندنا ترث، الخ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) ؎۲

؎۱ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال کانت تحتی امرأۃ احبھا وکان عمرؓ یکرھھا فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقھا ۔ رواہ الترمذی ۔ (مشکوٰۃ ص۲۸۱ کتاب الطلاق)

وقال الشیخ عبد الحقؒ فی شرح ھٰذا الحدیث : ان کان الحق فی جانب الوالدین فطلاقھا واجب للزوم العقوق فی الحقوق وان کان فی جانب المرأۃ فان طلقھا لرضاء الوالدین فھو جائز ۔ (اللمعات شرح المشکوٰۃ)

؎۲ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ : اذا طلق المریض امرأتہ طلاقاً رجعیاً ورثت ما دامت فی العدۃ ۔ وفیہ ۔ ولو طلقھا بائناً او ثلاثاً ثم مات وھی فی العدّۃ فکذٰلک عندنا ترث ۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۳ ص۵۲۲ الفصل العشرون فی طلاق المریض کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۶۷ باب طلاق المریض ۔

بغیر رجوع کیے عدّت گذرنے پر عورت جُدا ہوگی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" جبکہ اس وقت طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا لیکن عورت کو ناچاقی کی وجہ سے کہہ دیا، اس کے بعد عورت والدین کے گھر چلی گئی، پانچ سال تک ان کے باہمی تعلقات نہیں رہے، اب وہ دونوں دوبارہ نکاح بحال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ "تو مجھ پر طلاق ہے" کے الفاظ صریح ہیں، ایسے الفاظ میں نیت وارادہ کی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی طلاق ہو جاتی ہے ، صورت مذکورہ میں چونکہ ایک طلاق واقع ہو کر عدت گذر گئی ہے، اگرچہ عدت کے دوران خاوند کیلئے رجوع بالقول یا بالفعل کافی تھا لیکن رجوع کے بغیر عدت گذرنے سے عورت جدا ہوگئی ہے، اب دونوں باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کے ذریعے دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللّٰہ: والرجعی لا یزیل الملک الا بعد مضی العدۃ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق، باب الرجعۃ) [1]

مطلّقہ مغلّظہ کا خاوند کے گھر رہنا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو طلاقِ مغلّظہ دے کر فارغ کر دیا ہے، حلالہ کے لیے تیار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ عورت خاوند کے گھر میں بطور خادمہ کے رہے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند فاسق فاجر نہ ہو اور اس سے زنا کا خطرہ نہ ہو تو مطلّقہ مغلّظہ کا بطور خادمہ خاوند کے گھر میں رہنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی احتیاط ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی میں مُبتلا نہ ہو۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: سئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منہما ستون سنۃ وبینہما اولاد تتعذر علیہما مفارقتہم فیسکنان فی بیتہم ولایجتمعان

---

[1] قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: فما دامت العدۃ باقیۃ کانت ولایۃ الرجعۃ باقیۃ واذا انقضت من غیر رجعۃ بانت۔ (العنایۃ شرح الھدایۃ علیٰ ھامش فتح القدیر ج ۳ ص۳۵۲ باب ایقاع الطلاق، کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص۲۵۶ باب الطلاق۔

فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج ھل لھما ذلك قال نعم ۔
(الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۷۵ باب العدّۃ۔ کتاب الطلاق)[1]

عدّت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کے بعد میری عدت گذر گئی ہے، تو کیا اس کے بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کا مفید ہو اور اس کے بیان میں سچائی کی طرف میلان زیادہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ عورت کے بیان کو معاشرہ کے حالات کے مطابق پرکھا جائے، قرائنِ خارجیہ کا سہارا لیے بغیر شاید صرف اس عورت کا بیان ظن کے لیے مفید نہ بن سکے ۔

لما فی الھندیۃ : ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثًا وانقضت عدتی فان کانت عادلۃ وسعہ ان یتزوجھا وان کانت فاسقۃ تحری وعمل بما وقع علیہ تحریہ کذا فی الذخیرۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۳۱۳ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدۃ)[2]

نفاس کی عدّتِ طلاق

سوال :۔ ایک آدمی نے حالتِ نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب یہ عورت عدت گذارنے کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر عورت حیض کے آنے سے نا اُمید نہ ہوچکی ہو تو اس صورت میں اُس پر

---

[1] وفی الھندیۃ : اذا طلّقھا ثلاثًا او واحدۃ بائنۃ ولیس لہ الّا بیت واحد فینبغی لہ ان یجعل بینھما حجابًا حتّٰی لا تقع الخلوۃ بینہ وبین الاجنبیّۃ ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۵۳۵ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدّۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۵۳۵ کتاب الطلاق۔ الباب الرابع عشر فی الحداد)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ : وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی اوکنت امۃ فلان واعتقنی۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔ باب العدّۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الخانیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج ۱ ص۴۲۱ کتاب الطلاق باب العدّۃ ۔

تین حیض گذارنا لازم ہیں اور اگر سنِ ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہو تو اس صورت میں تین ماہ کی عدّت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بہرحال عدّت گذارنا ضروری ہے۔

قال العلامة برھان الدین المرغینانیؒ: واذا طلق الرجل امرأته وھی حرّۃٌ ممن تحیض فعدّتھا ثلاثۃ اقراء۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۲۲ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ)[1]

نومسلم عورت کی عدّت کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت اسلام سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو یہ عورت اگر کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی عدّت کیا ہو گی؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا خاوند اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو تو یہ عورت کسی غیر مسلم شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، اس لیے مسلمان حاکم یا قاضی خاوند کے اسلام لانے سے انکار کے بعد دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر کرے گا جو عورت کے حق میں طلاق شمار ہو گی، ایک اسلامی ملک اور معاشرہ میں رہائش رکھتے ہوئے عورت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عدّت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی رحمہ اللہ: واذا اسلمت المرأۃ وزوجھا کافر عرض علیه الاسلام فان اسلم فھی امرأته وان ابی فرق القاضی بینھما و کان ذٰلك طلاقاً عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ۔

(الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۲۸۸ کتاب النکاح۔ باب نکاح اہل الشرک)[2]

---

[1] وفی الھندیۃ: واذا طلق الرجل امرأته...... وھی ممن تحیض فعدّتھا ثلاثۃ اقراء۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۲۶ کتاب الطلاق۔ باب الثالث عشر فی العدّۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۵۱ کتاب الطلاق، باب العدّۃ۔

[2] قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: واذا اسلم احد الزوجین المجوسیین او امرأۃ الکتابی عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم فبھا والا بان ابی او سکت فرق بینھما۔

(الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۲ باب نکاح الکافر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۱۲ باب نکاح الکافر۔

تجھے طلاق دی، دی، دی، سے تین طلاق کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی، تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟ جبکہ اس کی نیت بھی تین ہی کی ہو؟

الجواب: جب کسی آدمی کی نیت ایسے الفاظ سے تین طلاق کی ہو تو اس سے تین طلاق واقع ہوں گی اور بدون حلالہ شرعی کے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوسکتے۔

لمافی الھندیۃ: ولو قالت مرا طالق کن، مرا طالق کن، مرا طالق کن۔ فقال کردم، کردم، کردم، تطلق ثلثا وھوالاصح۔ (الفتاوی الہندیہ ج۱ ص۳۸۴ کتاب الطلاق)[1]

"بنتِ فلاں کو طلاق ہو" کا شرعی حکم

سوال: ایک شخص نے کئی آدمیوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو فلاں کی بیٹی (اپنے سسر کا نام لیا) کو طلاق ہو، چند دنوں بعد ہی اس نے وہی کام کر دیا، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ میں میں نے اپنی سالی کی نیت کی تھی بیوی کی نہیں، تو کیا شریعتِ مقدسہ کی رو سے موصوف کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق موصوف کا متعلقہ کام سرانجام دینے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، قضاءً اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، دیانۃً اور معاملہ ہے۔

لما قال العلامۃ قاضی خانؒ: ولکذا قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن بہ امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأتہ۔ (الفتاوی قاضی خان ج۲ ص۲۱۵ کتاب الطلاق)

---

[1] لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: **الجواب:** یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، دے دی، دے دی، اگر دمبرا کیا گیا گنتی ہو الخ دیکھا جائے گا کہ اس کا مطلب کیا تھا، اگر مطلب یہ تھا کہ گو اب تک نہ دی تھی مگر اب دے دی تب تو تین طلاق واقع ہوگئیں، بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں۔ الخ
(امداد الفتاوی ج۲ ص۴۳۰ کتاب الطلاق)

لفظ تلاق سے طلاق کے وقوع کا حکم

سوال:۔ ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے طلاق دیدتا ہے جبکہ اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو تلاق ہو یعنی تا کے لفظ کہا ہے طا کے ساتھ نہیں، تو کیا لفظ تلاق سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے معاملہ میں اگر قا یا لام کے کلمات کو کچھ تبدیل کردیا جائے اور لام کا کلمہ اپنی حالت پر رہے تو اس سے قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی تلاق کے لفظ سے طلاق واقع ہوگئی ہے اور عورت کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: ویقع بهاای بهٰذہ الالفاظ وما بمعناها من الصریح ویدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك۔ قال ابن عابدینؒ: ومنه الالفاظ المصحفة وهی خمسة نزاد علی ماهنا تلاق۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۳ ص۲۴۸ کتاب الطلاق، باب الصریح) [1]

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ ارسال کیا جس کا متن یہ ہے: "کہ من مسمّی محمد عمران بن محمد سلطان نے اپنی بیوی سعیدہ بنت سعید الرحمٰن کو تین طلاق دیدی ہے" جبکہ سعیدہ کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے، تو کیا اس طلاق نامہ سے سعیدہ پر طلاق واقع ہوچکی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق میں کسی اضافت سے اپنی منکوحہ کا قصد وارادہ ہو تو باپ کا نام غلط لکھا جانا مانع وقوع طلاق نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں محمد عمران کی بیوی سعیدہ تین طلاق سے مطلقہ مغلظہ ہوچکی ہے جو بدون حلالہ شرعی کے موصوف کے لیے حلال نہیں۔

لما فی الهندیة: قال امرأته عمرة بنت صبیح طالق وامرأته عمرة بنت حفص

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ومنه الالفاظ المصحفة وهی خمسة تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك فیقع قضاء ولایصدق الا اذا اشهد علی ذلك قبل التکلم۔
(البحرالرائق ج ۳ ص۲۵۲ کتاب الطلاق، باب الصریح)

ولا نية له لا تطلق...... وان نوى امرأته فى هذه الوجوه طلقت امرأته فى القضاء وفيما بينه وبين الله كذا فى خزانة المفتين۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۶۳ الفصل الاول فى الطلاق الصريح، مطلب اذ شك انه طلق الخ) لـه

کسی جاہل سے امرأتی طالق کے الفاظ کہلوانے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے ایک جاہل آدمی سے کہا کہ تم یہ الفاظ کہو کہ امرأتی طالق، تو اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے، حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا نہ تو ان کے معانی کو جانتا ہے اور نہ اس کی نیت طلاق کی تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ الفاظ صریح ہیں اگرچہ نیت کی ضرورت نہیں تاہم وقوع طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت میں بیوی کا قصد و ارادہ ہو، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا بشرط صحتِ سوال صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولكن لابد فى وقوعه قضاء وديانة من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالماً بمعناه ولم يصرفه الى ما يحتمله كما افاده فى الفتح وحققه فى النهر احترازاً عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها او كتب ناقلا من كتاب امرأتى طالق مع التلفظ او حكى يمين غيره فانه لا يقع اصلاً ما لم يقصد زوجته وعما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع اصلاً على ما افتى به مشائخ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۹۳ كتاب الطلاق)

تیرا میرا معاملہ ختم" کہنے کے نکاح پر اثرات

سوال:۔ میاں بیوی کے ما بین کسی وجہ سے تلخ کلامی پیدا ہو گئی تو شوہر نے بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اسلئے کہ میرا اور تیرا معاملہ ختم

لـه قال العلامة ابن نجیمؒ: وكذا لو قال بنت فلان طالق ذكر اسم الاب ولم يذكر اسم المرأة وامرأته بنت فلان وقال لم اعن امرأتى لا يصدق قضاء وتطلق امرأته۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۳، كتاب الطلاق، باب الصريح)

ہوچکا ہے تو کیا ان دونوں کا نکاح برقرار ہے۔ یا ختم ہوچکا ہے؟

الجواب:۔ "میرا تیرا معاملہ ختم ہوچکا ہے" یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں، اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے ورنہ الفاظ لغو ہیں۔

لما فی الهندية : لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع ۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۷۶ كتاب الطلاق ، الفصل الخامس فى الكنايات)

اثباتِ طلاق کے لیے باپ کی گواہی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک عورت نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دی ہیں جبکہ اس کا خاوند اس بات کا منکر ہے، عورت گواہی میں اپنے باپ، اور ایک ہمسایہ کو پیش کرتی ہے، کیا اس گواہی سے عورت کا دعوٰی طلاق درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعوٰی طلاق کے اثبات کے لیے دیگر مقدمات کی طرح دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ گواہوں میں کوئی ایسا گواہ نہ ہو جس کی گواہی سے اقرباپروری کی تہمت لگ سکتی ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اثباتِ طلاق کا ایک گواہ عورت کا باپ ہے جس کی گواہی اس دعوٰی طلاق کے اثبات کے لیے شرعاً درست نہیں، لہٰذا ایک گواہ سے دعوٰی ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے عورت پر وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، تاہم اگر واقعتاً ایسا معاملہ ہوچکا ہو تو عورت کسی اور ذریعہ (خلع) سے شوہر سے جدائی اختیار کرسکتی ہے۔

لما فی الهندية : لا تجوز شهادة الوالدين لولديهما ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۶۹ باب الشهادة) [له]

تعدادِ طلاق میں شک ہو تو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو دو طلاق دی ہیں یا تین، تو کیا یہ شخص بیوی سے رجوع کرسکتا ہے یا یہ کہ حلالہ شرعی لازمی ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کو تعدادِ طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ

له قال المرغيناني : ولا شهادة الوالد لولده و ولد ولده ولا شهادة الولد لابويه ولا جداده والاصل فيه قوله عليه السلام لا يقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا لمرأة لزوجها الخ ۔ (الهداية ج۳ ص۱۶۱ كتاب الشهادة ، فصل من يقبل شهادته ومن لا يقبل)

کم عدد پر عمل کرے اس لیے کہ وہ یقینی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت پر دو طلاق واقع ہو چکی ہیں اور طلاق رجعی ہونے کی بنا پر آدمی رجوع کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ولو شك أطلق واحدة او اکثر بنی علی الاقل۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۸۳ باب الصریح) ؎۱

رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دی، اب وہ اپنے اس اقدام پر نادم اور پشیمان ہے، گواہوں کے سامنے اس نے رجوع کا اعلان کیا ہے لیکن بیوی نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ مجھے رجوع قبول نہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت کی رضامندی کے بغیر خاوند رجوع کر سکتا ہے؟

الجواب: فقہ حنفی کی رُو سے طلاقِ رجعی میں نکاح زائل نہیں ہوتا صرف عدد میں کمی آتی ہے، اس لیے خاوند کے رجوع کرنے کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں، منکوحہ راضی ہو یا نہ ہو لیکن جب خاوند باقاعدہ رجوع کرے تو دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

لما فی الهندية: واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها فی عدتها رضيت بذلك او لم ترض۔ (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۴۷۰ کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة) ؎۲

○

؎۱ وفی الهندية: عن محمدؒ اذا شك فی انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکبر ظنه الخ۔ (الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۳۶۳ کتاب الطلاق، الفصل الثانی فی طلاق الصریح)

؎۲ قال الحصکفیؒ: وتصح الرجعة بتزوجها فی العدة۔ وفیه: ان لم یطلق بائنا فان ابیٰ او ابت۔ قال ابن عابدینؒ: ای سواء رضیت بعد علمها او ابت۔
(رد المحتار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق، باب الرجعة)
ومثله فی فتح القدیر ج۴ ص۱۴۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة۔

موجودہ جج قاضی شرعی کے قائم مقام ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، شادی کے چند ماہ بعد شوہر نے بیوی کو نان ونفقہ دینا چھوڑ دیا، کئی بار علاقائی جرگوں کے ذریعے اُسے سمجھانے کے باوجود وہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا، آخر کار عورت نے مجبور ہوکر عدالت میں تنسیخِ نکاح کا دعویٰ کر دیا، عدالتی حکم پر شوہر صرف ایک بار عدالت میں حاضر ہوا، اس کے بعد عدالتی اطلاع اور سمن کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہوا۔ آخر کار عدالت نے عورت کے حق میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ:-

(۱) کیا موجودہ عدالتوں کے جج صاحبان قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ان عدالتوں کے جج صاحبان بیوی کو نان ونفقہ نہ دینے والے شوہر کی بیوی کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- پاکستان کے فیملی لاء میں سے بعض کا تعلق قضاءِ قاضی کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ حکم تمام نہیں ہوتا، مگر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ یعنی حاکمِ وقت کا مقرر کردہ ہو، بغیر حاکم کی اجازت کے کوئی شخص قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔

قال الامام ماوردیؒ: والثانی لان التقلید لا یصح الا من جهته وایضاً فتقلید القضاء من جهته فرض یتعین علیه۔ (ادب القاضی ج۱ ص۱۳۷)

اگرچہ حکومت کسی فاسق وفاجر یا کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: فیه دلیل علیٰ جواز التقلید من الکافر المسلم الجائر بالاولیٰ۔ (اعلاء السنن ج۱۵ ص۵۴ کتاب القضاء، باب صحة تقلد القضاء ...الخ)

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ”جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاءِ قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے“۔ (حیلۂ ناجزہ ص۱۴۸ المرقومات للمظلومات)

اس لیے موجودہ جج ومجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ان احکامات کے اجراء کیلئے مقرر ہوں قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں بشرطیکہ فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔

اسی طرح جو شخص بیوی کو باوجود وسعت کے نان ونفقہ نہ دیتا ہو اور نہ ہی اُسے طلاق دینے پر آمادہ ہو اور نہ خلع کرنا چاہتا ہو تو اگرچہ حنفیہ کے ہاں عورت کو نکاح کی تنسیخ کی

اجازت نہیں مگر بناء بر مجبوری متاخرین علماء نے مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ شوہر طلاق یا خلع سے بھی انکاری ہو اور نان ونفقہ بھی نہ دیتا ہو اور عورت کے نان ونفقہ کا کوئی متبادل انتظام بھی نہ ہو سکتا ہو، جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں مذکور ہے کہ بار بار سمجھانے اور وسعت کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں دیتا اور طلاق وغیرہ سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس مسئلہ کے حل کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اب اگر عدالت تحقیقِ حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دے تو یہ عورت شوہر کے نکاح سے آزاد ہو جائے گی اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی : لا یجوز فی مذھب الحنفیۃ والامامیۃ التفریق لعدم الانفاق، اجاز الائمۃ الثلاثۃ التفریق لعدم الانفاق .... والراجح لدی رأی الجمھور لقوۃ ادلتھم ودفعاً للضرر عن المرأۃ ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص۵۱۲ کتاب الطلاق)

(وھکذا فی الحیلۃ الناجزۃ ص۷۳ حکم زوجہ متعنت)

برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کے فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب!

یہاں برطانیہ کی شریعت کونسل نے ایک مقدمہ میں مُدعیہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری کی ہے، اب آنجناب سے عرض ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

مسمّی صفدر زمان نے ۱۹۸۳ء دسمبر میں بی بی فاطمہ سے پاکستان میں شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انگلینڈ آ گئے، پانچ سال تک اچھے تعلقات رہے، اس کے بعد اُس نے ظلماً بی بی فاطمہ کو گھر سے نکال دیا اور وہ اس وقت سے اب تک (تقریباً بارہ سال سے) بہن کے گھر بیٹھی ہوئی ہے، کوئی بھی اسے منانے نہیں آیا، اس دوران صفدر زمان نے دوسری شادی کر لی جس سے اس کی چار بچیاں بھی ہو گئی ہیں، چونکہ صفدر زمان نہ تو بی بی فاطمہ کو طلاق دینے پر تیار تھا اور نہ آباد کرنے کے لیے، مجبوراً بی بی فاطمہ نے شرعی کونسل برطانیہ میں دعویٰ دائر کر دیا، ایک سال تک کیس چلتا رہا، اس کے بعد شریعت کونسل نے بی بی فاطمہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری

کر دی اور لکھ دیا کہ بی بی فاطمہ عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

شریعت کونسل برطانیہ کے چیئرمین مفتی محمد اسلم صاحب ہیں، دیگر ممبران حضرات بھی علماء کرام ہیں، مفتی صاحب جمعیۃ علماء برطانیہ کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد امداد اللہ قاسمی صاحب خطیب مسجد حمزہ برمنگھم فاضل بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا حافظ محمد حسین صاحب خطیب جامع مسجد جینٹ البن شاگرد حضرت غورغشتیؒ، مولانا محمد زمان صاحب فاضل جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک بھی شریعت کونسل کے ممبر ہیں۔

فسخ نکاح کے فیصلہ نقل حاضر خدمت ہے۔

(بی بی فاطمہ۔ یوکے۔ انگلینڈ)

الجواب:۔ اسلام نے کسی کو بھی دوسرے پر ظلم وزیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے چاہیے وہ اس کا مملوک ہو یا منکوحہ ہو، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اور ہر وقت بیوی کو بلا وجہ زدوکوب کرتا رہتا ہو، سب وشتم سے اس کا جینا دوبھر کر رکھا ہو، نان ونفقہ سے بھی پہلوتہی کرتا ہو، بیوی کو نہ تو اچھے طریقہ سے آباد کرتا ہو اور نہ اس کو چھوڑتا ہو۔ تو مذہب مالکیہ کے مطابق ایسی مجبور عورت اپنی گلو خلاصی کے لیے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدالت پوری تحقیقات اور کوشش کے بعد صلح نہ ہونے کی صورت میں عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کی مجاز ہے، تنسیخ نکاح کی ڈگری ملنے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر کہیں شرعی عدالت نہ ہو یا دار الحرب ہو تو وہاں یہ عہدہ کوئی پنچایت (جو کہ دیندار مسلمان ممبران پر مشتمل ہو) سنبھال سکتی ہے اور اس کی طرف سے جاری کی گئی تنسیخ نکاح کی ڈگری شرعی قواعد کے مطابق مقبول ہوگی اور اس کا بھی وہی مقام ہے جو کسی شرعی عدالت کے فیصلے کا ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں بھی بناء بر ضرورت شدیدہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق برطانیہ میں شرعی عدالت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کی شریعت کونسل (جو ایک گونہ پنچایت ہے) اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور اس کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔ چونکہ بی بی فاطمہ کے نکاح کی تنسیخ کا فیصلہ بھی اسی ضرورت شدیدہ کے تحت ہوا ہے کہ اس کا شوہر مسمیٰ صفدر زمان نہ تو خلع کے لیے تیار تھا اور نہ طلاق دینے پر آمادہ تھا اور نہ اس کو اچھی طرح آباد کرنے کے لیے تیار تھا، اس لیے شریعت کونسل کا تنسیخ کا یہ فیصلہ شرعاً

درست اور صحیح ہے، بی بی فاطمہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس کا نکاح شوہر اوّل سے ختم ہو چکا ہے ۔

(۱) لما قوله تعالیٰ : وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا ۔ (الآیۃ) وقال الله تعالیٰ : فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (الآیۃ) وان البقاء مع عدم الانفاق ضرارة وامساك بغیر معروف وكان حقًا علیه ان یطلق زوجة ولما لم یقم بذلك وقد تعین علیه قام القاضی مقامه فیه ۔

قال صلی الله علیه وسلم لا ضرر ولا ضرار وان الامساك مع عدم الانفاق ضرارۃ وان الامساك مع عدم الانفاق مضارۃ وعلی القاضی ان یزیل الضرر بفك تلك العقد الی اصبحت ضررًا لامصلحة فیها ۔ (الاحوال الشخصیۃ لابی زهرۃ ص ۳۴۹)

(۲) فی مقدمات لابن رشدؒ : ان تبین ان الضرر من قبل الزوج فرق بینهما بغیر غرم تغرمه المرأۃ ۔ (الاحوال الشخصیۃ ص ۳۶۴ التفریق للضرورۃ)

(۳) واجاز المالکیۃ التفریق للشقاق او للضرر منعا للنزاع وحتی لاتصبح الحیاۃ الزوجیۃ جحیما وبلاء ۔ ولقوله علیه السلام لاضرر ولا ضرار و بناء علیه ترفع المرأۃ امرها للقاضی فان اثبت الضرر او صحۃ دعواها طلقها ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص ۵۲۷ البحث الثالث التفریق للشقاق ۔ الخ)

(۴) اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانونًا اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس وقت مذہب امام مالکؒ کے موافق (جس کا اختیار کرنا بضرورت شدیدہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار اور با اثر مسلمانوں کی ایک جماعت (جس کا عدد کم از کم تین ہو) کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت اس معاملے کی تحقیق کر کے شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے ۔

(حیلۂ ناجزہ ص ۳۴-۱۴۸ المرقومات للمظلومات و تفریق بین الزوجین لحکم حاکم)

وهکذا فی اسلام کا مکمل نظام طلاق ص ۲۰۹ تا ۲۱۱ ۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

ہر دور میں سائنسی ایجادات نے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا کیا ہے علماء اُمت اور مفتیانِ کرام نے شرعی نقطہ نظر سے ان ایجادات پر بحث و تحقیق کرتے ہوئے قرآن و سنت کے دلائل و شواہد کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پُرمغز مقالے، مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں جن کو اپنے اور بیگانے سب نے تسلیم کیا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی ان ہی سائنسی ایجادات کی کرشمہ سازی ہے جس میں انسانی تولید کے جدید (مگر حیا سوز اور اخلاق باختہ) طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کو دارالعلوم کے ترجمان ماھنامہ الحق نے اپنی اشاعت کی زینت بنایا۔ فتاویٰ اور فقہی مباحث کی مناسبت سے افادۂ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے، اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزّت و افتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُخروی سعادت اور نجات کیلئے بھی بہترین توشہ ہے، اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں، افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے، پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تزوّجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ (ابوداؤد، نسائی)

(ترجمہ) "تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبّت کرنے والی ہو۔ جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دُوسری اُمتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

یہی وجہ ہے کہ جب ضبطِ تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علماء حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی، بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل اور ذرائع کا حصول اور استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیّتِ الٰہی پر موقوف ہے، قرآنِ مجید میں اِس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے:۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹،۵۰)

(ترجمہ) "اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور

یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے"۔

اس آیتِ کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افرادِ انسانی چند اقسام میں منقسم ہیں:۔

(ا) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاءِ کرام میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا حضرت لوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زیتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (ریا، صفوریا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے آپ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نعشان، زمران، نعشیق اور شیوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے، قاسمؓ، طاہرؓ وطیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخر الذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوعِ انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرہ کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن مرتے دم تک اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، عربی میں اسے "عقیم" اور اردو میں "بانجھ" کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیتِ الٰہی

کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے (بچے کی پیدائش کی) صلاحیت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو دُنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ "اہل طبائع" کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل کا بھی اثر رہتا ہے، اگرچہ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ ہے طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیرِ نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی اسباب کو مدِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ اصل مسئلہ کے فہم و ادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ جملہ ضروری اور موقوف علیہ امور اور وسائل و ذرائع کے اختیار کر لینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً:۔

(ا) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو، عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن "رحم" میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مدّت تک "رحمِ مادر" میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ پہچان لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا عمر بھر بچے کی نعمت سے محروم رہے، جوڑے کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی اُمیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صُورتیں بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقۂ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی نا امیدی نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارھویں مرتبہ کامیاب ہُوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹروں کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سَو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دس افراد کے

بارے میں کامیابی ہوتی ہے اور باقی نوّے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوتی۔ اس قلیل اندازے میں کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لاعلاج ہیں۔ بہرحال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں:۔

(الف) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متضاد مادہ کی علیحدگی کے لیے علاج کیا جائے تاکہ اصلاح کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، از روئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے۔

(ج) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص "رحم" میں ہو یعنی "رحمِ مادر" میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ علاج

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے ذریعہ آخرالذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن "رحمِ مادر" میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی اپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک جائزہ کی "تجرباتی رپورٹ" سے اس طریقۂ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے جیسا کہ اخبار لکھتا ہے:۔

"آج سے آٹھ سال قبل نیوزی لینڈ کی ایک ۲۷ سالہ عورت مارگریٹ نے مئی ۱۹۷۹ء میں پانچ پونڈ کی ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے

اس کے شوہر کے نُطفہ کو لیبارٹری میں "ٹیبٹیری ڈش"، "تکنیک کے ذریعہ" امبری ٹو" کی شکل دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر "لوٹیرس" کی مدد کے تمام غذائیت حاصل کی اور پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش اپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی"۔

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہو رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقہ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور اب پاکستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو اس طریقہ تولید کے مطابق صفِ اوّل میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:۔

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہیئے، یہ ایک جدید طریقۂ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں شتر بے مہار کی طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدے کی جگہ اس کے نقصان کیا ہوں گے"؟

اگرچہ تجربہ کی رُو سے اس جدید عملِ تولید میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وُسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک پہنچانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ ایک حقیقتِ واقعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطور تمہید پیشِ خدمت ہے:۔

سدِّ ذرائع اور اسلام

اسلامی نقطۂ نظر سے کسی شے کے حکم میں اس کے اسباب و عوامل، طریقۂ کار یا نتائج کا بہت زیادہ اثر رہتا ہے، اسلام کسی شئے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے

اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدِنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہو لیکن اس ظاہری حُسن کے باوجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اُس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اِس ذریعہ اور مقدّمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاء کرام کے ہاں یہ حکم "سدّالذرائع" کے نام سے متعارف ہے، علماء کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، خاص کر حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، قرآن وحدیث کی رُو سے اس قاعدہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے قاعدہ کی وضاحت

مثلاً صحابۂ کرامؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت اور توجہ دلانے وقت "رَاعِنَا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یا رسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنیٰ مراد لیتے تھے جو منصبِ نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا۔ (سورۃ البقرۃ ۱۰۴)

ترجمہ: "اے ایمان والو تم رَاعِنَا کا لفظ مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو"

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو قریشِ مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے، آپؐ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریشِ مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کئے ہیں جو بناءِ ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:-

"میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناءِ ابراہیمی کے مطابق بنا دوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اِس لیے سرِدست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ وفساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے قریشِ مکہ کی تعمیر کو اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔

اس قاعدہ کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے طریقۂ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے؟ تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے، دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم وتربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا اور دواعی زنا کی حرمت اور ممانعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جس سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقہ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگرچہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقہ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا چیز ہے؟ کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند ناقابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور ناقابل ہو اور عورت بہ نفس نفیس یا خاوند کے مشورہ سے حسین، قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس اس تجربہ سے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمائیے:-

"آجکل امریکین کیلی فورنیا کے علاقہ "ر سکوڈیڈو" میں رو برٹ گراہم نے عالی ظرف نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے بڑے فنکار، سائنسدان، موسیقار، فلسفی، اور بیشمار اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کو تخ بستہ کر کے محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کیٹیلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں جو "امبری ڈ" سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل و خرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں۔"

ظاہر ہے کہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ تقضاء (الولد للفراش وللعاهر حجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اس شخص کے نطفہ سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے، تو یہ بچہ کبھی بھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دیانتہً یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے ۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہو جائے گا، کیونکہ بغیر قیمت کے میسر نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید و فروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنا لیں ۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرہ کے اندر نکاح کے لیے خاص صورتیں موجود ہیں، زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون یا فطرت ایک اہم سبب ہے۔ اگرچہ یورپی درندوں کے ہاں اخلاق سوز رابطوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے۔ لیکن زیر نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہو جائے گی اور ایک نوجوان عورت کیلئے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفاء کرے گا، یوں اس کی بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز سمجھا جائے گا۔

افزائش نسلِ انسانی کے فارم

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہو سکتی ہوں تو پھر جس ملک کو افرادی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ ظرف اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے

ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کر لئے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نا معلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم و ملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائش نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہا یہ نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضا کار عورتوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہو کر زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ ہوگی۔

مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے

جب ایک نطفہ بغیر رحم مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جا سکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو درکنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک عورت بچے کی جو تربیت کر سکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے یا نکاح قائم رہے حق حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اصہ میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تا بلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

زناکاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال دے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کر لیں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ

کھل جائے گا جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا

جب اس جدید طریقہ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق و ریسرچ کسی خاص حد تک منتہی نہ ہوئی تو عین ممکن ہے کہ انسانی مادۂ تولید کسی بندریہ یا کتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن ماں کا یہ پیارا رشتہ پھر بندروں اور کتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزلی! کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کتیا یا بندریہ کا بچہ کہلائے۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شرع ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا۔

خاندانی منصوبہ بندی

عالم کفر مسلمانوں کی ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ ان کی افرادی قوت سے بھی خائف ہے، ان دونوں کو ختم کرنے کے لیے یورپ نے خاندانی منصوبہ بندی کا غیر فطری طریقہ ایجاد کیا، اور اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے اس نے سبز باغ کے طور پر وسائل کی کمی، رزق کی تنگی، صحیح تعلیم و تربیت خصوصاً عورتوں کی صحت وغیرہ کا نعرہ لگایا، جبکہ اس دلفریب نعرہ کی آڑ میں یہود و ہنود کا اصل مقصد مسلمانوں میں جنسی اختلاط کے ساتھ ساتھ ان کی ایمانی و افرادی قوت کو ختم کرنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات اور نتائج پر انوکھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، مولانا صاحب کے اس مضمون کو افادۂ عام کے لیئے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ایک خبر ہے کہ کمشنر ملتان نے (خاندانی منصوبہ بندی) کے سلسلہ میں [illegible] آباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس "بانگ بے ہنگام" پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتدا ہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انارکی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرہ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھا رہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیّار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دار و مدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے جو اس لعنت کا اوّلین سرچشمہ اور داعی ہے انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیٹین نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مدبر اور ممبر اسمبلی رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا۔ یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت

کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت | مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آرہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافۂ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور خالصتہً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم لحظہ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت کے لئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں

کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور سکیم سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پیدا فریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں —— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:۔

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہو گا۔ (نومبر ۶۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری

مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک "فیکٹری" ادارہ تحقیقات اسلامیہ اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش تحریک کے ڈانڈے قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے — اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخہ شفاء کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقار خانہ میں اہل حق کی صدا سے عزت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علماء دیلا خوف و خشیت اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بھیانہ بھٹی میں کودتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاقی اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

"لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مثانے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں"

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ،ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

"عورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں تو روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک "انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی ستمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہو گا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۶ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر نے "حلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ـــــ اب ایک ایسے ملک کا حال سنیئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے :۔

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ـــــ پڑھیئے اور قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق	اور مت کرو قتل اپنی اولا کو مفلسی کے
نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم	خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں
کان خطأً کبیرا۔	گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک
بنی اسرائیل ۳۱	اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ
کان فاحشۃً ط	زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے
وساءَ سبیلاً۔ ۳۲	اور بہت بری راہ ہے۔

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی ردعمل ہے۔ ارشاد ہے:۔

ولا تقتلوا اولادکم من املاق	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا	کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظھر منھا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ج	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ
آیت ۱۵۱۔ انعام	اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

(نومبر ۱۹۶۶ء)